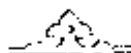


اصلاحی مواعظ

جلد ہفتم

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ



مکتبہ لدھیانویؒ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

قانونی مشیر اعزازی - منظور احمد ایڈوکیٹ بانی کورٹ

اشاعت اول جولائی ۲۰۰۳ء

ناشر: _____ مکتبہ لدھیانوی

_____ 18 سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: _____ جامع مسجد باب الرحمت

_____ پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(بسم اللہ الرحمن الرحیم) جلی جہاد (الذی مضاعف)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور فضل و احسان ہے کہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی میں شروع ہونے والے سلسلہ "اصلاحی موعظ" کی ساتویں جلد مرتب ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، جبکہ اس سے قبل چھ جلدیں آپ ملاحظہ فرمائی چکے ہوں گے۔

بھرا اللہ محنت و تقاہت اور تخریج و تبویب کے سلسلہ میں ہمارے رفقاء نے جو معین و روزہ اول طے فرمایا تھا، آج بھی اسی پر قائم ہیں۔

ہم نے اپنی ہی کوشش کی ہے کہ حضرت شہیدؒ کے وعظ و بیان میں غور کوئی بات بلا حوالہ نہ ہو، چنانچہ جہاں بھی آپؒ نے قرآن یا حدیث کے حوالے سے کوئی بات ارشاد فرمائی ہے، ہم نے جستجو کر کے اس کے متن کو اصل مآخذ سے نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً اگر کہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ: "حدیث میں آتا ہے" تو ہمارا فرض بن گیا کہ ہم اس حدیث کو تلاش کریں اور اس کا متن مع حوالہ درج کریں۔

اگر کہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ: "قرآن کریم میں آتا ہے" تو ہم نے اس کی

تخریج کر کے آیت مع ترجمہ نقل کیا ہے۔

اگر کہیں حضرت شہیدؒ کے بیان کے الفاظ جو قرآن و حدیث کے ترجمہ سے رازد ختم، تو انہیں تخریج کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کتاب سلسلہ مواءنہ کی اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے، جس میں اس طرح تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس کتاب میں پہلی جلد کو چھوڑ کر، قرآن و سنت سے منسوب کسی بات کو بلا حوالہ نہیں چاہنے دیا گیا، خدا کرے آئندہ بھی ہم اس کا اہتمام کر پائیں۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اس میں کوئی غلطی نہیں یا یہ کتاب افلاط سے سہرا ہے، کیونکہ اللہ کی کتاب کے علاوہ ہر کتاب میں اس کا احتمال ہے اور رہے گا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے رفیق کار مولانا محمد اعجاز صاحب کو جنہوں نے اس کام میں جی جان سے محنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہماری نجات، حضرت شہیدؒ کے رفیع درجات اور تمام مصادیقین و کارکنان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین!

ناکپائے حضرت لدھیانوی شریف

سعید احمد جلال پوری

مدیر اہتمام و نجات کراچی

فہرست مواعظ

- ۱۔ معرفت الہی ۲۵
- ۲۔ صحابہؓ نے پہلے ایمان، پھر قرآن سیکھا ۴۵
- ۳۔ حضراتِ صحابہؓ کا تعلیم کے لئے سفر ۶۳
- ۴۔ عمل، ہم کی مقبولیت کی علامت ۸۳
- ۵۔ حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کے مضامین ۱۰۵
- ۶۔ خیر القرون میں مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق ۱۲۳
- ۷۔ نماز کا اہتمام، فوائد و ثمرات ۱۳۳
- ۸۔ نمازوں کے اوقات اور اس کی حکمتیں ۱۳۹
- ۹۔ دنیا میں رہنے کا سلیقہ حضرت ابو برداءؓ کی نصیحتیں ۱۷۷
- ۱۰۔ حقوق کے ساتھ حسن سلوک ۱۸۹
- ۱۱۔ اہل، اہل و عیال اور اعمال زیادہ مفید کون؟ ۲۰۳
- ۱۲۔ آخرت کی تیاری ۲۲۷
- ۱۳۔ آخرت کے بیٹے ۲۴۷
- ۱۴۔ تین خدایک کا حکم ۲۷۱
- ۱۵۔ زندگی کے مراحل ۲۸۳
- ۱۶۔ موت کا منظر ۲۹۷
- ۱۷۔ حرام اشیاء کی خرید و فروخت ۳۰۹

فہرست

(۱)

معرفت الہی

۱۵
۲۷ اشرفِ ائمہؑ کا مقبوم؟
۲۸ کلام کے شرف کےاسب؟
۲۸ درود کی فضیلت کی وجہ؟
۲۹ سب سے افضل کلام؟
۲۹ جنتِ شریعت کی مختلف نصیحت
۳۰ سب سے بہتر فتنہ
۳۰ واقعات کا پس منظر و عبرت ہے
۳۲ ولایت قرآن ترجمہ عثمان
۳۲ بہتر کام وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو
۳۳ عزت و رتے نے الہی کے لئے نہ ہو تو بے کام
۳۳ دیہوی باغ کی ضربیں بکریوں کا باغ آڑا جائے تو
۳۵ بری نیت بڑے انجام کی خدمت
۳۶ اول میں عزت ہو، ہمیشہ زخمت پر غصہ نہ ہو
۳۶ سب سے بدترین کام؟
۳۶ جو کام خود مشغول ہو مگر دینی مقصد کے لئے کیا جائے وہ بدست نہیں

- ۳۷ کتاب لکھتا جائز ہے
- ۳۷ مدرسہ کی تعمیر اور اس کا نظام جائز ہے
- ۳۸ تبلیغ والوں کا سہ روزہ، چاند اور تین چلے بھی جائز ہیں
- ۳۹ قبروں پر پھول انگریز کی سنت ہے
- ۴۰ محدثات پر حدیث سے غلط استدلال
- ۴۱ انگریزوں کی روش کو دلائل مہیا کرنا؟
- ۴۱ جنت جانے کا نسخہ
- ۴۱ سنت کا نور اور بدعت کی عظمت
- ۴۲ محرم اور ربیع الاول کی خرافات
- ۴۲ زیادہ غافل کرنے والے سے تھوڑا کفایت کرنے والا مال بھتر ہے
- ۴۲ ایک غلط سوچ کی اصلاح

۲

- ۴۵ صحابہؓ نے پہلے ایمان، پھر قرآن سیکھا!
- ۴۸ صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!
- ۴۹ صحابہؓ کے استاذ و معلم؟
- ۵۰ انصار کا ایثار
- ۵۲ فتح عراق کے بعد حضرت عمرؓ کا اضطراب
- ۵۲ قرآن سے ایمان کی زیادتی
- ۵۳ صحابہؓ کا قرآن پر عمل کرنا
- ۵۳ حضرت ابن مسعودؓ کا مقام
- ۵۶ حضرت حذیفہؓ کا مقام
- ۵۷ جنازہ میں احتیاط

- ۵۷ علم کتنا سیکھا جائے؟
- ۵۷ عمر کی دوست
- ۵۸ حضرت ابن عمرؓ کی سائل کو چار نصیحتیں
- ۶۰ بڑے پھوٹے ہونے کا معیار

(۳)

حضرات صحابہؓ کا تعلیم کے لئے سفر

- ۶۳ حضرت معاذؓ کی تعلیمی خدمات
- ۶۶ حضرت زید بن ثابتؓ کا علمی مقام
- ۶۶ زید بن ثابتؓ ابن عمرؓ کی نظر میں
- ۶۸ زید بن ثابتؓ عثمان غنیؓ کی نظر میں
- ۷۰ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا
- ۷۰ امام ابو حنیفہؒ کی نماز کے بعد دعا
- ۷۱ چالیس سال عشا کے وضو سے صبح کی نماز
- ۷۱ ایک رات میں دو ہزار رکعت نماز
- ۷۱ ایک رات میں سات آسمانوں کی سیر ممکن ہے؟
- ۷۳ واقعہ معراج پر اشکال کا جواب، ایک حکایت
- ۷۴ وقت میں برکت کی کراہت
- ۷۴ حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ پر اعتماد
- ۷۴ حضرت عثمانؓ اور تیس قرآن
- ۷۴ حضرت معاذؓ کا عتق جہاد اور حضرت عمرؓ کا فتویٰ کے لئے ان کو روکنا
- ۷۵ حضرت معاذؓ کا شرق نقائے اہلی

- ۷۵ نور کے چتے انسانی شکلوں میں
- ۷۷ دین کے لئے جب بھی دعوت دی گئی سجاد نے لپیک کہا
- ۷۷ حضرت علیؓ کو تعلیم کے لئے یمن بھیجا
- ۸۰ حضرت ابو عبیدہؓ کا تعلیم کے لئے مبعوث فرمانا
- ۸۰ اس امت کے امین
- ۸۱ تعلیم کے لئے حضرت عمرو بن حزامؓ کی بعثت

(۴)

عمل، علم کی مقبولیت کی علامت

- ۸۳ کشف نہ ہونا بھی نعمت
- ۸۷ قیامت کے دن مجیدوں کا کھلنا
- ۸۹ قیامت کے دن کچھ نہ چھپے گا
- ۸۹ انگریزی عدالتوں کے جگریز وکیلوں کے کارنامے
- ۹۰ بارگاہ الہی کی پوشی کا منظر
- ۹۲ اللہ تعالیٰ کے فضل کا قصہ
- ۹۲ اللہ کی رحمت سے بخشش
- ۹۳ بارگاہ الہی میں پوشی کا خوف نہیں
- ۹۳ حضرت ابودرداءؓ کا قیامت کی پوشی سے خوف
- ۹۵ حریص نفس سے پناہ کی دعا
- ۹۶ قبول نہ ہونے والی دعا
- ۹۷ عمل کے بغیر علم
- ۹۸ علم پر عمل علم کی مقبولیت کی علامت

- ۹۸ اللہ کے ہاں بدترین آدمی
- ۹۹ قیامت کے دن انسان سے چار سوال
- ۹۹ جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟
- ۹۹ عمر کس میں ضائع کی؟
- ۱۰۰ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟
- ۱۰۰ علم پر کتنا عمل کیا؟
- ۱۰۱ حضرت سبل کی کرامت
- ۱۰۲ حضرت سہلؒ کی طلباً کو نصیحت
- ۱۰۳ علم کی ذکوۃ اس پر عمل ہے

۵

- ۱۰۵ حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کے مضامین
- ۱۰۹ صحف ابراہیم کے مضامین
- ۱۱۱ بادشاہوں کے لئے دستور العمل
- ۱۱۱ حضرت عمرؓ کا احساس ذمہ داری
- ۱۱۳ جو حکومت عوام کو انصاف نہ دلائے
- ۱۱۳ عقل مند آدمی کے ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہونے چاہئیں
- ۱۱۳ عبادت، سناچات اور مجلسہ نفس کے لئے بھی وقت مقرر ہو
- ۱۱۳ مظاہر قدرت میں غور کا بھی وقت ہونا چاہئے
- ۱۱۴ بشری حاجتوں کے لئے بھی وقت مقرر ہو
- ۱۱۴ سفر تہن مقاصد کے لئے ہو
- ۱۱۴ عاقب زمانہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے

- ۱۱۵ صحفِ موسیٰ میں عبرتیں تھیں
- ۱۱۶ صحفِ موسیٰ کے مضامین
- ۱۱۶ مجھے تعجب ہے اس پر جس کو موت کا یقین ہو اور پھر بھی مسکراتا ہے؟
- ۱۱۶ تعجب ہے کہ دوزخ کا یقین ہو اور پھر بھی ہنسے
- ۱۱۷ تعجب ہے کہ تقدیر کے یقین کے باوجود پریشان ہوتا ہے
- ۱۱۷ تقدیر، گاڑی کی مانند ہے
- ۱۱۸ انسان کی دعائیں اور التجائیں سبز جھنڈی کی مانند ہیں
- ۱۱۸ ہماری محاش اور معاد کا انتظام
- ۱۱۹ چوبیس بجھنے نماز میں رہنے کا عجیب لطف
- ۱۲۰ رزق تمہاری تلاش میں ہے
- ۱۲۱ اللہ اپنے بندے کو نہیں بھولتا

۶

۱۲۲ خیر القرون میں مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق

- ۱۲۵ عدی بن حاتم اور نماز کا اہتمام
- ۱۲۵ سعید بن مسیب کا مسجد سے تعلق
- ۱۲۶ مسجد نبوی کی تعمیر میں حضور کا حصہ پتا
- ۱۲۷ مسجد نبوی کی زمین کی خریداری
- ۱۲۸ اپنی زمین اور اپنے پیسوں سے مسجد کی تعمیر
- ۱۲۸ مسجد نبوی کا سنگ بنیاد اور خلافت کی ترتیب
- ۱۲۹ حضرت عمارؓ اور مسجد نبوی کی تعمیر
- ۱۲۹ مسجد نبوی کی تعمیر جانی

- ۱۳۰ مسجد نبوی کی تعمیر کا نقشہ
- ۱۳۰ انصار کی پیشکش
- ۱۳۱ حضرت عثمانؓ کا مسجد نبوی کے بارہ میں ذوق
- ۱۳۱ مسجد نبوی کی توسیع بیت المال سے نہیں ہوئی

④

نماز کا اہتمام، فوائد و ثمرات

- ۱۳۳ زمین کی نمازی کے لئے گواہی
- ۱۳۶ تبلیغ والوں کے لئے مسجدیں اور زمین کی گواہی
- ۱۳۶ تبلیغی محنت کے اثرات
- ۱۳۷ ایک پادری کے اسلام لانے کا عجیب قصہ
- ۱۳۸ نمازی، بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے
- ۱۳۸ نمازوں کے بعد اپنی ضرورت کی دعا مانگو
- ۱۳۹ مشکل کشا صرف اللہ ہے!
- ۱۳۹ نماز سے گناہ جھڑتے ہیں
- ۱۴۰ مومن کو توبہ کے بغیر سکون نہیں ملتا
- ۱۴۰ مومن کا گناہوں سے پریشان ہونا اور توبہ کرنا ایمان کی علامت ہے
- ۱۴۱ رات کی تاریکی سے نفع و نقصان اٹھانے والے
- ۱۴۲ رات کمالی کا وقت ہے!
- ۱۴۳ نماز ادائے شکر کا ذریعہ
- ۱۴۳ آنحضرتؐ کی نماز و روزہ کی کیفیت
- ۱۴۴ ایک آیت کی تلاوت پر پوری رات قیام

- ۱۴۳ تکلیف کے باوجود آپ کا تہجد میں بھی سورتوں کا پڑھنا
- ۱۴۷ مرض الوفا میں آپ کی نماز کا حال

(۸)

نمازوں کے اوقات اور اس کی حکمتیں

- ۱۴۹ فجر کے فرائض اور سنن کی تعداد
- ۱۵۲ فجر کے فرائض و سنن میں اختصار کیوں؟
- ۱۵۳ نماز میں کمزوروں کا لحاظ رکھا جائے
- ۱۵۳ ظہر اور عصر کا وقت؟
- ۱۵۵ مغرب و عشاء کا وقت؟
- ۱۵۵ عشاء سے پہلے سونا
- ۱۵۵ قنل از وقت اور بعد از وقت نماز
- ۱۵۵ مجبوراً نماز کا وقت گزر جانے کی صورتیں؟
- ۱۵۶ بلا عذر تاخیر نماز کا حکم؟
- ۱۵۸ سفر کے دوران نمازوں کا اہتمام
- ۱۵۸ ریل میں باجماعت نماز کے اہتمام کی برکت
- ۱۵۸ سفر میں تمام ضرورتوں کا اہتمام ہے، نماز کا نہیں
- ۱۵۹ جماعت کی برکت کا قصہ
- ۱۶۰ ایک بزرگ کی نماز قضا ہونے کا قصہ
- ۱۶۰ ازل وقت میں نماز کی فضیلت
- ۱۶۱ باجماعت نماز پڑھنے کا راز
- ۱۶۱ حضرت داؤد کے ہاں عبادت کی اہمیت

- ۱۶۲ نمازوں کے اوقات کی حکمتیں
- ۱۶۳ مہاجر کے معنی
- ۱۶۳ ہجرت کی وجوہ اور ان کا حکم
- ۱۶۴ شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کا مفہوم
- ۱۶۳ ہجرت کتنا بڑا عمل ہے؟
- ۱۶۶ نفس کی مٹی نعت کا قصہ
- ۱۶۷ گھر بھی مجاہد کا میدان ہے
- ۱۶۸ نفس سب سے بڑا دشمن
- ۱۶۹ اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں
- ۱۶۹ اللہ کے راستہ کے دو قدم سے کیا مراد ہے؟
- ۱۶۹ نفس کو رام کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت
- ۱۷۰ جہاد کا مقصد؟

۹

- ۱۷۱ دنیا میں رہنے کا سلیقہ! حضرت ابو درداءؓ کی نصیحتیں
- ۱۷۵ آدمی کے نفس کا جوان رہنا
- ۱۷۶ بادشاہ، بزرگ اور شاہی شیخ الاسلام کا قصہ
- ۱۷۶ جس کے دل میں دنیا کی عزت نہ ہو مخلوق اس کی عزت کرتی ہے
- ۱۷۷ بادشاہوں کے حاشیہ نشین عہد
- ۱۷۸ محبت الہی اور خُصّہ دنیا آپنی نہیں ہو سکتیں
- ۱۷۸ اللہ تعالیٰ نور دنیا کی محبت کے ثمرات و نثار
- ۱۷۹ دنیا کے لئے محنت کرنے والے کا انجام
- ۱۸۰ صرف دنیا کمانے والوں کی مثال

- ۱۸۰ دین کی محبت کا علاج چاہئے
- ۱۸۱ ایمان آدم کے معاملات کا مدار؟
- ۱۸۱ اپنی مصیبت کی شکایت مخلوق کے بجائے خالق سے کرو
- ۱۸۲ آفت و مصیبت کی شکایت عہدیت کے اظہار کے انداز میں کرو
- ۱۸۲ حضرت ایوبؑ کا طعنے پر غور
- ۱۸۳ تکلیف دور کرنے کی دعا اور انداز
- ۱۸۳ توفیق و عاقبت کی عداوت
- ۱۸۴ ملحد مقصود ہے، شفا مقصود نہیں
- ۱۸۴ اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو
- ۱۸۵ مظلوم اور جبر کی بدعات بچو!
- ۱۸۶ مظلوم چاہے کافر بھی کیوں نہ ہو
- ۱۸۶ بے کس پر ظلم بدترین ظلم ہے
- ۱۸۷ ضعیفائے ساتھ زب اللہ خدا ہے
- ۱۸۷ ایک بزرگ کی توجہ کا جذبہ
- ۱۸۸ جو انتقام نہیں یہ اس کا انتقام اللہ لیتے ہیں

(۱۰)

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک

- ۱۸۹ بندے کا مطلب؟
- ۱۹۲ کوئی اپنے کو تصور و ارٹھیں جاننا
- ۱۹۳ مخلوق کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں تو
- ۹۳ جہان توحید تو ہمیں مجرم ہیں
- ۹۳ دوسرا اللہ کا رہے تو فرشتہ آپ بھی نہیں

- ۱۹۳ اپنی کوتاہیوں کے بارہ میں جو چاہت ہے، وہی دوسروں کے لئے بھی ہو۔
- ۱۹۴ غیر کی آنکھ کا تنکا۔
- ۱۹۵ کیا لوگ ہمارے عیوب کو اچھا لیں؟
- ۱۹۵ جو دوسروں کو نہ بخشے، اسے نہیں بخشا جائے گا۔
- ۱۹۵ اپنی ذات پر تنقیدی نگاہ ڈالو۔
- ۱۹۷ ستاری کا مطلب؟
- ۱۹۸ گناہوں کی بدبو ہوتی تو۔
- ۱۹۸ کیا تمہیں معاف نہ کیا جائے؟
- ۱۹۹ اللہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے۔
- ۱۹۹ جو توبہ نہیں کرتا۔
- ۲۰۰ فرعونیت چھوڑ دو۔
- ۲۰۰ مسجد میں کوئی صاحب بہادر نہیں۔
- ۲۰۱ جو تھوڑی نہ اچنائے اسے نہیں بچایا جاتا۔

۱۱

۲۰۳ مال، اہل و عیال اور اعمال، زیادہ مفید کون؟

- ۲۱۲ بے وفا دوست۔
- ۲۱۳ ابن آدم کا مال؟
- ۲۱۴ اہل و عیال قبر میں کام نہ دیں گے۔
- ۲۱۴ چنتہ قبر بنانا۔
- ۲۱۴ قبر پر، سرہ لگانا۔
- ۲۱۵ قبر کا ہیکار۔

- ۲۲۶ عذاب قبر؟
- ۲۲۷ مردے کی بے جا تعریف پر عذاب
- ۲۲۸ مردے کی واقعی اچھائیاں بیان کرو!
- ۲۲۹ اعمالِ صالحہ کی وفاق داری
- ۲۳۰ قبر میں برے اعمال کی شکل
- ۲۳۱ قبر میں اعمالِ صالحہ کا منظر
- ۲۳۲ اعمالِ صالحہ عذابِ قبر سے بچاؤ کا ذریعہ
- ۲۳۳ بدکار کا اپنے اعمالِ بد پر اقصاءِ حسرت
- ۲۳۴ اس وقت رونا کام نہیں دے گا!
- ۲۳۵ عقل کا قاتل
- ۲۳۶ عقل کب کام دیتی ہے؟
- ۲۳۷ دنیا و آخرت میں کام آنے والی شے سے تعلق چاہئے
- ۲۳۸ ماں کا نفع خرچ کرنے میں ہے
- ۲۳۹ برزخ میں صلح کی ملاقات

۱۲

آخرت کی تیاری

- ۲۴۰ موت کا فرشتہ اب تمہارے پیچھے ہے
- ۲۴۱ آخرت کا زادِ راہ تیار کرو
- ۲۴۲ گناہوں کا زہر!
- ۲۴۳ اپنی آخرت کی خود فکر کرو
- کیا تیج، دسویں، چالیسویں اور قرآن خوانی سے تیری مغفرت ہو جائے گی؟
- ۲۴۴

- ۲۳۶ قرآن خوانی کا حال
- ۲۳۷ آخرت کی تیاری کیا ہے؟
- ۲۳۵ آخرت کا مفلس
- ۲۳۶ مؤمن اپنے اور دوسروں کے لئے بھی آخرت کا سامان کرے۔
- ۲۳۷ دوسروں کے لئے نیاری بھی دراصل اپنے لئے ہے۔
- ۲۳۷ کافر دسمان کی امداد سے ملاقات کا حال
- ۲۳۹ سب سے بڑی دانائی!
- ۲۳۸ قبر میں نورِ یونکر پیدا ہوگا؟
- ۲۳۸ عذابِ قبر کا خوف
- ۲۳۹ عذابِ قبر کے اسباب
- ۲۳۷ قبرِ جنت کا ہنچہ یا جہنم کا کڑھا ہے۔
- ۲۳۳ عذابِ قبر کا سوالیہ صاف ہے۔
- ۲۳۳ شکر کرو کہ عذابِ قبر سے کی نہیں دیتا۔
- ۲۳۳ اندھے اٹھائے جانے سے ڈرو!
- ۲۳۳ قبرِ مست کے دن اندھا اٹھائے جانے کے اسباب؟
- ۲۳۵ بعض مند کے لئے عطا کی ضرورت نہیں۔
- ۲۳۶ اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں، معیت کو اپنے ڈالو۔

(۱۳)

آخرت کے بٹے

- ۲۳۷ نماز اور پوشیدہ سے بہرت!
- ۲۵۱ قبر سے واپس آنے والے کا قصہ
- ۲۵۳ میدانِ مشرق کی ہولناکی

- ۲۵۲ ایک نیکی کوئی نہیں دے گا۔
- ۲۵۶ اولاد کا باپ کو دنیا ہی میں برداشت نہ کرنا۔
- ۲۵۷ ظلم سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا۔
- ۲۵۷ قبر میں بد اعمالیوں کے سانپ کا قہر۔
- ۲۶۰ ملاوٹ کا وہاں۔
- ۲۶۱ دنیا عبرت کی جا ہے!
- ۲۶۱ نیک بخت کون ہے؟
- ۲۶۲ کوچ کا قہر و بیخ چکا۔
- ۲۶۲ جو جھ ہلکا کرو۔
- ۲۶۳ طول اہل اور اتباع ہوئی۔
- ۲۶۳ اتباع ہوئی کے نقصانات۔
- ۲۶۵ طول اہل کا نقصان۔
- ۲۶۵ دنیا جا رہی ہے اور آخرت آ رہی ہے۔
- ۲۶۵ آخرت کے بیٹے بنو۔
- ۲۶۶ دنیا کے بیٹے اپناے آخرت کا مذاق اڑاتے ہیں۔
- ۲۶۶ تمہیں کمزوروں کی برکت سے رزق ملتا ہے۔
- ۲۶۷ آج عمل اور کل حساب ہو گا۔
- ۲۶۸ میدان حشر میں اٹھائے دنیا کا حاش۔
- ۲۶۹ قبر والے کچھ کر نہیں سکتے۔

(۱۳)

تین طلاق کا حکم

۲۷۱

۲۷۵

تین طلاق کے بعد تحلیل شرعی کی صورت

۲۷۶	تین طلاق کا حکم
۲۷۶	عوام کی غلط فہمی
۲۷۶	خلفائے خلافت، صحابہ کرام اور امام بخاریؒ کے ہاں تین طلاق کا حکم
۲۷۷	تین طلاق کے بارے میں ابن عباسؓ کا فتویٰ
۲۷۸	تین طلاق اور ائمہ اربعہؒ
۲۷۸	طلاق شرعی؟
۲۷۹	ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے
۲۷۹	جنت کے رہیشی زو مال
۲۷۹	آنحضرتؐ کی تربیت کا انداز
۲۷۹	دنیا کی چیزوں کی قیمت؟
۲۸۰	جنت کی نعمتیں سدا بہار ہوں گی
۲۸۰	جنت کے رفعتوں کے پھل

(۱۵)

زندگی کے مراحل

۲۸۳	سفر زندگی کی منزلیں
۲۸۵	سفر زندگی کی ابتداء عدم محض سے
۲۸۶	زندگی کا پہلا نشان
۲۸۶	دوسری منزل: حکم مادر
۲۸۶	بچپن کی منزل
۲۸۷	جوانی کی منزل
۲۸۷	بڑھاپے کی منزل

۲۸۷	بوزرھے کا قصہ
۲۸۸	ان دیکھی منزلیں
۲۸۹	پہلی منزل موت
۲۸۹	آنحضرتؐ کی جامع تعلیم
۲۹۰	والدین کی تعلیم و تربیت کا منشأ اولار سے شفقت و محبت ہے
۲۹۰	امت سے آنحضرتؐ کی شفقت و محبت
۲۹۰	بندوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت و عنایت
۲۹۲	آنحضرتؐ کی ذمت پر شفقت و رحمت
۲۹۳	نابینہ مرثیوں کی تعلیم آنحضرتؐ نے فرمائی
۲۹۳	ماں کی بے ادبی کرنے والے نوجوان کا واقعہ
۲۹۴	نزع کا مرحلہ
۲۹۵	یا اللہ! اہل سے لئے نزع کو آسان فرما دے
۲۹۵	موت کی سختی کو بے ادب و کھو
۲۹۵	شیخ عطارؒ کا واقعہ

موت کا منظر

۲۹۷	ساحب ایمان کی خوشی کی چیز؟
۳۰۰	موت کے دھیان سے خوشی کم ہوتا
۳۰۱	موت کے تصور سے حسد کا علاج
۳۰۲	خوشی کی چیز؟
۳۰۳	مرنے والوں کو کیا خوشی؟

- ۳۰۳ بھگوا چھوڑ دینے کی نصیحت
- ۳۰۴ رزق اللہ کے قسم ہے
- ۳۰۴ رزق اور موت انسان کے پیچھے پیچھے ہیں
- ۳۰۵ جو چیز ہرے پر د ہے اس سے ہر ناکل ہیں
- ۳۰۵ برے لوگوں کی علامت
- ۳۰۵ پہلی علامت
- ۳۰۶ نماز میں خیالات آنے کی شکایت
- ۳۰۷ نماز تھرمائٹر ہے
- ۳۰۷ نماز میں وسوس کی مثال
- ۳۰۸ توجہ سے نمازوں کے چل کی برکت
- ۳۰۹ متوجہ رہنے کا مطلب؟
- ۳۰۹ ایک لمحہ کی حضوری سے بھی کام بن گیا
- ۳۰۹ نماز کا حضور منہارت کے حضور پر موقوف ہے
- ۳۱۰ نکاہری طہارت اعضا کے دھونے سے ہے
- ۳۱۰ باطنی گندگی سے طہارت کا علاج
- ۳۱۱ نکاہری طہارت میں تقصص کا وہاں
- ۳۱۱ وضو کی وہ کس کا اہتمام
- ۳۱۲ دوسری علامت
- ۳۱۳ تیسری علامت
- ۳۱۳ اللہ کی رحمت کے جھوٹے
- ۳۱۳ قبولیت کا وقت
- ۳۱۴ بچوں کو بدونا دینے سے بچو

- ۳۱۴ انعامی باغز کے انعام کی طرح کھات قبولیت کا خیالی رکھو۔
- ۳۱۴ انعامی باغز کے انعام کا حکم؟
- ۳۱۵ انعام نکلنے والا ہے۔
- ۳۱۵ اللہ سے دو چیزیں مانگو۔

(۱۷)

حرام اشیاء کی خرید و فروخت

- ۳۱۹ شراب کا پینا اور بیچنا حرام ہے۔
- ۳۲۰ شراب کے نشہ میں دی گئی طلاق مؤثر ہے۔
- ۳۲۱ جس کا استعمال حرام ہے، اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔
- ۳۲۱ کیا مسلمان کے شراب کے بکے توڑنے پر ضمان ہے؟
- ۳۲۱ ٹی وی کی خرید و فروخت؟
- ۳۲۱ حرام اور مردار کی قیمت بھی مردار ہے۔
- ۳۲۲ سرخ جانور کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے۔
- ۳۲۲ شراب کا سرکہ بنانا؟
- ۳۲۳ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال۔
- ۳۲۳ سونے چاندی کا تعویذ۔
- ۳۲۳ چھوٹے بچوں کے لئے بھی سونے چاندی کا استعمال ناجائز ہے۔
- ۳۲۵ لعنت کا وبال اور اس کی محرومی۔
- ۳۲۵ لعنت کا حکم۔
- ۳۲۵ بزیذ پر لعنت کرنا۔
- ۳۲۶ نماز میں آدمی اللہ سے سناجات کرتا ہے۔

۳۲۶ نماز میں تھوکنے کا حکم

۳۲۶ نماز میں تھوکنے کا ادب

۳۲۶ کچا فرش ہونو حالت نماز میں تھوکنا جائز ہے

۳۲۷ عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے

۳۲۷ عمل کثیر کی تعریف

۳۲۷ ارکان نماز، روح نماز کی علامات ہیں

۳۲۸ ہماری نماز

۳۲۸ دنیا کی نعمت و آزمائش دونوں ناقابل برداشت

۳۳۰ انسان کی حقیقت کی حکایت

۳۳۲ مبارک لوگ

۳۳۳ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی طرف توجہ

۳۳۳ ہم جنت سے آغائے حاجت کو آئے تھے

۳۳۳ گورنر ہاؤس یا استخفا خانہ

۳۳۴ اہل قبور کی حالت

۳۳۵ قبر کا نقشہ سامنے ہے

۳۳۵ بارگاہ الہی میں پیشی کو پیش نظر رکھو!

۳۳۵ ہم خواب غفلت کے نشہ میں ہیں





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 (عبداللہ و سید علی حیاتہ الزری، مصطفیٰ)
 "عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:
 وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْقَصَصِ الْقُرْآنُ، وَخَيْرُ
 الْأُمُورِ عَمَلُهَا، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُعَذِّبَاتُهَا، وَمَا قُلْتُ وَتَكْفِي
 خَيْرٌ جَمًّا تَكْفُو وَالْهَي ... الخ." (علیہ السلام، ج ۱، ص ۱۳۸)
 ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
 روایت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے اشرف بات اللہ کا
 ذکر ہے، اور بہترین قصہ قرآن کریم ہے، اور سب سے بہتر کام
 وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، اور سب سے برا کام وہ ہے جس کو
 گھڑ لیا گیا ہو، اور جو مال کم ہو اور کفایت کرنے والا ہو وہ اس
 مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈالنے والا ہو۔"

اشرف الحدیث ذکر اللہ کا مفہوم؟

جیسی آدمی جو بھی گفتگو کرتا ہے ان میں سب سے اشرف ذکر الہی ہے، ذکر

اللہ میں قرآن کریم کی تلاوت بھی شامل ہے، تسبیحات، درود شریف، استغفار اور تمام وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب ذکر الہی میں شامل ہیں۔

کلام کے شرف کے اسباب؟

کسی کلام کا شرف یا تو اس کے مقصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا جس کا تذکرہ کیا جائے اس کے تذکرہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، قرآن کریم سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے باوجود کلام اللہ شریف کے بعض حصے بعض حصوں سے افضل ہیں، سورۃ یس کو قرآن کریم کا قلب فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کا دل ہے، آیت الکرسی کو ”اعظم آیتہ من القرآن“ فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت۔ سورۃ اظہار کو کلمت قرآن فرمایا گیا ہے، یعنی تہائی قرآن کریم کے برابر سورۃ کافرون کو پچوٹھائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔

پھر قل هو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یہ ایک سورۃ ہے جو تہائی قرآن کے برابر ہے، یعنی دس پارے کے برابر، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے، اسی طرح آیت الکرسی میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا ذکر ہے، اور اس کے دس جملے ہیں اور دسوں میں الگ الگ صفت کو ذکر فرمایا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ کلام کا شرف اس کے اس مضمون کی وجہ سے ہے جس کا ذکر ہو رہا تھا۔

درو کی فضیلت کی وجہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی کے بعد سب سے زیادہ صاحب مرتبہ ہیں، تو آپ کا ذکر خیر، ذکر اللہ کے بعد تمام اذکار سے افضل ہوگا، اس لئے درود شریف کی فضیلت بہت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ:

”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاجِدَ صَلَاتِي اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا“

(مکتوبہ ص: ۸۶)

ترجمہ:۔۔۔ "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف

پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرمائیں گے۔"

دس مرتبہ درود شریف پڑھو تو سو رحمتیں، اور سو مرتبہ درود شریف پڑھو تو ہزار رحمتیں میری ہیں گی۔

سب سے افضل کلام؟

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی پر جو کلام مشتمل ہو وہ سب سے افضل ہے، جو کلام ذکر الہی پر مشتمل ہو وہ اشرف الہدیث ہے، جو بات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب سے اشرف ہے، اس لئے کہ اس پر اجر ملتا ہے اور اس کے ذریعہ بندے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت بندے کے دل میں آتی ہے، بندے کے دل میں عہدیت پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور بندے کی عہدیت یعنی ذاتیت بھی حاصل ہے سب چیزوں کا، اس لئے بلاشبہ اشرف الہدیث ذکر اللہ ہے، سب سے بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس سے آدمی کو غافل نہیں ہونا چاہئے۔

آنحضرتؐ کی مختصر نصیحت:

ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرمائیے، بات ایسی نہ ہو جو کہ میں اس کو ضبط کر سکوں۔ فرمایا:

"لَا يَزَالُ بَشَانُكَ وَطَلَبُ بَنِي دَاخِلِي اللَّهِ."

(مشکوٰۃ ص: ۱۹۸)

ترجمہ:۔۔۔ "تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر

دینی چاہئے۔ ”اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔“

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے یہ حدیث فضائل ذکر میں ذکر کر کے اس کے اتنی فائدے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرماوے۔

سب سے گندی بات کسی مسلمان کو کالی گھوچ کرنا ہے، اور سب سے افضل بات اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، تو اپنی زبان کو گندگی سے آلودہ نہ کرو، بلکہ اس اشرف الحدیث کے ساتھ اپنی زبان کو سنور کرو، زبان میں بھی نور آئے گا، دل میں بھی نور آئے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے!

سب سے بہتر قصص:

قصص کے معنی واقعات کے ہیں، سب سے بہترین واقعہ قرآن کریم کا ہے، قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ ہے، مگر اہل قوموں کا بھی تذکرہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے اور ابلیس کا واقعہ بھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے، فرعون کا واقعہ بھی ہے، قارون کا واقعہ بھی ہے۔

واقعات کا اصل مقصود عبرت ہے:

لوگوں کو واقعات پڑھنے کا بہت شوق ہوتا ہے، لیکن واقعات سے اصل مقصود عبرت حاصل کرنا ہے! اگر ہم نے کوئی واقعہ پڑھا اور اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی تو وقت ضائع کیا، ہاں! آپ نے کوئی واقعہ پڑھا اور اس سے کوئی مفید نصیحت حاصل کی، عبرت حاصل کی تو پھر یہ پڑھنا صحیح ہوا، اور عبرت کے لئے قرآن کریم میں ذکر کردہ واقعات سے بہتر کوئی واقعہ نہیں ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کلام معجز ہے، اس کی عجیب و غریب تعبیرات ہیں، پھر حق تعالیٰ شانہ اس کلام کے ضمن میں فوائد اور نصیحتوں کی طرف بھی اشارہ فرماتے جاتے ہیں تاکہ بندوں کے دل میں ان چیزوں کا دھیان پیدا ہو، تاریخ برائے تاریخ ذکر نہیں کی جاتی۔

سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بہت تفصیل سے بیان فرمایا، شروع سے لے کر ان کی وفات تک، لیکن یہاں بھی تاریخ نہیں دہرائی، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں لے گئے، یہاں تقریروں میں بڑی تفصیل سننے کو ملتی ہے کہ یوں مارا اور یوں جھڑکا، اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ستیا، یہ ساری تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں لیکن قرآن کریم نے ان سب کو لپیٹ کے رکھ دیا، قرآن کریم نے فرمایا:

"فَلَمَّا ذُهِبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَنَّى يُخْفَلُونَ فِي غَيْبَتِ

الْجَبِّ....."

(یوسف: ۱۵)

جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور: نہوں نے ہیکا کریں، اتفاق کر لیا کہ اندھے کنویں میں ان کو ڈال دیں، پھر آگے ذکر ہی نہیں کیا کہ کیا ہوا؟ اور کیا نہیں ہوا؟ ہاں! آیت قرآن کریم میں صرف اتنا ہے کہ:

"وَأَوْخَفَا بِاللَّيْلِ لَحْنَهُمَا بِأَمْوَالِهِمَا هَذَا وَهُمْ لَا

يَشْعُرُونَ."

(یوسف: ۱۵)

ترجمہ: "اور ہم نے ان کو وحی کی کہ ایک وقت

آئے گا کہ تم ان کو یہ واقعات بتاؤ گے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا،

شعور بھی نہیں ہوگا۔"

یہاں یہ کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی لے گئے، اور ان کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تو کیا ہو؟ قرآن کریم نے اس کو ذکر ہی نہیں کیا، کیونکہ وہ محض دل کو نرم کرنے والی باتیں ہوتیں، سننے والوں کو ترس آئے، اور ہوگے، روئے، یہ کوئی عبرت کی بات تو نہیں تھی، اس میں عبرت کی بات تو اتنی ہوئی کہ بے گئے، لے جا کر کنویں میں ڈال دیا اور کنواں بھی اندھا، تو قرآن کریم میں

جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں اس کا ایک ایک حرف نصیحت ہے، عبرت ہے، ایک تو یہ کہ یہ واقعہ مشہور ہے، "وَفُتِنَ أَصْلَافٌ مِّنْ أَهْلِ عَدْنٍ" (النساء: ۸۷) (بات کرنے سے اللہ تعالیٰ سے بہتر سچا کون ہو سکتا ہے؟) "وَفُتِنَ أَصْلَافٌ مِّنْ أَهْلِ قَيْسٍ" (النساء: ۲۲) (گفتگو کرنے میں اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہو سکتا ہے؟)۔

جن واقعات کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا وہ قطعی طور پر یقینی ہیں، دوسرا آدمی ہم جیسا کوئی واقعہ بیان کرے گا تو دو چار باتیں اسے پاس سے بھی ملے گا۔
واقعات قرآن تاریخی نہیں:

دوسری بات یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان واقعات کو تاریخی حیثیت سے ذکر نہیں فرمایا بلکہ عبرت کی حیثیت سے ذکر فرمایا، واقعات کے صرف ان اجزاء کو لیا ہے جن میں کچھ احکام، کچھ مسائل، کچھ فوائد، کچھ نصیحت و عبرت بندوں کو کرنا مقصود تھا، اس لئے سب سے بہترین واقعات قرآن کریم کے ہیں، سورہ یوسف میں فرمایا: "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ....." (یوسف: ۳) (ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں بہترین قصہ، بہترین واقعہ)۔

یوں آتا ہے کہ اہل جنت کبھی کبھی اس قسم کے واقعات بیان کریں گے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی بیان کریں گے، "أَحْسَنَ الْقَصَصِ" فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

بہتر کام وہ ہے، جس کا انجام اچھا ہو!

اس روایت میں آیا ہے: "خَيْرُ الْأَعْمَالِ عَوَاقِبُهَا" سب سے بہتر کام وہ ہے جن کا انجام بہتر ہو، ایک کام کر لیا، اپنے خیال میں اچھا کام کیا لیکن انجام اچھا نہیں نکلا تو اس کام کو اچھا نہیں کہیں گے، ہم نے خیر کے کام کئے یا ایسے کام جن کو ہم خیر نہیں سمجھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ خیر

کے کام تھے، لیکن نعوذ باللہ! ہماری کسی محنت کی وجہ سے ان پر صحیح انجام مرتب نہیں ہوا، مثلاً: کسی نیکی وغیرہ کے بعد ریاکاری کی یا خداخواستہ ایسے الفاظ بول دیئے جس سے وہ اعمال برباد ہو گئے تو کچھ بھی نہ رہا، چاہے صدقہ خیرات وغیرہ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو۔

سخاوت رضائے الہی کے لئے نہ ہو تو بے کار:

آج میں نے ایک عجیب و غریب حدیث پڑھی ہے کہ ۷۰ لم حشرات الارض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے ایک سانپ کا نام نیا اور کہا کہ: ہے تو سردار، بس اس میں تھوڑی سی کسر ہے کہ ذرا بخیل ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخل سے زیادہ لائق ملامت اور چیز کیا ہوتی ہے؟ تو سخاوت بہت ہی اچھا عمل ہے اور بخل بہت بری چیز ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ سخاوت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو تو بے سود اور بے کار ہے، کچھ بھی نہیں سے گا۔ قرآن کریم میں فرمایا کہ:

”اَيُّوْذُ اٰخِيْذُكُمْ اِنْ فُتِحُوْا لَكُمْ جَنَّةٌ مِّنْ تَّحْتِیْ
وَاُغْتَسِبَ لَحْمُیْ مِنْ تَحْتِیْهَا اَلَا نَهَارُ لَكُمْ بِیْہَا مِنْ كُلِّ
الشَّجَرَاتِ وَاضْبَاطُ الْكِبْرِیْ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ مُّغْفَقَةٌ فَاَضْبَاطُهَا اِعْصَارُ
بِیْہَا نَارٌ فَاُخْتَرَقَتْ۔“

(البقرہ ۲۶۶)

یعنی کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور اس کا بڑھاپا آگیا ہو، جوانی میں تو آدمی محنت کر سکتا ہے، نیا باغ بھی لگا سکتا ہے، لیکن بڑھاپے میں تو پرانی کمائی کھائی جاسکتی ہے، نیا کوئی کام کرنا مشکل ہوتا ہے جس میں محنت ہو، اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، اگر اولاد بڑی ہوتی، کام کرنے والی ہوتی تو باغ اجڑ جاتا تو چلو اولاد لگالیتی، بچے چھوٹے

چھوٹے ہیں جو بے چارے کما نہیں سکتے، باغ کیا لگائیں گے، وہ خود اس پر بوجھ ہیں۔ ایسے آدمی کا لہلہاتا ہوا بھرپور باغ جس پر ریت کو آگ بجھلا آیا اور سب کچھ جلا کر چلا گیا، اس شخص کو کتنی حسرت ہوگی! کتنی ندامت ہوگی؟ کتنا غم ہوگا؟ سب کچھ ہی لٹ گیا۔

دنیاوی باغ کی طرح اگر نیکیوں کا باغ اُجڑ جائے تو....!

یہ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی کہ ایک آدمی نے زندگی بھر نیکیوں کا باغ لگایا لیکن یہاں کا آگ بجھلا آیا اور سب کچھ جلا کر چلا گیا، بڑھاپے کا وقت سب سے زیادہ محتاجی کا وقت ہوتا ہے، قوی کمزور ہو جاتے ہیں، سخت کر نہیں سکتا، چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے، لیکن اگر ساری عمر کی جائیداد ضائع ہو جائے تو اس غریب کی کیا حالت ہوگی؟ اور تمہاری زندگی بھر کے اعمال اگر موت کے وقت معلوم ہوں کہ صفر ہیں تو پھر اس سے زیادہ محتاجی کا وقت کیا ہوگا؟ اب نئی زندگی بھی نہیں مل سکتی کہ نئے عمل کر لیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ خلاوت ہو یا دوسرے نیک اعمال، اگر آدمی زندگی بھر سخت کرتا رہے، لیکن ساتھ کچھ بھی نہ لے کر جائے، اور یہیں سب کچھ ضائع کر کے چلا جائے تو اچھا انجام تو نہ ہوا، خیر والے اعمال تو آخرت کے لئے کئے جاتے ہیں، یہ نماز روزہ ہے، یہ حج و زکوٰۃ ہے، یہ ذکر الہی ہے، صدقات و خیرات ہیں اور جتنے اعمالی ساتھ کھلاتے ہیں دن کو آخرت کے لئے کیا جاتا ہے، یہ اعمال مرنے کے بعد کام دیں گے، ان اعمال کو دنیا کے لئے نہیں کیا جاتا، اور یہ آخرت میں اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جبکہ یہ اعمال بھی رہیں، اگر خدا نخواستہ ان کا انجام ہی غلط نکلے تو پھر ایسے اعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے کام کرتے ہوئے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ برے اعمال کرو گے تو اس کا انجام تو ظاہر ہے برا ہی ہوگا، اور نیک اعمال کرو گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے طریقے کے مطابق

نہیں کرو گے تو ان کا انجام بھی بدای ہوگا۔

بری نیت، برے انجام کی علامت:

اسی طرح نیک اعمال کرو لیکن نیت صحیح نہ ہو یا ان اعمال کی آدمی شرطیں بجا نہ لائے تو اس کا انجام بھی صفر ہے، مطلب یہ ہے کہ سب سے بہتر کام ان کے انجام ہیں، کاموں کی بہتری ان کا انجام ہیں، اور دوسری روایت میں ہے: سب سے بہتر کام وہ ہیں جو عزیمت والے ہوں، امت اور عزیمت کے ساتھ کام کو کیا جائے تو کام ہوگا، اور اگر سستی و کاہلی کے ساتھ کیا جائے تو وہ کام ٹھیک سے نہیں ہوگا۔

خیر کے کام کرنے ہوں تو پورے عزم کے ساتھ کرو اور امت کو استعمال کرو، اور یہ شکایت نہ ہو کہ معمولات کی پابندی نہیں ہوتی، نماز کی پابندی نہیں ہوتی، فلاں کام کی پابندی نہیں ہوتی، تلاوت کی پابندی نہیں ہوتی، یہ بھی کسی نے شکایت نہیں کی کہ کھانے کی پابندی نہیں ہوتی، کیا کروں گی تو بہت چاہتا ہے روٹی کھانے کو لیکن پابندی نہیں ہوتی۔ یہ تو کب جاتا ہے کہ تلاوت کی پابندی نہیں ہوتی، نماز کی پابندی نہیں ہوتی، ذکر کی پابندی نہیں ہوتی، دوسرے اعمال خیر کی پابندی نہیں ہوتی، آخر کیوں؟ وجہ کیا ہے؟

اصل میں دو چیزوں کا نقص ہے، ایک یہ کہ آپ نے عزم نہیں کیا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے اور ہر حال میں کرنا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کے لئے ہمت کو استعمال نہیں کیا، اب کھانا آپ کے سامنے رکھا ہو تو کوئی دوسرا آدمی تو اٹھا کے منہ میں لقمہ ڈالنے سے رہا، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، قوت دی ہے، لقمہ اٹھا سکتے ہیں تو منہ تک تو خود ہی لقمہ لے کر جانا پڑے گا، اور اگر کسی نے ڈال بھی دیا تو دانت تو آپ کو ہلانے پڑیں گے، اب کوئی دوسرا آدمی تو آپ کی جھڑ دانت ہلانے لگا، اس کو حلق سے نیچے اتارنا تو آپ کا فعل ہوگا، امت کے بغیر تو آپ کھانا بھی نہیں

کھا سکتے، اسی کو فرمایا: سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کو عزم کے ساتھ کیا جائے۔

اعمال میں عزیمت ہو، ہمیشہ رخصت پر عمل نہ ہو:

یہاں پر یہ بات یاد رکھو کہ ایک عزیمت ہوتی ہے اور ایک رخصت ہوتی ہے، یہ کام کر لو تو اجازت ہے، لیکن عزیمت یہ ہے کہ یہ کام نہ کرو اس عزیمت کی جمع بھی عزائم آتی ہے، تو سب سے بہتر کام وہ ہیں جن میں عزیمت ہو، ہمیشہ رخصتوں پر عمل نہ ہو، کبھی کبھی آدمی رخصت پر بھی غن کر لے، چلو اچھا ہے، اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے، ٹھیک ہے، لیکن اکثر کوشش عزیمت پر عمل کرنے کی ہوتی چاہئے۔

سب سے بدترین کام؟

سب سے بدترین کام وہ ہیں جن کو نیا مڑ لیا گیا ہو، انہی کو بدعت کہتے ہیں، اور لوگ اپنی بے سمجھی یا بے علمی کی وجہ سے اس میں بڑا دھوکا کھاتے ہیں، جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں ہوا، آپ نے اس کی تعلیم نہیں فرمائی، جس کام کو صحابہ کرامؓ نے نہیں کیا اور جس کام کو حضرات فقہائے امت، حضرات امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، رحمہم اللہ تعالیٰ، سنیہ قرآن و حدیث سے نکال کر نہیں بیان فرمایا، اس کام کو عبادت کا کام سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

جو کام خود مقصود نہ ہو مگر دینی مقصد کے لئے کیا جائے

وہ بدعت نہیں:

البتہ وہ کام جو دین کے کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کو خود مقصود نہیں سمجھا جاتا یہ بدعت نہیں ہے، بلکہ یہ دین کا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابیں نہیں لکھی تھیں، صرف ایک ہی کتاب امت کو دی ہے اور وہ ہے قرآن کریم، صحابہ کرامؓ نے بھی کتابیں نہیں لکھیں لیکن دین

کی تعلیم اور تبلیغ کے لئے قلم کو ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بنایا ہے، شاہانِ عالم کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرامی نامے بھی تحریر فرمائے ہیں، مقصود دعوت ہے، غلط مقصود نہیں۔

اسی طرح بہت سی صورتیں ایسی بھی ہوئیں کہ کوئی صحابی دور دراز رہتے ہیں، ان کے نام گرامی نامہ تحریر فرمایا، اور اس میں کچھ ہدایات جاری فرمائیں کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو، زکوٰۃ و صدقات کی مقداریں اور نصاب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروا کے دیئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اس تحریر کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے، تو معلوم ہوا علم کو لکھ لینا اور قلم کے ذریعہ سے لوگوں کو دعوت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، صحابہ کرامؓ اور حضرات خلفائے راشدینؓ بھی گرامی نامے تحریر فرماتے تھے۔

کتاب لکھنا جائز ہے:

چنانچہ تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ دین کی کتاب لکھنا جائز ہے اور عبادت ہے، لیکن خود عبادت نہیں بلکہ تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے عبادت ہے، اب آپ یہ نہیں فرمائیں گے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کتابیں نہیں لکھی گئیں، لہذا کتابیں لکھنا بدعت ہے، یہ بھی نہیں فرمائیں گے آپ کہ بھائی! کتاب میں کیا لکھا ہے یہ تو دیکھو، دین کی حفاظت کے لئے اگر کتاب لکھی جاتی ہے، تعلیم کے لئے یا تبلیغ کے لئے کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کتاب خود مقصود نہیں بلکہ دین کی تعلیم اور تبلیغ مقصود ہے۔

مدرسہ کی تعمیر اور اس کا نظام جائز ہے:

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مسجد

تعمیر فرمائی تو ساتھ ہی ساتھ ایک چبوترہ بنادیا تھا اور اس پر پھر ڈال دیا تھا، جس کو صفحہ کہتے ہیں، آج بھی دو موجود ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ تھا، اور بعض دفعہ یہاں ستر، ستر طالب علم رہ کر رہتے تھے، تعلیم حاصل کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعوت کے کام کے لئے، جہاد کے کام کے لئے بھیجتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس امت میں احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں وہ اس مدرسے میں تین یا چار سال مسلسل رہے، تو معلوم ہو کہ دینی مدارس بنانا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے، مگر جڈنگ یا اس میں درجہ بندی، اسباق کے گھنٹے تقسیم کرنا اور دوسرے جو نظام ہوتے ہیں مدارس کے یہ صرف تعلیم کے لئے اور انتظامی چیزیں ہیں، مقصود تعلیم دینا ہے، تو تعلیم دینا یہ اہم مقاصد میں سے ہے اور یہ مدارس یا ان کا نظام اس کا ذریعہ ہے، اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔

تبلیغ والوں کا سہ روزہ، چلہ اور تمین چلنے بھی جائز ہیں:

بہت سے سر پھرے مجھے لکھتے ہیں کہ یہ جو تبلیغ والوں نے سہ روزہ، چلہ اور تمین چلنے اور سال مقرر کیا ہوا ہے یہ سنت سے ثابت ہے؟ اور یہ کہتے ہیں کہ فضائل اعمال کی کتابیں پڑھو، یہ سنت سے ثابت ہے؟ جب لوگوں کا فہم اتنا نیچے گر جائے تو ان کو کیا جواب دوں؟ تم خود سوچو، میں لکھ دیتا ہوں کہ ہمارے مدارس میں جو کچھ نظام رائج ہے کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ یہ گھنٹہ بخاری شریف کا ہے، یہ گھنٹہ ترمذی شریف کا ہے، یہ گھنٹہ مسند شریف کا ہے، کیا یہ کسی حدیث میں آتا ہے؟ حنفی تو خیر بخاری سے منقلد ہیں، لیکن اہل حدیث تو اپنے آپ کو کچے سنت پر عمل کرنے والے کہلاتے ہیں، کسی حدیث سے ثابت کریں گے کہ فلاں گھنٹے میں بخاری شریف پڑھایا کرو، فلاں گھنٹے میں ترمذی شریف پڑھایا کرو، مدارس میں کسی میں سات ماہ کا نصاب ہے، کسی میں پانچ سال کا نصاب ہے، کسی میں دس ماہ کا نصاب ہے، بچیوں کے لئے کسی نے

تین سال کا نصاب بنادیا، کسی نے چھ سال کا نصاب بنادیا، کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ یہاں کبھی کسی کے دل میں دوسرہ پیدا نہیں ہوا، کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ نصاب کی مقدار یا کتابوں کی تعیین یا اوقات کی تعیین یا نظام تعلیم یہ خود مقصود نہیں ہیں، فروعات ہیں، صبا، مقصود تو دین کی تعلیم ہے، چونکہ دین کی تعلیم کے لئے تجربہ کی بنیاد پر ایک نقش مرتب کر دیا گیا ہے تو آپ اس کو بدعت نہیں کہیں گے بلکہ اس کو بھی بہت بڑا کام ٹوٹا سمجھتے ہیں، یہ مدرس بنانے کو، قرآن کریم کے کتب بنانے کو، بہت اونچی عبادت سمجھا اور کہا جاتا ہے، تو میرے بھائی! تبلیغ کے سہ روز کو، چلے کو، تین چھ کو، سال کو، دو سال کو، پانچ سال کو بھی اسی مد میں شامل کرلو، اگر ان حضرات نے تجربے کے ساتھ دعوت کے کام کو کسی کے اندر پختہ کرنے کے لئے کچھ اوقات مقرر کر دیئے ہیں تو مجھے بتائیے آپ اس کو بدعت کیوں فرماتے ہیں؟ لوگ ٹھپڑا کرتے ہیں۔

قبروں پر پھول انگریز کی سنت ہے:

شاہ تراب الحق کے ساتھ کسی زمانہ میں میرا قلمی مناظرہ ہوا تھا، میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ڈانٹ کر فرمایا: ”مسو کو صاحب! یہ تم نے کیا شروع کر دیا ہے؟“ یہی الفاظ تھے حضرت کے، میں نے کہا: حضرت! آج کے بعد بند۔ وہیں ختم کر دیا، تو ان صاحب سے میں نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہؓ کے زمانے میں قبریں بھی موجود تھیں اور پھول بھی موجود تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ پھول کیوں نہیں چڑھاے؟ یہ پھولوں کی چادر چڑھانا انگریزوں اور مغرب کی طرف سے وحی آئی ہے، یہ آسمان کی وحی نہیں ہے، تم نے مغرب کا چیز دہ کو آسمانی وحی کا رعبہ دے دیا، جیسے میں نے ایک دفعہ کہا تھا ناں!، سلامی بینک، سلامی شراب خانہ، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! سلامی جمہوریت، سلامی کیونزم، مغرب کی طرف

سے جن گندئیوں کی وحی آتی ہے تو اس پر "اسلامی" نام چسپائی کر دیتے ہو۔

محدثات پر حدیث سے غلط استدلال:

یہ محدثات ہیں، تم نے اس کو "اسلامی" بنا دیا اور تم اس کو عبادت سمجھتے ہو، استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کی سواری بدکی، فرمایا کہ: یہ قبریں کیسی ہیں؟ بتایا گیا کہ فلاں کی ہیں، غائبانہ مشرکین کی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی تازہ شاخ منگوائی، اس کو درمیان سے دو حصوں میں چیرا، ایک، آیت قبر پر گاڑ دی، دوسری، قبر پر گاڑ دی یا شاید مسلمانوں کی بھی تھی، فرمایا:

"إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ؛ وَمَا يُغْنِيَانِ فِي عَذَابٍ، أَمَّا
أَخَذْنَاهُمَا لَكُنَّ لَا يَشْعُرُونَ مِنَ النَّارِ، وَأَمَّا الْآخَرُ لَكُنَّ
بِعَمَلِنِي بِالْأَيْمِينَةِ، ثُمَّ أَخَذَ خَرِيدَةً رُطْبَةً فَطَفَّنَاهَا بِهَضْفَيْنِ ثُمَّ
عَزَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ لَمْ تَصْنَعْ
هَذَا فَقَالِي: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَنْتَسِبَا."

(صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۱۸۲)

ترجمہ: "... ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہوتا، ایک تو ان میں سے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ: یہ شاخیں میں نے اس لئے گاڑی ہیں کہ شاید ان کے عذاب کے ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرمائیں گے۔"

یہ تو ہیں حدیث شریف کے الفاظ، بعض اکابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے شاخ گاڑنے سے یہ استدلال فرمایا کہ قبر پر کوئی سبز شاخ گاڑ دی جائے، چلو یہ بھی کسی درجے میں ہے، مگر چہ یہ بھی صحیح نہیں ہے، اب اس سے ہمارے دوست آگے بڑھے کہا کہ پھول ڈالے جائیں، کس کی قبر پر؟ اولیاء اللہ کی قبر پر! کیوں؟ کیا ان اولیاء اللہ کو عذاب ہو رہا ہے؟ معذب سمجھ کر قبر پر پھول ڈالتے ہو؟

انگریزوں کی روش کو دلائل مہیا کرنا؟

باہر کے بڑے لوگ جب ہمارے یہاں آتے ہیں تو قائد اعظم کے حزار پر پھول ڈالتے ہیں، تو ہمارے بڑے لوگ جب باہر جاتے ہیں تو ان کے قومی رہنماؤں کی قبروں پر پھول ڈالتے ہیں، قبر بھی نہ ہو تو مٹی پر ڈالتے ہیں، یہ دنیا کی رسم ہے، اب تم اس کو دین بناتے ہو! یہاں تو نہیں لیکن دوسری روایت میں ہے: "وَكُلُّ مُخْلِطٍ بِذُغَةِ وَنُكُلٍ بِذُغَةِ ضَلَالَةٌ" (اور ہر نئی بات جو گھڑی جائے وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت برائی ہے!) اور اس کے ساتھ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ: "وَكُلُّ مُخْلِطٍ بِذُغَةِ فِي النَّارِ" (ہر گھڑی ووزخ میں ہے)، اور ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: تھوڑی سنت پر عمل کر لینا بڑی بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

جنت جانے کا نسخہ:

پانچ وقت کی نماز پڑھو! دیکھو میں تمہیں بتاتا ہوں نماز کے ساتھ جو سنتیں ہیں وہ پڑھ لیا کرو، تکبیر تحریمہ کا اہتمام کرو، اس کے علاوہ اگرچہ ایک لفظ بھی نہ پڑھو، انشاء اللہ میدھے جنت میں جاؤ گے، اور ساری ساری رات لیلۃ القدر میں، شبِ برأت میں، ستائیسویں رجب میں عبادت کرو، لیکن فرض نماز کا اہتمام نہ کرو، "فلسی النار" نتیجہ جہنم ہے۔

سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت:

سنت پر عمل کرنے والا کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے محروم نہیں

ہوگا، اور بدعات میں جھننے والا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات کو حاصل نہیں کر سکتا، اس کے حصے میں ظلمت ہی ظلمت ہے۔

محرم اور ربیع الاول کی خرافات:

اب یہ محرم شروع ہوا ہے، ساری کی ساری خرافات ہیں، بدعات ہیں، چاہے کسی نے گھڑی ہوں، اب ان کو تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا، محرم کی بدعات کے بعد پھر ربیع الاول آنے والا ہے، کسی نے صحیح کہا تھا کہ:

یہ امت خرافات میں کھوئی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں، میاں! خدا کے لئے اس پر عمل کرو، فرائض ہیں، واجبات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن ہیں، پھر عقائد سے متعلق، احکام سے متعلق، معاشرت سے متعلق، معاملات سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرو، لانا بدعات کے ذریعہ سے تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

زیادہ غافل کرنے والے سے

تھوڑا کفایت کرنے والا مال بہتر ہے:

اس کے بعد فرمایا: تھوڑا مال ہو لیکن کفایت کر جائے، ضرورت پوری ہو جائے وہ بہتر ہے اس زیادہ مال سے جو آدمی کو غافل کر دے۔

ایک غلط سوچ کی اصلاح:

بھائی! میں بھی اس میں شامل ہوں، آپ بھی اس میں شامل ہیں، ایک غلط خیال ہم سب میں پختہ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ حلال مال زیادہ سے زیادہ کمانا چاہئے، حرام تو خیر نہیں کمانا چاہئے، لیکن حلال مال زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے، یہ ہماری بھول ہے،

کیونکہ جتنا زیادہ ہوگا اتنے زیادہ کا حساب بھی دینا ہوگا، تھوڑا ہوگا تو تھوڑے کا حساب دوئے، زیادہ ہوگا تو زیادہ کا حساب دوئے، ایک نے دس روپے خرچ کئے ہیں، اس کو دس روپے کا حساب دینا ہے، اور ایک نے دس ہزار خرچ کئے ہیں، تو اس کو دس ہزار کا حساب دینا ہوگا، اب تم دیکھ لو کہ دس روپے کا حساب دینے میں وقت زیادہ لگے گا یا دس ہزار کا؟ اور یہ تو جب ہے کہ ہمارا حساب بالکل صاف ہو، اگر حساب میں کہیں گھٹلا نظر آ گیا تو پھر وہیں پکڑ لے گئے۔

زیادہ کماتے کہ میں حرام اور ناجائز نہیں کھتا، کھانا، حلال کہہ کر تمہاری خوشی ہے، لیکن اس غلطی کی اصلاح کرو: چاہتہ دوس جس میں میں بھی مبتلا ہوں، آپ بھی مبتلا ہیں، اگر کوئی زیادہ کہتا ہے چیتا آوی ہو تو اس کی قدر ہمارے نزدیک زیادہ ہے، اور ایک فقیر مسکین ہے اس کی عظمت اور قیمت ہمارے دل میں نہیں، لیکن جس طرح کسی چیز کی تہہ رنگی ہوتی ہے، اگر اس کو پلٹ دیا جائے تو نیچے دائی اوپر آجاتی ہے، اوپر دلی نیچے چلی جاتی ہے، قیامت کے دن ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو پلٹ دیں گے، آج جو تمہیں نیچے نظر آتے ہیں، وہ کل کو اوپر ہو جائیں گے، اور آج جو اوپر نظر آتے ہیں وہ کل کو نیچے نظر آئیں گے، اور جو آج گئے نظر آتے ہیں، وہ نیچے ہو جائیں گے، اور پیچھے والے آگئے ہو جائیں گے، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بالکل بجا فرماتے ہیں، "منا و صدق! کہ ہر مال تھوڑا ہو لیکن کفایت کر جائے، پس بقدر کفایت ہو وہ بہتر ہے، یہ نہیں کہ ہماری یہ خواہش پوری ہو جائے وہ خواہش پوری ہو جائے، پس کفایت میں زندگی گزار جائے وہ بہتر ہے اس مال سے جو زیادہ ہو کر فائل کر دے۔ یہ فائل ہونا کئی طریق کا ہوتا ہے، تشریح کا موقع نہیں، ایک قسم غصت کی یہ ہے کہ اسی مال کے انتظام میں پیارہ لگا ہوا ہے، کچھ کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی، یہ بھی غصت ہے۔

والفرح و جودنا (و الحمد لله رب العالمین)!



صحابہؓ نے پہلے ایمان،
پھر قرآن سیکھا!



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
(الحمد لله رب العالمین صلی علیہ وآلہ وسلم)

حدیث شریف میں ہے:

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَقَدْ عَشِيتُ
بِرُحَّةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَإِنِّي أَخَذْتُ يُوْنُسَ الْإِيْمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ
وَنَزَلَ السُّورَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْعَلُمُ
خِلَالَهَا وَحَرَائِمَهَا وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يَقِفَ عِنْدَ مَبْنَاهَا كَمَا
تَعْلَمُونَ أَنْتُمْ الْقُرْآنَ، ثُمَّ لَقَدْ رَأَيْتُ رِجَالًا يُوْنُسَ أَخَذَهُمُ
الْقُرْآنَ قَبْلَ الْإِيْمَانِ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ إِلَى
خَاتَمِهِ، بِمَا يَدْرِي مَا امْرُؤٌ وَلَا رَاجِرَةٌ، وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يَقِفَ
عِنْدَ مَبْنَاهُ وَيَتَنَبَّهَ نَفْسَهُ لِمَا فِيهِ“ (مجمع الروايات ج ۱ ص ۱۶۵)

ترجمہ:..... ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے
ہیں کہ: مجھ پر ایک طویل زمانہ گزرا، ہم لوگ پہلے ایمان سیکھتے
تھے پھر قرآن سیکھتے تھے، پہلے ایمان سیکھا اور اس کے بعد قرآن
سیکھا، قرآن کریم کی سورتمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

ہوتی تھیں تو ہم ان کے حلال و حرام کو بھی جانتے تھے، اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ اس آیت پر یہاں وقف کرنا چاہئے، لیکن اس کے بعد کچھ لوگ آئے ہیں جنہوں نے ایرن تو سیکھا نہیں، قرآن سیکھ لیا اور وہ سورۃ فاتحہ سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں، اور پڑھتے بھی دھڑا دھڑ ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس آیت میں کہیں وقف کرنا ہے؟ کہاں ٹھہرنا ہے؟ کیا اس کے احکام ہیں؟ سورۃ فاتحہ میں کیا احکام ہیں؟ اور اسی طرح دوسری سورتوں میں کیا احکام ہیں؟ بس جس طرح کہ روٹی بھجوروں کو چن کر آدمی الگ کر لیتا ہے، اسی طرح ہم قرآن پڑھ رہے ہیں۔“

صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کی بات کر رہے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہم پہلے ایمان سیکھتے تھے، اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں چنہ کر ول کی گھرائیوں میں اتر جاتا تھا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔“ یہ تو اپنے زمانے کی بات ہے کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اور ہمیں کے بعد قرآن سیکھا، پھر جب قرآن نازل ہوتا تھا، یعنی کبھی ایک چھوٹی سورت، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں، کبھی چند آیتیں، تو ایمان کو سیکھنے کے بعد پھر ہم قرآن کو سیکھتے تھے اور قرآن اس طرح سیکھتے تھے کہ اس کے حلال کو، حرام کو، جائز کو، ناجائز کو، ہر چیز کو جانتے تھے، اور اب کچھ لوگ آئے ہیں یا آئیں گے کہ وہ دھڑا دھڑ قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیں گے، ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ قرآن مجید ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟

سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ والناس تک وہ قرآن مجید سارا حفظ سادیں گے، لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، منہلی سے نیچے نہیں اترے گا، اور قرآن مجید کو اس طرح فر فر پڑھیں گے گویا کہ رذی کجوروں کو چھانٹ رہے ہیں، الگ کر رہے ہیں۔ یہی فرق ہے ہمارے درمیان اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان، ان کے اندر خشیت تھی، خشوع تھا، قرآن مجید ان کے ظاہر اور باطن پر اثر کرتا تھا، اور ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن قرآن کوئی اثر نہیں کرتا، حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ اس کو دیکھتے ہی نہیں کہ جائز کیا ہے؟ ناجائز کیا ہے؟ کوئی پرواہ ہی نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون!

ابن ماجہ کی روایت میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

”كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ لَمُتَانِ عَزِيزَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَأَرَادَ ذُنَا بِهِ الْإِيمَانَ.“
(ابن ماجہ ص ۱۱)

ترجمہ: ... ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، اور ہم ابھی لڑکے سے تھے، کہا جاتا ہے کہ جوان بھی نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے تو ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن مجید سیکھا، اور پھر قرآن مجید کے سیکھنے کی برکت یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے سیکھنے کے بعد ہمارے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔“

صحابہ کے استاذ و معلم؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، جن کے معلم، معلم

انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ
رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ
مُبِينٍ“ (آل عمران: ۱۸۴)

ترجمہ:..... ”بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے
اس ایمان پر کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان رسول انہی میں
سے بھیج دیا، جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے، اور
ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم
دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے (لیکن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ تمام انسانوں کے معلم
بن گئے)۔“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو بہت تھوڑے لوگ آئے، کوئی ایک
لاکھ آدمی بھی نہیں ہوگا، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور خود آپ صلی
اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلیم پائی، باقی یعنی دنیا تھی ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم کے شاگردوں نے پڑھایا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے، ان حضرات پر اور
ان کے طفیل آنے والی امت پر، جس کی کوئی نہایت اور حد نہیں ہے۔

انصار کا اشارہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دو جماعتیں تھیں، ایک مہاجرین تھے
جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، یہ کبھی باڑی نہیں کرتے تھے، مکہ مکرمہ میں کبھی
کہاں ہوتی تھی؟ جانتے ہی نہیں تھے کہ کبھی باڑی کیا ہوتی ہے؟ اور دوسرے انصار

تھے جو مدینے کے رہنے والے تھے، یہ حضرات کھتی باڑی جانتے تھے، یہ چھوٹی سی بہتی تھی، آج جس کو مدینہ کہتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس کو ”یثرب“ کہا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد وہ ”مدینہ“ بن گیا، ”مدینۃ الرسول“ صلی اللہ علیہ وسلم، ”طایبہ“، ”طیبہ“ یہ سب اس کے نام بن گئے تھے، مدینہ میں تھوڑی سی زمینیں تھیں، جب یہ مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، تو مدینے والے حضرات نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ان مہاجرین کو ہمارا بھائی بنادیا ہے اور بھائی بھی اس طرح بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو فرمایا کہ: تم آپس میں بھائی ہو! انصاری کے پاس اگر دو بیویاں تھیں تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایک کو طلاق دیتا ہوں یہ میرا مہاجر بھائی اس کے ساتھ نکاح کر لے، اور جتنی ہماری زمینیں ہیں، آدمی ہماری اور آدمی ان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہیں ان سے اچھا طریقہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ ضرور بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمینیں تو تم اپنے پاس رکھو، لیکن اس کے غلے اور آمدنی میں سے ان کو آدھا دے دیا کرو، کاشت کاری تم کرو، کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کاشت کاری کیا ہوتی ہے؟ صحابہ نے فرمایا: ٹھیک ہے! اب یہ حضرات انصار مدینہ کے رہنے والے کاشت کاری بھی خود کرتے تھے، زمینیں بھی ان کی تھیں مگر اس کا آدھا حصہ مہاجرین کو دے دیتے تھے، جب کچھ وقت گزر گیا اور بعض علاقے فتح ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصار کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ: زمینیں اللہ تعالیٰ نے فتح کردی ہیں، اب میرا خیال یہ ہے کہ جو زمینیں فتح ہوئی ہیں وہ مہاجرین کو دے دیں اور تمہاری زمینیں تمہیں واپس کر دیں! انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ جو ہم نے مہاجر بھائیوں کو زمینیں دی ہوئی ہیں، یہ زمینیں بھی ان کے پاس رہیں اور نئی زمینیں بھی آپ ان کو دے دیں۔ کیا کسی نے

ایسے لوگ دنیا میں دیکھے ہیں؟

فتح عراق کے بعد حضرت عمرؓ کا اضطراب:

آخر میں تو اللہ تعالیٰ نے اتنی کشاکش فرمادی کہ زمینیں فتح ہوئیں بلکہ ملکوں کے ملک فتح ہو گئے، اس وقت چونکہ دستور یہ تھا کہ پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا اور چار حصے عبادین پر تقسیم کر دیے جاتے تھے، جب یہ عراق اور اس کی زمینیں فتح ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے پاس مہاجرین کو بلاؤ! جب مہاجرین آ گئے تو حضرت عمر مہاجرین سے کہنے لگے کہ: میں تم سے ایک اہم مسئلہ کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں، وہ مشورہ یہ ہے کہ اب زمینیں تو بہت فتح ہو گئیں، اور تقسیم کر کے اس کا چوتھا حصہ تمہیں دے دیا گیا، لیکن میں سوچتا ہوں کہ تم تو وہ زمینیں لے کر بیٹھ گئے مگر آئندہ قیامت تک آنے والی صلیبیں وہ کیا کھائیں گی؟ تو یہ حضرات اس کا کوئی ٹھیک جواب نہیں دے سکے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انصار کو بلاؤ! ان کو بلا یا وہ بھی کوئی صحیح جواب نہ دے سکے، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استخارہ شروع کر دیا، مسلسل ایک ماہ تک استخارہ کیا، بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ مدت ذکر کی گئی ہے، آپؓ برابر استخارہ کرتے رہے، ایک دن بہت ہی خوشی اور مسرت میں ان مہاجرین و انصار کو فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے مسئلے کا حل کر دیا ہے، آئندہ یہ زمینیں تقسیم نہیں کی جائیں گی بلکہ یہ جو کاشت کار ہیں، یہ زمینیں ان کے پاس رہیں گی اور یہ مسلمانوں کی زمینیں ہوں گی، اور اس میں آنے والے سارے شریک ہوں گے۔ حضرت نے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام کے تمام صحابہؓ اس پر شفق ہو گئے۔

قرآن سے ایمان کی زیادتی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”قَالَ: كَتَابَتِ السُّورَةُ إِذَا نَزَلَتْ عَلَى عَهْدِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ الْآيَةُ أَوْ الْكُتُبُ زَادَتْ
الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا وَخَشَوْعًا وَنَهْنَهَةً فَاتَّهَرُوا“

(المزاحمہ ج ۱ ص ۳۳۴)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
میں ایسے سورہ نازل ہوئی یا ایک آیت یا زیادہ تو مسلمانوں کے
ایمان اور خشوع میں اضافہ ہو جاتا، جس آیت نے جس چیز سے
روک رکھا تھا اس سے وہ روک جاتے اور جس چیز کا تقہر فرماتا تھا اس
پر وہ جم جاتے۔“

صحابہؓ کا قرآن پر عمل کرنا:

ابو عبد الرحمن سلمیٰ قرآن مجید کے بہت بڑے قاری ہیں، لیکن یہ بھی ہیں،
صحابہؓ کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں:

”خَذَلْنَا مَنْ كَانَ يَقْرَأُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقْتَرُونَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ فَلَا يَأْخُذُونَ فِي الْغُشْرِ
الْآخِرَى حَتَّى يَفْعَلُوا مَا فِي هَذِهِ مِنَ الْعَمَلِ وَالْعَمَلِ قَالُوا:
فَعَمَلْنَا الْعَمَلِ وَالْعَمَلِ“ (مسند، ج ۵ ص ۳۱۰)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صیہ میں
سے جو حضرات ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، انہوں نے
ہمیں بتایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی
دس آیتیں لیکھا کرتے تھے، جب یہ دس آیتیں یکجا ہوتیں، ان
آیات پر ان کا علم اور عمل سب دس میں داخل ہو جاتا، پھر عرض

کرتے کہ اب اگلا سبق بھی دیں، یعنی اس طرح وہیوں نے قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا کہ وہ آیتیں حفظ بھی کرتے اور ان کے علم اور عمل کو بھی اذہر کرتے اور اس کی قبیل بھی کرتے، چنانچہ وہ صحابی فرماتے ہیں جن سے یہ ابو عبد الرحمن صلی نقل کرتے ہیں کہ: ہم نے علم اور عمل دونوں اچھے دیکھے تھے، صرف علم نہیں سیکھا بلکہ عمل بھی سیکھا۔“

حضرت ابن مسعودؓ کا مقام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ درخت سے مسواک کاٹنے لگے تو ان کی چادر ہوا سے اڑ گئی اور پنڈلیاں تلگی ہو گئیں، چونکہ ان کی پنڈلیاں بالکل پتلی تھیں، معاذ دیکھ کر ہنسنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں ہنستے ہو؟ کہنے لگے: عبداللہ بن مسعود کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنسنے ہیں کہ اتنی پتلی پنڈلیاں ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن یہ میزان میں تو پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوں گی! ”صاحب التعلین والمصادۃ“ ان کا لقب تھا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا ان کے سپرد تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ:

”فَمَنْ كُنَّا حِينَئِذَا نَرَىٰ إِلَّا أَنَّا عَبْدُ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ

رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَرَىٰ

مِنْ دُخُولِهِ وَدُخُولِ أَفْئِدَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.”

(مشکوٰۃ ص ۵۷۳)

یعنی ہم مدینے میں آئے، ایک مدت تک ہمیں یہی پتہ نہیں چلا کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگ ہیں یا باہر کے آدمی ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:

”إِسْتَقْرِؤْ الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
مَسْعُودٍ، وَسَالِبِ مَوْلَى أَبِي حَذِيفَةَ، وَأَبِي بَنْ كَعْبٍ، وَمُعَاذٍ
ابْنِ جَبَلٍ.“
(مشکوٰۃ ص ۵۷)

یعنی قرآن کریم چار آدمیوں سے پڑھا سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا، دوسرے نمبر پر سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام تھے اور غلام بھی ایسے تھے جب پردے کا حکم نازل ہوا تو ابوحذیفہؓ کی اہلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! پردے کا حکم نازل ہوا اور ساتھ کو تو ہم نے بچوں کی طرح پالا ہے، اب اس سے پردہ کیسے کریں، دو واڑھی والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی برتن میں اپنا دودھ نکال کر اس کو پلا دو، تمہارے لئے محرم بن جائے گا، اور یہ صرف سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کی خصوصیت ہے کہ واڑھی والا ہونے کے باوجود ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔

بہر کیف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس دس آیتیں سیکھتے تھے اور جب تک کہ ان کے علم کو عمل کو ہر طرح سے ان کے احکام کو معلوم نہیں کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، اس طرح پورا قرآن مجید پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال سنایا بھی کرتے تھے، قرآن مجید کے حافظ تھے، اور جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس رمضان کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود مرتبہ سنایا، اسی لئے فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی قرآن مجید مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے تو میں اس کی بھی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان دونوں بزرگوں سے یہ بات منقول ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کوئی ایسا آدمی معلوم ہو جو مجھ سے زیادہ قرآن مجید جانتا ہے، تو میں اس کے پاس

جا کر قرآن مجید سیکھتا ہوں، اور وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں؟ سفر میں نازل ہوئی ہے یا حضر میں؟
ایک روایت میں ہے۔

”عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا إِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَمْ نَتَعَلَّمِ الْعَشْرَ الْآيَةَ بَعْدَهَا حَتَّى نَتَعَلَّمَ مَا فِيهِ، لَقَبِيلٌ لِبَشَرِيكَ: مِنَ الْعَقْلِ؟ قَالَ: نَعَمْ“

(کنز العمال ج: ۱ ص: ۲۳۳)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک ہم اس قرآن مجید کی دس آیات کے احکام کو نہیں سیکھ لیتے تھے، آگے نہیں پڑھتے تھے، شریک جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا: عمل مراد ہے؟ یعنی احکام پر عمل کرنا؟ کہنے لگے: جی ہاں! یہی مراد ہے۔“

حضرت حذیفہؓ کا مقام:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دوستی تھی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کی باتیں بتائی تھیں اور منافقوں کے بارے میں بتایا تھا، جب کوئی جنازہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ: دیکھو حذیفہؓ ان میں یعنی جنازہ پڑھنے والوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں شرکت کرتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہیں ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوتے تھے۔

جنازہ میں احتیاط:

ہماری مسجد قلاح کے امام صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا ہے، پہلے مجھے بہت ہی دقت ہوتی تھی، جب کوئی جنازہ آتا تھا میں پریشان ہوتا تھا کہ کیا کروں؟ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کی داڑھی نہیں ہوتی تھی، ان کا جنازہ کیسے پڑھاؤں؟ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو حرام کھانے والے ہیں، ان کا جنازہ کیسے پڑھاؤں؟ غرضیکہ جب کوئی جنازہ آتا تھا تو مجھے پریشانی ہوتی تھی، اب اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہ آگے ہیں، یہ آگے ہو جاتے ہیں، ہم چھپے، اللہ اکبر! جو نیت امام کی وہ نیت مقتدی کی، اللہ اکبر!

علم کتنا سیکھا جائے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

”يَا أَخَا بَنِي عَنَسٍ! إِنَّ الْعِلْمَ كَثِيرٌ وَالْعَمَلُ قَلِيلٌ
فَتَخَذْ مِنَ الْعِلْمِ مَا فَخْتَاخَ إِلَيْهِ فِي أَمْرِ دِينِكَ، وَذَنْعْ مَا
بِهِ زَاةٌ فَلَا تُغَايِبُهُ“ (صنعة الأولياء ج: ۱ ص: ۸۹)

ترجمہ: ”سایا! عمر بہت تھوڑی ہے اور علم بہت زیادہ ہے، اگر تم سارے قصے کہانیاں پڑھنے لگو گے تو عمر ختم ہو جائے گی، پس ضرورت کی باتیں معلوم کرو اور اپنے علم میں لگو!“

علم کی وسعت:

ایک اور روایت میں ہے:

”عَنْ أَبِي الْبَخْرِيِّ قَالَ: صَحِبَ سُلَيْمَانُ زَيْدُ

مِنْ بَنِي عَنَسٍ قَالَ: فَشَرِبْتُ مِنْ دَجَلَةٍ ضَرِبَتْ فَقَالَ لَهُ
سَلَمَانٌ: هَذَا مَا شَرِبْتَ! قَالَ: قَدْ رَوَيْتُ! قَالَ: أَتَرَى
ضَرْبَكَ هَلْ فِيهِ نَقْصٌ مِنْهَا؟ قَالَ: وَمَا يَنْقُصُ مِنْهَا ضَرْبُهُ
مِنْهَا؟ قَالَ: كَذَلِكَ الْعِلْمُ لَا يَنْقُصُ فَعَدُّ مِنَ الْعِلْمِ مَا
يَنْفَعُكَ" (حلیۃ الاولیاء ج: ۱ ص: ۱۸۸)

ترجمہ: ابو البشرؑ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی بنی
عنس میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ساتھی ہو،
چلے چلے راستے میں دریائے دجلہ آتا تھا، انہوں نے اس طرح
چلو لے کر پانی پی لیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
فرمانے لگے: اور پی لو! وہ ساتھی کہنے لگے: حضرت اتنا ہی پیتا تھا
مجھے ہتھ پینا تھا پی لیا! فرمایا کہ: تمہارے اس چلو پینے سے
دریائے دجلہ میں کوئی کمی بھی واقع ہوئی ہے؟ (ظاہر بات ہے
کہ کیا کمی واقع ہوگی، دریا بھرا ہوا چل رہا ہے، ایک آدمی ایک
باٹنی بھی پی لے تو کیا کمی واقع ہو جائے گی؟ انہوں نے تو ایک
چلو پیا تھا، تو ارشاد فرمایا: یہی مثال ہے آدمی کی عمر کی اور یہاں
سے علم کی، علم تو بہت ہیں، بے شمار ہیں، اور علوم کے دریا چل
رہے ہیں، علم کم نہیں ہوتا، لیکن آدمی کس کس علم کو سیکھے؟ آدمی کو
اتنا علم سیکھنا چاہئے جو اس کو آخرت میں کام دے سکے۔

حضرت ابن عمرؓ کی سائل کو چار نصیحتیں:

محمد بن ابی قلیبہؓ ذکر کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی
اللہ عنہ کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اور تمام علما کا اطلاق ہے کہ

صحابہ کرامؓ کی جماعت میں ان سے بڑھ کر کوئی قبیح سنت نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کیا، ان کو معلوم تھا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی ضرورت کے لئے اترے تھے، بعد میں جب سفر میں اس راستہ سے گزرتے، چاہے ان کو ضرورت ہوتی یا نہ ہوتی، وہاں اترتے اور اس طرح بیٹھتے گویا پیشاب کر رہے ہیں اور اٹھ کر آ جاتے، یعنی ان کو وہ جگہ بھی معلوم ہوتی تھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے لئے بیٹھتے تھے، کسی نے کسی مسئلہ میں خط لکھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

”إِنَّكَ تَكْتَبُ فَنَسَأَلُنِي عَنِ الْعِلْمِ، فَأَلْعَلِمُ أَتَكْبُرُ
مِنْ أَنْ أَكْتُبَ بِهَ الْبَيْتِ، وَلَكِنْ إِنِّي اسْتَطَعْتُ أَنْ تَلْقَى اللَّهَ
كَمَا لَقِيَ النَّبِيُّ عَنْ أَغْرَاضِ الْمُسْلِمِينَ، خَفِيفُ الظَّهْرِ مِنْ
دِمَائِهِمْ، خَمِصُ الْبَيْتِ مِنْ أَمْوَالِهِمْ، لَا ذِمَّةَ لِمَنْ عَابَهُمْ
فَالْعَلَّ“ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۰)

تو نے مجھے علم کے بارہ میں خط لکھا ہے، مگر علم اتنی بڑی چیز ہے کہ میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا، لیکن چار باتوں کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں:
۱۔۔۔ پہلی بات یہ کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کر کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ مسلمانوں کی عزت اور آبرو سے تیری زبان محفوظ ہو، اور کسی مسلمان کا تہارے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے فلاں جگہ میری غیبت کی، اس نے برائی کے ساتھ میرا تذکرہ کیا۔

۲۔۔۔ دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کے جو خون ہو رہے ہیں، قیامت کے دن تیرے ذمہ ان میں سے کوئی چیز نہ ہو، تیری پشت مسلمانوں کے خون سے ہلکی ہو۔

قرآن مجید میں ہے کہ جس نے ایک جان کو قتل کر دیا: ”فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَبِينًا۔" (المائدہ: ۳۲) گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا، نعوذ باللہ! قیامت کے دن کسی آدمی کے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا۔

۳: تیسری بات یہ کہ مسلمانوں کے، لوگوں سے تیرا پیٹ بھوکا ہو، یعنی کسی مسلمان کا مال تیرے پیٹ میں نہ جائے، یعنی ناچائز طور پر تیرے پیٹ میں نہ جائے۔

۴: چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلک نہ ہو، بلکہ ان کے ساتھ لازم رہو۔ یعنی ان کے ساتھ مل کر رہو۔ پس یہ چار نعمتیں یاد رکھو! بڑے چھوٹے ہونے کا معیار!

اب ہم نے دیکھا ہے کہ بعض جگہ بعض مسلمان بچارے مسجد میں نماز پڑھتے نہیں آتے، مسلمانوں سے الگ تھلک ہی رہتے ہیں، اور بعض تو بچارے ایسے ہیں کہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ کھڑا ہونا، غریبوں کے ساتھ کھڑا ہونا معیوب معلوم ہوتا ہے، وہ کہتے بڑے آدمی ہیں کہ ہمارے جیسے غریب آدمیوں کے پاس بیٹھنا اور برابر کھڑا ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، میرے بھائیو! یہاں ہم کچھ بڑے ہو گئے ہیں، کچھ چھوٹے ہو گئے ہیں، لیکن مرنے کے بعد سب برابر ہو جائیں گے، اور وہاں آخرت کے پیمانے سے بڑا اور چھوٹا ہونا ناچا جائے گا کہ کون بڑا ہے؟ کون چھوٹا ہے؟ ہم نے آخرت کو بھلا دیا، بڑا چھوٹا ہونا وہاں کا ہمیں معلوم ہی نہیں رہا، یہاں اگر کسی کے پاس دنیا زیادہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بڑا آدمی ہے! ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

..... "يُخَفِّرُ الْمَتَكِبُونَ أَفْئَالِ النَّارِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ فِيْ ضَوْرِ الرَّجَالِ يَغْشَاهُمْ الدُّلُ مِنْ شُكْلِ مَكَانٍ

(مشکوٰۃ ص ۴۴۳)

....."

بہت سارے لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں، لیکن قیامت کے دن یہ جو

جیونیاں ہوتی ہیں ناں! یہی زندگی کے کیزے ان جیسی ان کی حالت ہوگی، اور لوگ
ان کو دہکتے ہوئے چلیں گے، نمود باللہ! استغفر اللہ!

﴿خروجنا﴾ ﴿لنعد للرب﴾ ﴿العالمین﴾!



حضراتِ صحابہؓ
کا
تعلیم کے لئے سفر!

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 (العمرانی و سلمیٰ علی حواء، (الزبدی) ص ۱۸۱)

”عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْخُخًا خَلَفَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ حِينَ خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ وَأَمْرُهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعَلِّمَ النَّاسَ الْقُرْآنَ وَأَنْ يُعَقِّبَهُمْ فِي الْمَقْبَرَيْنِ، ثُمَّ صَدَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَابَةً إِلَى الْعُدَيْيَةِ وَخَلَفَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ.“

(مسندک حاکم ج ۳ ص ۲۷۷)

ترجمہ:..... ”حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب جنگ حنین کے لئے نکلے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ پر امیر بنادیا، اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین کے معاملے میں ان کو فقیہ بنائیں۔ (جنگ حنین اور جنگ طائف سے فارغ ہو کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسم جب واپس تشریف لائے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ عرصہ کے لئے وہیں مکہ میں بھیج دیا تھا (اور وہ اپنے کام میں مشغول رہے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دوسرے آدمی کو مقرر کر دیا، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ اپنے پاس بلا لیا)۔

حضرت معاذؓ کی تعلیمی خدمات:

مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرانا شہر ہے، اور یہاں کے لوگ ابھی تو مسلم تھے، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو واقعہً اس کا اہل ہو، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مقرر کر دیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے وہاں رہنے سے دین اور دین کی باتوں کا خوب جہ چاہوا۔ اور اس سہ تھوڑی مدت میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کے قابل ہو گئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنے ہاں بلا لیا اور دوسرے آدمی کو مکہ کا امیر مقرر کر دیا۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا علمی مقام:

اور یہی معہوں حضرت عمرؓ کا تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:
 ”عَنِ الْقَابِیْ قَالَ: كَانَ عُمَرُو بْنُ الْخَلِیْفِ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي كُلِّ سَفَرٍ، وَكَانَ يَفْرِقُ النَّاسَ فِي الْبُلْدَانِ وَيُوجِّهُهُ فِي الْأُمُورِ الْمُهْمَّةِ وَيَطْلُبُ إِلَيْهِ الرِّجَالُ الْمُسْتَمْتُونَ فَيَقَالُ لَهُ: زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ! فَيَقُولُ: لَمْ يَسْقُطْ عَلَيَّ مَكَانٌ زَيْدٌ وَلَكِنْ أَهْلُ الْبَلَدِ يَحْتَاجُونَ إِلَى زَيْدٍ قِيَمًا“

يَجِدُونَ عِنْدَهُ فَيْثًا يُخَدِّثُ لَهُمْ مَا لَا يَجِدُونَ بَعْدَ غَيْرِهِ ۝

(طہات ابن سعد ج ۳ ص ۴۰۰، نوالہ حیات الصحابہ ج ۲ ص ۹۷)

یعنی، حضرت قاسم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کبھی مدینہ طیبہ چھوڑ کر باہر تشریف لے جاتے تھے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امیر مقرر کر جاتے تھے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے نائب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبر حاضری میں مدینہ طیبہ کے امیر، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس وقت جتنی بھی اسلامی سلطنت تھی اس کے امیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف شہروں میں متعین کر دیا تھا، کسی صحابی کو کسی جگہ بھیج دیا، کسی کو کسی جگہ بھیج دیا، تمام صحابہ کو مدینہ میں نہیں رہنے دیا، کہ مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو رہنی قائمہ ہو رہا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو اگر کوئی اہم کام ہوتا تو ان کو مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں بھیجتے ورنہ نہیں بھیجتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی جگہ کوئی آدمی بھیجنا ہوتا تو لوگوں سے مشورہ کرتے کہ یہں بھائی! نام دو فلاں جگہ یا فلاں علاقہ میں کسی صحابی کو بھیجنے ہے، کس کو بھیجیں؟ صحابہ مختلف لوگوں کا نام لیتے اور ان ناموں میں ایک نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی آتا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں زید بن ثابت کے نام سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں ان کو مدینے سے باہر بھیجنا نہیں چاہتا، اس لئے کہ اگر وہ مدینے سے باہر چلے جائیں تو پھر مدینے میں فتویٰ دینے والا کون ہوگا؟ مدینے کا سب سے بڑا عالم تو زید بن ثابت ہے، مدینے میں لوگ اپنے مسائل اور ضرورتیں لے کر آتے ہیں، حضرت زید بن ثابت ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں، اگر یہ بھی مدینہ سے باہر چلے جائیں تو ان لوگوں کو مسائل بتانے والا اور فتویٰ دینے والا کوئی نہیں رہے گا۔

زید بن ثابتؓ ابن عمرؓ کی نظر میں:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَوْمَ مَاتَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: مَاتَ غَالِبُ النَّاسِ الْيَوْمَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: يَرْحَمُهُ اللَّهُ الْيَوْمَ فَقَدْ كَانَ غَالِبُ النَّاسِ فِي حِكْمَةٍ عَمْرٍ وَجَبْرًا، فَزَفَّهِمْ عُمَرُ فِي اللَّذَانِ وَنَهَايَهُمْ أَنْ يُقْنُوا بِرَأْيِهِمْ وَجَلَسَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ بِالْمَدِينَةِ يُقْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الطَّرَائِقِ الْقَدَامَ“

(تکوالہ حیات الصحابہ و طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۷۲)

حضرت سالم رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا، حاضرین میں سے کسی نے یہ بات کہہ دی کہ حضرت زید بن ثابتؓ تو لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے، اب فتویٰ کون دے گا؟ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ: وہ فتویٰ اب سے نہیں دیتے تھے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے فتویٰ دیتے آئے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کو باہر ممالک میں بھیجتے تھے لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کو مدینہ طیبہ میں رکھتے تھے، کیونکہ مدینے والوں کو ان کی ضرورت تھی، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، اب مدینے میں فتویٰ کون آوی دے گا؟

زید بن ثابتؓ، عثمان غنیؓ کی نظر میں:

ایک دوسری روایت میں ہے:

”عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ: أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى
عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَقَدْ لِي: إِنَّكَ إِذْ نَسِيتُنِي
عَنِ السُّنْطِ بِمِثْلِ أُمُورِ النَّاسِ، أَفْضَ إِلَى وَبَدَنِي ثَابِتٌ فَإِنَّهُ
أَفْرَغَ لِهَذَا الْكَلَمِ فَأَقْرَأَ عَلَيْهِ فَإِنْ قَرَأْتَنِي وَقِرَاءَتُهُ وَاجِدَةٌ
لِنَسِيٍّ نَبِيٍّ وَبَنَتْ فِيهَا بِحِلَافٍ“

(کنز العمال ج: ۱۳ حدیث: ۵۳۰۵۳)

حضرت ابو عبد الرحمن السلمی رحمہ اللہ جو تابعی ہیں اور قن قرأت کے امام ہیں، انہوں نے اکابر صحابہ سے علم قرأت حاصل کیا تھا اور آگے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے سلسلہ چلایا، ان سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور قرأت سیکھتے تھے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے گئے کہ: بھائی! خلافت کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے اب میں تمہارے ساتھ مشغول ہوں گا اور تمہیں قرأت سکھاؤں گا تو لوگوں کے کام سے تو بچ کر رہو جو جاؤں گا، امت کے کتنے کام میرے ذمہ ہیں، اس لئے میں تمہیں مشغور دیتا ہوں کہ اب تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس چلا کر آؤ اور جو کچھ سیکھنا ہے ان سے سیکھا کرو، اس لئے کہ میری قرأت کے درمیان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت کے درمیان کوئی فرق نہیں، دونوں کی قرأت ایک ہی ہے۔

چنانچہ ابو عبد الرحمن السلمی رحمہ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے قرأت سیکھتے رہے۔

اور سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں، لوگوں کی شب و روز کی ضروریات ان سے متعلق ہیں، اور اس حالت میں وہ دوسروں کو قرآن کریم پڑھاتے بھی ہیں، صرف پڑھاتے ہی نہیں بلکہ پڑھتے بھی ہیں۔

ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا:

طحاوی شریف میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، تو ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنی نماز پڑھ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک صاحب آئے، سکر نماز کی نیت باندھ لی اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی، اول سے آخر تک پورا قرآن مجید ایک رکعت میں مکمل کیا (طحاوی ص. ۱۲۰)، یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے ہو کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ چند حضرات تھے جنہوں نے پورا قرآن مجید ایک رکعت میں مکمل کیا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت قسیم داری رضی اللہ عنہ، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام بھی بنایا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اس کے علاوہ اور بھی دو چار آدمیوں کا نام آتا ہے، جنہوں نے ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھا ہے۔ اور دوسری رکعت میں کوئی مختصر کی سورۃ پڑھ کر دوگانہ پورا کر دیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی نماز کے بعد دعا:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارہ میں آتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرتے تھے:

”يَا اَللّٰهُ مَا غَرَفْتُكَ حَقَّ مَغْرَفَتِكَ، وَمَا

غَرَفْتُكَ حَقَّ جَبَافِكَ“

ترجمہ: ”یا اللہ! جیسا آپ کو پہچاننے کا حق ہے ایسا

میرے پہچان نہیں سکے، اور جیسا آپ کی عبادت کرنے کا حق ہے

وہی ہم عبادت نہیں کر سکے!“

چالیس سال عشا کے وضو سے صبح کی نماز:

چالیس سال حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عشا کے وضو کے ساتھ نماز فجر پڑھی ہے۔ غیر مقلدوں پیچاروں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ امام ابوحنیفہ نے چالیس سال تک عشا کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز کیسے پڑھ لی؟

ایک رات میں دو ہزار رکعت نماز:

ہمارے شیخ نور اللہ مرتدہ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک ہزار رکعت ایک رات میں کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے، دو ہزار رکعتیں ایک رات میں پڑھتے تھے۔

ایک رات میں سات آسمانوں کی سیر ممکن ہے؟

ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ تو ممکن تو نہیں ہے! میں نے کہا کہ جی ہاں! ممکن نہیں ہے، واقعی ممکن نہیں، ایک آدمی جاتا ہے کہ کرمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ادا مت کرتا ہے، اور وہاں سے آسمانوں پر جاتا ہے، پہلے آسمان پر، دوسرے آسمان پر، تیسرے آسمان پر، چوتھے آسمان پر، پانچویں، چھٹے، ساتویں آسمان پر، اور اس کے بعد لامکان پر پہنچ جاتا ہے، اور اوپر سے آواز آتی ہے: "قِفْ يَا مُخْشِدًا فَإِنَّ زَيْنَكَ يُفْضِلُنِي" (اے محمد! ظہر چاؤ، تمہارا رب نماز پڑھ رہا ہے!)۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر عنایت اور شفقت فرما رہا ہے، وہاں سے آئے تو جنت اور دوزخ کی سیر کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

"يَا بَلَالُ! خَذْ نَبِيَّ بَأَزْجِي عَمَلٍ غَمَلَنَّهُ فِي
الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ ذَكَ تَغْلِيكَ يَتْنُ يَدِي فِي الْخَبَةِ.
قَالَ: مَا غَمَلْتُ غَمَلًا أَوْجِي عِنْدِي إِنِّي لَمْ أَغْلَهُمْ طُهُورًا

فَبِمَا سَاعَیْهِ لَیْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا ضَلَّیْتُ بِذَٰلِكَ الْفُتُوْرَ خَا

تَحْبِبْ لِّیْ أَنْ أَضَلِّیْ. (صحیح بخاری ج: ۱ ص: ۱۵۳)

بدل کیا بات ہے؟ جب میں معراج میں گیا ہوں تو تمہارے جوتے کی آہٹ میرے آگے آگے آرہی تھی؟ کیا عمل کیا کرتے ہو؟ حضرت بدل رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ عمل کرتا ہوں کہ جب بھی میرا وضو ٹوٹتا ہے میں دوبارہ وضو کرتا ہوں اور دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کی سیر کی، بزرخ کے بہت سے نکاحات کا مشاہدہ فرمایا اور واپس آئے تو ابھی تک کتدہ ال رہا تھا، یعنی جس دروازے کو کھول کر گئے تھے واپس آئے تو کتدہ ال رہا تھا۔

واقعہ معراج پر اشکال کا جواب، ایک حکایت:

میرے والد ماجد، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے، انہوں نے یہ واقعہ سنایا تھا، ظاہر ہے انہوں نے یہ واقعہ کسی بزرگ سے سنا ہوگا کہ کسی شخص نے ہنخسرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا واقعہ سنا تو اس کا اشکال ہوا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس آدمی کو واقعہ معراج پر اشکال تھا وہ ایک نہر پر غسل کرنے کے لئے اترتا تھا، کئی تھی، کپڑے اتار کر نہر کے کنارے پر رکھ دیتے، جب غسل سے فارغ ہو کر واپس آیا تو باہر دیکھا کہ جہان اٹھا کوئی اور ہے، کپڑے غائب ہیں اور یہ مرد سے عورت بنا ہوا ہے، وہاں ایک مرد نظر آیا اس سے کپڑے مانگے اور اس سے نکاح کر لیا، اور اس مرد سے عورت بننے والے نے بچے جنے، معلوم نہیں یہ معاملہ اس کے ساتھ کتنے سال رہا، ایک دن گھڑا لے کر نہر پر گئے، (وہ اس وقت تو مٹی تھی) اور باہر نکل کر جو دیکھا تو وہیں اسی جگہ ان کے کپڑے پڑے ہوئے ہیں اور وہ دوبارہ مرد بنے ہوئے ہیں، اب جو اپنے گھر گئے تو وہی پرانا گھر تب اپنی زبان سے کہنے لگا کہ معراج کا واقعہ ہو سکتا ہے،

گویند جب اپنے معاملہ دیکھا تو مان گیا کہ یہ بات ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مدت لگائی، آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان، دوسرے سے تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے، ساتویں اس کے بعد عرشِ معلیٰ اور عرشِ معلیٰ سے لامکان تک گئے، کتنا عرصہ لگایا؟ قرآن کریم میں ہے کہ: ”فَلَمَّا رَأَتْهُ رَأَتْهُ رَأَتْهُ رَأَتْهُ“ رات کا ایک قلیل حصہ لگا، جب سدرۃ المنتہی پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام رک گئے

بدو گفت سالار بیت الحرام

کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

ترجمہ:..... ”کعبہ کے سردار نے اس سے کہا کہ اے

وحی کے حامل آگے بڑھو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، وہ بھیجے ہٹ گئے، کہنے لگے: حضرت! آگے آپ جاییں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ:

پو در دوستی مخلصم یا فتی

عنانم ز صحبت چرا یا فتی

جب تو نے میری رفاقت کو سچ سمجھا ہے اور تم شروع سے میرے ساتھ آ رہے ہو، اب یہاں سے منہ بدل لیا، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا: آگے میرا کام نہیں ہے! آپ کا کام ہے، اگر آپ ہال کے برابر بھی اوپر جانا ہوں:

اگر یکسر موئے برتر پر م

فروغ تجلی بسوزد پر م

تو تجلیاتِ ائمی میرے پروں کو جلا دیں گی۔ ارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین سے اوپر تک چلے گئے، اور یہاں لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے کہ وہ بزرگ و بیک بزار رکعت کھڑے ہو کر اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر کیسے پڑھ سکتے ہیں؟

وقت میں برکت کی کرامت:

میں نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ بزرگوں کی کرامت تو مشہور ہے، اور تمام عہد اس پر متفق ہیں، ایک کرامت تو یہ ہے کہ تھوڑا کھانا زیادہ آدمیوں کو کافی ہو جائے، اور ایک یہ ہوتی ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو جائے، جب اللہ تعالیٰ چاہے ہیں وقت کو بڑی شرح تکثیر لیتے ہیں، ہمارے لئے وہ اتنا ہی وقت ہوتا ہے جو سو گز اوروں کے لئے، اور ان حضرات کے لئے وہی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ پر اعتماد:

بہرحال عرض کر رہا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کہ انہوں نے ابو عبد الرحمن السہمی سے فرمایا کہ: بھئی! مجھے اور بھی کام ہیں، بس آپ کو جتنا پڑھانا تھا پڑھا دیا، اب تم زید بن ثابتؓ کے پاس جایا کرو، کیونکہ میں تمہیں پڑھانے کے لئے مشغول رہوں گا تو امت کے کام کون کرے گا؟

حضرت عثمانؓ اور تدریس قرآن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حافظ قرآن تھے، مدون قرآن تھے، اور لطف یہ ہے کہ جب تک خلافت کی ذمہ داری آپؓ پر نہیں آئی، اس وقت تک لوگوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔

حضرت معاذؓ کا شوقِ جہاد اور حضرت عمرؓ کا

فتویٰ کے لئے ان کو روکنا:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عیہ دین کی جماعتیں جب ملک شام اور عراق جہنے لگیں تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضرت! مجھے بھی اجازت دیجئے میں بھی جہاد کے لئے جانا چاہتا ہوں! حضرت ابو بکر

صدقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوق سے جاسیے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ رجال شہر میں تھے، وہ آدمیوں کو جانتے بھی تھے، اور ”لَا يَخْلُقُونَ لِيِ اللّٰهُ فَوْقَهُ لَا يَبِ“ بھی تھے، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت معاذ بن جبلؓ نے ملک شام جانے کی اجازت مانگی تو میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہہ کر: ان کو نہ جانے دیجئے! یہاں فتوے کون دیا کرے گا؟ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حدیث سنائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وَاعْتَصِمُوا بِالنَّجْدِ وَالْخِرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ“ (مشکوٰۃ ص: ۵۶۶) (حلال اور حرام کو سب سے زیادہ جتنے والے معاذ بن جبلؓ ہیں)۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہہ کر: ان کو نہ جانے دیجئے! مدینہ خالی ہو جائے گا اور لوگ مسائل پر پھنس گئے، اگر آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیج دیا تو ان کو مسائل بتانے والا کون ہوگا؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمے گئے کہ: ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانا چاہتا ہے اور شہید ہونا چاہتا ہے، میں اس کو کیسے روک سکتا ہوں؟

حضرت معاذؓ کا شوق مقامِ الہی:

ادھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک دن کہتے گئے: یا اللہ! یہ سارے لوگ آپ کے پاس جا رہے ہیں، معاذ کا وقت ابھی نہیں آیا، اللہ اکبر! اسی وقت حضرت معاذ بن جبلؓ کے گھٹی نکل آئی اور تمین دنیا کے اندر رخصت ہو گئے۔

نور کے پتلے انسانی شکلوں میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عجیب شان تھی! بقول بہارِ حضرت شیخ نور اللہ مرتقدہ کہ اللہ تعالیٰ نے نور کے پتلوں کو انسانوں کی شکل میں زمین پر اتار دیا

تھا، ان کو "صحابہ کرام" کہتے ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین!

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ عَصِمِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ نَاسًا مِنْ غَضَلٍ وَتَغَاذِرَ
وَهَذَا حَيَّانٍ مِنْ جُعْفِلَةَ اتَّوَزُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَعْدَ الْوَحْدِ فَقَالُوا: إِنْ بَارَكْنَا بِإِسْلَامِ قَابِئِكَ فَقَرْنَا مِنْ
أَصْحَابِكَ يَفْرُؤُونَ النَّسْرَانِ وَيَغْفِقُهُونَا فِي الْإِسْلَامِ
فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ بَشَرًا
بَيْنَهُمْ عَزَّادُ بْنُ قُرَيْشٍ وَحُصَيْنٌ فَهُوَ خَلِيفَةُ حَمْرَةَ بْنِ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَحُصَيْنٌ فَهُوَ أَمِيرُهُمْ."

(متحدک ۲ کتب ۳ ص ۲۰۲)

ترجمہ: "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
میں غضل اور تارو کے کچھ لوگ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے کہنے لگے کہ: ہمارے علاقے میں دین کا بہت چرچہ
ہو گیا ہے، ہمارے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھیج دیجئے تاکہ لوگوں کو
دین سکھائیں اور تفرقہ فی الدین ان کو نصیب ہو جائے۔ (یہ بات
کہنا ان کی منافقت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دے
کر کچھ آدمیوں کو لے جانا اور شہید کرنا چاہتے تھے) حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ چھ حضرات کو بھیج دیا، جن
میں حضرت مرہد بن ابی مرہد کو (جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب
کے حلیف تھے، یعنی ان سے رشتہ تھے) امیر بنا کر بھیجا۔"

جب یہ حضرات مقام ریح میں پہنچے تو وہاں ان صحابہ کو انہوں نے شہید
کر دیا، ایک آدمی بھی نہیں بچا، ایک صحابی نے کہا کہ: یا اللہ! اپنے رسول اللہ علیہ

وسلم کو اور اہل ایمان کو آپ اطلاع کرو دیجئے کہ ہمارے ساتھ یہ گزری ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جبریل اس کی اطلاع کردی گئی۔

دین کے لئے جب بھی دعوت دی گئی صحابہؓ نے لبیک کہا:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے لئے دعوت دی انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔

مجھے حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی نور اللہ مرقدہ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ہم لوگ نماز کے لئے جاتے ہیں تو بیوی سے کہتے ہیں کہ کھانا تیار رکھنا، میں واپس آ کر کھاؤں گا! اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی بیویوں کو یہ کہہ کر آیا کرتے تھے کہ میں مسجد میں جا رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہوں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے نہ بھیجا تو واپس آ جاؤں گا، ورنہ میرا انتظار نہ کرنا، یہ صحابہ کرام کا معمول تھا، یعنی ان کو دوبارہ گھر والوں کو بتانے کی ضرورت نہیں تھی، وہ گھر سے رخصت ہو کر جایا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کو تعلیم کے لئے یمن بھیجا:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْيَمَنِ، فَقَالُوا: إِنَّمَا فُرِغَ مِنْهُمُ الْيَمَنُ فِي الدِّينِ، وَنَعَلَمُنَا الشَّنَّ، وَنَحْكُمُ لِنَا بِكِتَابِ اللَّهِ! فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا أَتَيْتُكُمْ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ لَأُعَلِّمَهُمُ فِي الدِّينِ وَعَلِمَهُمُ الشَّنَّ وَأَحْكُمُ فِيهِمْ بِكِتَابِ اللَّهِ. فَقُلْتُ: إِنَّ أَهْلَ الْيَمَنِ قَوْمٌ عُلَمَاءُ يَتَوَلَّوْنَ مِنَ الْقَضَاءِ بِنَا لَا عِلْمَ لِي بِهِ! فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَلٰی صَلَیِّیْ ثُمَّ قَالَ: اِلْهَبْ! قَالَ: اللهُ مُبْتَغِی
 قَلْبِکَ وَیُبْطِئُ بِنَاسِکَ. لَمَّا فَخَّخْتُ فِی قَضَاءِ بَیْنِ
 اَتْبَیْنِ حَتّٰی السَّاعَةِ. (کنز العمال ج: ۱۳ حدیث ۳۶۹۳۶۹)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: یمن کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ کسی آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں فقہ فی الدین کا فہم عطا کرے اور ہمیں سنت کی تعلیم دے اور اللہ کی کتاب کے مطابق ہمارے جھگڑوں کا فیصلہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اور تو کوئی اس وقت تھا نہیں، مجھے فرمایا کہ: تم ان کے ساتھ چلے جاؤ، ان کو دین سکھاؤ اور سنت کی تعلیم دو اور ان میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرو! کہاں یمن اور کہاں مدینہ؟ معمولی بات نہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے ارشاد پر جہاں بھی آپ بھیج دیں میں حاضر ہوں، لیکن دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو کچھ دین کا فہم نہیں، بالکل اُچڑ ہیں، ان بیچاروں کو میں کیا کروں گا اور کیسے سمجھاؤں گا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے فیصلہ کرنا نہیں آتا، یہ توگ جھگڑے لائیں گے، اپنے مقدمہ لایا کریں گے، لڑائی جھگڑا کریں گے، اور مجھے اتنی عقل نہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ کیسے کروں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: جا! اللہ تعالیٰ حیرے دل کو ہدایت کریں گے اور تیری زبان کو ثابت قدم رکھیں گے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے ایک علاقے میں چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت سے لے کر مرتے وقت تک جب بھی کوئی مقدمہ میرے سامنے آیا مجھے کبھی شک نہیں ہوا، فوراً دل میں اللہ تعالیٰ ڈالتے تھے کہ اس کا فیصلہ یہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں گئے تو حضرت علی رضی اللہ

عن یمن میں تھے، وہاں سے تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر نے اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لائے تھے، ستر جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور تیس اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لائے تھے، یعنی کل ایک سو ہو گئے تھے۔ دنیا میں ایسا سمجھ کون ہے جو ایک سو اونٹ کی قربانی کرے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تیس اونٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ: تم نے احرام کیا باندھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: میں نے احرام یہ باندھا ہے کہ جو احرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی احرام میرا ہے! فرمایا: ٹھیک ہے! جا کر بیت اللہ شریف کا طواف کرو، یعنی عمرہ کر دو اور پھر احرام کی حالت میں رہو، دس تاریخ کو احرام کھولیں گے۔ یہ ایک سو اونٹ تھے، ان میں سات اونٹ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک آگے بڑھ کر کہنا چاہتا تھا کہ یا رسول اللہ! پہلے مجھے ذبح کر دیجئے! یعنی وہ اونٹ پھری پھرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اونٹ کو لٹا کر ذبح نہیں کیا جاتا، اونٹ کو کھڑے کھڑے گردن میں بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر برچھی اس کے حلق میں مارتے ہیں، جس سے خون کا فوارہ جاری ہو جاتا ہے اور اونٹ گر جاتا ہے، یہی طریقہ ہے اونٹ کے ذبح کرنے کا، تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ سات اونٹ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک سبقت کرتا تھا کہ: "یا یٰ اہل بیتنا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کس کے ساتھ ابتدا کریں، تریسٹھ اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرخرمائے اور آپؐ کی عمر مبارک بھی تریسٹھ سال ہی تھی، باقی جو اونٹ بچ گئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ تم لوگ ذبح کر لینا۔ بہر حال کہتا یہ ہے کہ یمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا تھا اور انہوں نے دین کا فہم عطا فرمایا اور لوگوں کے فیصلے بھی کئے، وہاں کے چٹوڑے بھی غنائے، دین کی تعلیم دی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن بھی مجھے کسی مقدمہ میں کبھی حکم نہیں ہوا کہ

اس کا فیصلہ کیا گیا ہے؟

حضرت ابو عبیدہؓ کا تعلیم کے لئے مبعوث فرمانا:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ قَدِمُوا
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: ابْعَثْ مَعَنَا
وَجَلًّا يَعْلَمُ الْقُرْآنَ، فَأَخَذَ بِيَدِ أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
فَارْسَلَهُ مَعَهُمْ، وَقَالَ: هَذَا نَبِيُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ“

(مسند ک ما کرم ۳ ص ۳۶۷)

یعنی ان کے ایک اور علاقے سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ بھی کچھ آدمی بھیج دیجئے! جو ہمیں تعلیم دیں، ہماری تربیت کریں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کو فرمایا کہ ان کے ساتھ چلے جاؤ۔

اس امت کے امین:

اور یہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہی آدمی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ”الْحَكْلُ أَمِيْنٌ، وَابْنُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ“ (ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کا امین ابو عبیدہ وہی انصاری ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کو مختلف خطابات دیئے، اور اللہ تعالیٰ ان صحابہ سے راضی ہو جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بس صحابی کو جو خطبہ دیا وہ بالکل حق تھا، اور واقعہ کے مطابق تھا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کا لقب ہے: ”امین ہذہ الامۃ“ اس امت کا امین۔ اور یہ حشر و بھڑ میں سے ہیں، یعنی ان دس صحابہ میں سے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی

میں ان کو جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ تو ان میں سے حضرات نے کہا کہ: ہمارے ساتھ ایک آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں قرآن مجید سکھائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبعیدہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں۔

تعلیم کے لئے حضرت عمرو بن حزمؓ کی بعثت:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرٍو
بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: هَذَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الَّذِي
كَتَبَهُ لِعَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جِئْتُ بِعَهْدِهِ إِلَى النَّبِيِّ
يُفَصِّهُ أَهْلُهَا وَيَعْلَمُهُمُ السُّنَّةُ وَيَأْخُذُ صَدَقَاتِهِمْ فَكَتَبَ لَهُ
كِتَابًا وَعَهْدًا وَأَمْرًا، فَكَتَبَ:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، هَذَا كِتَابُ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَوْا بِالْعَقُودِ.

عَهْدٌ مِنَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِعَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ جِئْتُ
بِعَهْدِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَنْقُضُ الْأَمْرَ الَّذِي أَمَرَ بِهِ كَلِّهِ فَإِنَّ اللَّهَ مَعَ
الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ.

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۰)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے میں وہاں کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور ان کے ساتھ ایک گرامی نامہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَصْرُ فَلَمَّا زَاغَ الْكَوْكَبُ رَجَعُوا إِلَى الْمَدِينَةِ لَدُورٍ رَاسِخِينَ

"عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ النَّاسَ كُنْتُمْ لَفِي حِفْظِهِ لَمَّا كُنْتُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ، فَمَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ فَعَلَهُ فَذَلِكَ الْبَدِئُ حِفْظُهُ، وَمَنْ خَالَفَ قَوْلَهُ لَعَلَّهُ فَإِنَّمَا يُوتِخُ نَفْسَهُ."

(کنز العمال ج ۱۰ حدیث ۳۹۵۳۰)

"عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا اسْتَغْنَى أَحَدٌ بِاللَّهِ إِلَّا اخْتَارَ أَلِيَّهُ النَّاسَ، وَمَا غَدِمَ أَحَدٌ بِمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ إِلَّا اخْتَارَ النَّاسَ إِلَيْهِ مَا عَتَدُوا."

(حیاء الصحابة ج ۳ ص ۱۳۹)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بے شک سب لوگ یا تیرے تو اچھی کرتے ہیں، پس جس کا قول اس کے فعل کے موافق ہو، یہ وہ ہے جس کو اس کا حاصل ملے، اور جس کا عمل اس کے قول کے خلاف ہو تو گویا وہ اپنے آپ کو ڈالتا ہے۔"

ترجمہ: ... ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص (حقوق کو چھوڑ کر) صرف اللہ کا محتاج بنا، سب لوگ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اور جس شخص نے وہ علم سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا تو سارے لوگ اس کے اس علم کے محتاج ہوں گے جو اس کے پاس ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: لوگ باتیں تو سب اچھی کرتے ہیں، باتیں کرنے کے بعد مرحلہ آتا ہے عمل کا، جس کا فعل اس کے قول کے موافق ہو، یعنی جس طرح باتیں اچھی کرتا ہے، اگر کام بھی اچھا کرتا ہو تو اس کو اپنا حاصل گیا، اور جس شخص کا قول اس کے فعل کے موافق نہ ہو، بلکہ خلاف ہو، یعنی باتیں تو بہت اچھی کرتا ہے لیکن کام اس کے خلاف کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا قول و فعل ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو یوں کہو کہ گویا وہ شخص اچھی باتیں کر کے اپنے آپ کو ڈانٹتا ہے، یعنی اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے اور قیامت کے دن اس سے محاسبہ ہوگا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں سے مستغنی ہو جائے (ایک اللہ بن گیا تو اس کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں رہی) تو اس کے نتیجے میں سارے لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں، اور جو شخص کہ اس علم پر عمل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرما دیا ہے تو تمام لوگ اس کے علم کے محتاج ہو جائیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے ان ارشادات میں بڑے سچے کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں، کیونکہ آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”لَا يَزَالُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ

یعنی صَلَّوْا بِهٖ مَا لَكُمْ يَلْفُفْتُ الخ۔“ (مکذوبہ ص ۹۱)

یعنی نماز میں آدمی ادھر ادھر دیکھے، اس لئے کہ اس کی طرف اس کا رب متوجہ ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام دیتے ہیں)۔

اگر آدمی نماز کی نیت، باندھے اور اس کا دھیان لالوکیئت چلا جائے، تو اس نے نماز کی نیت تو یہاں باندھی ہوئی ہے مگر وہ پھر رہا ہے بازار میں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو کہا جاتا ہے کہ بندے میں تیری طرف متوجہ ہوں تو کہاں پھر رہا ہے؟ تو تو یہاں میرے ساتھ باتیں کرنے کے لئے آیا تھا، مگر مجھے چھوڑ کر لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا، اگر بندہ واپس آجائے یعنی اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے لگے تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

کشف نہ ہونا بھی نعمت:

جیسے ایک صاحب کشف بزرگ تھے، ان کو کشف ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور ہم پر دم فرمائے، کسی کو کشف بھی نہیں ہوتا چاہئے، یہاں آپ کی حالت مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے اندر کیا ہے، اور میری خبر آپ کو نہیں کہ میرے اندر کیا ہے؟ یوں اللہ تعالیٰ نے سب کا پردہ رکھا ہوا ہے، ہمیں ایک دوسرے کی خبر نہیں۔

قیامت کے دن بھیدوں کا کھلنا:

یعنی قرآن مجید میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سب بھید کھل جائیں گے،

چنانچہ ارشاد ہے:

”يَوْمَ تُبْلَى السُّرُورُ. فَمَا لَهُ مِنْ لُغُوفٍ وَلَا نَاصِرٍ.“

(الحاقق: ۹۸)

ترجمہ:..... ”جس دن کہ دلوں کے بھید کھل دیئے

جائیں گے۔ تو بندے کو کوئی طاقت بھی نہیں ہوگی اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔“

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پردہ دکھا دیا ہے، میرا حال آپ کو معلوم نہیں، آپ کا حال مجھے معلوم نہیں، لیکن قیامت کے دن پردے کھول دیئے جائیں گے، بندہ چھپانے لگے گا مگر چھپ نہیں سکے گا، یہ ایسے ہی ہے جس طرح ہمارے حکیم الامت قدس سرہ: نقل کیا ہے کہ:

ایک عورت کسی کے گھر میں ملازمہ تھی، اس کی چوری کرنے کی عادت تھی، گھر کی صفائی کرتے کرتے گھر کا ہی صفایا کر جایا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے ایک ٹائم میں گھڑی اٹھا کر اپنے لباس میں کہیں چھپا دی، صفائی کرتی رہی، گھڑی کا الارم لگا ہوا تھا وہ وقت پر بول پڑا، اب اس کو دباتی ہے، لیکن اس کے دبانے سے تو وہ بند نہیں ہوتا۔ تو ایسے ہی یہاں دنیا میں تو ہم لوگ اپنے اپنے پیسوں کو چھپائے ہوئے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ میں گھر میں کیا کر رہا ہوں؟ مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آحمین اور آپ کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ آپ وہاں کیا کر رہے ہیں؟ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام بھید کھول دیں گے بندے کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا، بہت دبائے گا مگر دبے گا نہیں۔ یہاں ایک یہ کیفیت ہے اور ایک یہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

”إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الْمُؤْمِنَ فَيُخْصِعُ عَلَيْهِ حُكْمَهُ وَيُسْرِفُهُ“

(مکتوۃ ص ۴۸۵)

..... الخ۔“

یعنی اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے ایک بندے کو بلائیں گے، اب وہاں کوئی پردے کرنے والی چیز ہے نہیں، کوئی اوٹ ہو اور کوئی پردہ ہو جہاں چھپ جائیں، لیکن حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دیں گے، لوگوں کی نظر میں نہیں آئیں گے، اس کے ساتھ کیا سوال و جواب ہو رہا ہے؟ کسی کو

کچھ معلوم نہیں۔

قیامت کے دن کچھ نہ چھپے گا:

عدالت الہی میں کوئی وکیل و ترجمان نہیں ہوگا، دنیا کے وکیل اور ترجمان یہاں رہ جائیں گے اور بارگاہ الہی میں کوئی کچھ نہ چھپا سکے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَعْدٍ اِلَّا سَيَكْلِفُهُ رُبُّهُ نَافِلًا
وَيَبْنِيهِ فَوْقَ عُنَانٍ." (مشکوٰۃ ص: ۳۸۵)

ترجمہ: "تم میں سے ہر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا جبکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔"

انگریزی عدالتوں کے انگریز وکیلوں کے کارنامے:

یہ عدالتوں کے وکیل نہیں رہ جائیں گے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناتے ہیں، جو مجرم کو چھڑوانا جانتے ہیں اور بے گناہ کو پھنساتے جانتے ہیں۔

انگریز کی تعلیم ہی ایسی ہے، (اللہ تعالیٰ کے فضل سے) اور انگریز کے دور سے آج تک یہی تعلیم چل رہی ہے، وہی عدالتیں ہیں، وہی وکیل ہیں، وہی لباس ہے، حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کر سکے کہ ان کا لباس ہی بدل دیں، عدالت میں جب وکیل جائے گا تو سیاہ کوٹ پہن کر جائے گا، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے اس کے اوپر کا لباس سیاہ ہے، ویسے ہی اس کا دل بھی کالا ہے، سو سو جھوٹ خود بخود ہوتے ہیں اور اپنے منکلوں سے ہلاتے ہیں، پہلے سے پڑھا کر جاتے ہیں کہ تم نے ایسے کہا ہے، ویسے کہا ہے، تم سے کوئی بات پوچھے تو ایسے کہہ دینا، ورنہ چپ رہنا، اور وکیل اس کی طرف سے لڑتا رہتا ہے، وہاں آخرت میں یہ نہیں ہوگا۔ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی

ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا، ہر آدمی خود اپنی جواب دہی کرے گا۔

بارگاہِ الہی کی پیشی کا منظر:

عدنظر یعنی جہاں تک نظر پہنچے گی دائیں بھی، بائیں بھی اور سامنے بھی اس کے نامہ عمل کے دفتر پہلے ہوئے ہوں گے، قرآن کریم میں ہے کہ بندہ کہے گا:

”قَالَ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صِفَتُهُ وَلَا يَكْبُرُهُ
إِلَّا أَرْضًا...“ (الکہف: ۳۹)

ترجمہ..... ”اس کتاب کو کیا ہوا کہ اس نے کوئی چھوٹی اور بڑی بات کو چھوڑا نہیں جس کو گھیر نہ لیا ہو، شمار نہ کر لیا ہو۔“

میرے بھائی! اول سے آخر تک کے تمام عمل لکھے ہوئے ہمارے سامنے ہوں گے، اور ہر ایک آدمی خود جواب دہی کرنے والا ہوگا، کوئی اس کا معاون و مددگار نہیں ہوگا، اور وہاں کوئی جھوٹ بھی نہیں بول سکے گا، ہاں! جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے اور لوگ جھوٹ بولیں گے بھی، مگر ان کی زبانیں بند کر دی جائیں گی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

”الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُغْلَقُ أَيْدِيهِمْ
وَنُفِثَتْ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ.“ (ہن: ۲۳)

ترجمہ..... ”ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے؟“

جب زبان بند ہو جائے گی اور دوسرے اعضاء ان کے ذرا ف گواہی دیں گے تو وہ اپنے ان اعضاء کو کوٹتے ہوئے کہیں گے:

”وَقَالُوا لَجَلَّوْا بِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا، قَالُوا إِنَّا نَقُلُّا

اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔“ (حکم المسعودہ: ۲۷)

ترجمہ:۔۔۔ ”وہ اپنی کھالوں اور چڑوں کو کہیں گے کہ تم
ہمارے خلاف گواہی کیوں دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ آج
ہمیں اس ذات نے بلوایا ہے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے (ہم)
اپنے اختیار میں نہیں ہیں۔“

آدمی سب سے بڑی ہوشیاری یہ کرے گا کہ پہلے مکر جائے گا، لیکن مکر نے
کہاں دیتے ہیں؟ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ آدمی کے مستقل
ریکارڈ الگ الگ محفوظ ہو رہے ہیں، سب سے پہلا ریکارڈ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں
ہے، جو کبھی خطا نہیں ہوتا، ”لَا یُضِلُّهُ خَلٌّ غَیْ خَلٍّ“ اس کو ایک حالت دوسری
حالت سے مشغول نہیں کرتی، ایک سے بات کر رہے ہیں، یہ نہیں کہ دوسرے آدمی
سے غافل ہو جائیں، ایک وقت میں ساری دنیا سے بات کر رہے ہوں گے۔ پھر کورج
محفوظ میں ہماری مکمل ہسٹری اور ہمارا ریکارڈ جمع ہے، پھر زمین کے وہ ٹکڑے جن پر
ہم چلے پھرے، اٹھے بیٹھے، لیٹے، اچھا عمل کیا، یا برا عمل کیا وہ سب کے سب قیامت
کے دن گواہ ہوں گے، دیواریں بھی بولیں گی، زمین کے ٹکڑے بھی بولیں گے۔ جیسا
کہ سورۃ زلزال میں فرمایا ہے: ”یَوْمَ تَبْدَأُ فَتَحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔ بِأَنَّ زُجُجًا فَوْحًا لِّهَا۔“
یعنی اس دن زمین اپنی خبریں دے گی، کہ اس بندے نے میری پشت اور میرے اوپر
یہ یہ کام کیا تھا، لڑاؤں وقت میں فلاں کام کیا تھا، یہ اس لئے ہوگا کہ تیرے رب نے
اس کو حکم دے دیا ہے۔ تو اس دن ہمارے سامنے ہمارے سارے ریکارڈ ہوں گے، ہم
چھپنا بھی چاہیں گے تو چھپ نہیں سکیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہمیں معاف فرمادیں تو
دوسری بات ہے، ورنہ نہ تو کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ کسی شخص کا عذر و معذرت
کام آئے گی، یہاں تو ہم عذر و معذرت کر لیتے ہیں کہ نبی اصل میں یہ ہو گیا تھا، وہ
ہو گیا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں چھپ سکے گی اور نہ کوئی عذر کیا جاسکے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کا قصہ:

میں نے کہا تھا کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اس بندے کے دائیں بائیں اور سامنے سب جگہ نامہ اعمال پھیلے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دیں گے، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ حالانکہ کوئی پردہ نہیں ہوگا، کوئی اوت نہیں ہوگی، قرآن کریم میں ہے: ”لَا تُرَىٰ لِبَاسُهُمْ فِيهَا وَلَا فُتَا“ (طہ ۱۰۷) تو اس میں کوئی اوت نہیں دیکھو گے، کوئی ٹیڈ نہیں دیکھو گے، بالکل صاف پھیل میدان، بندہ اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا، فرشتے اس کے نامہ عمل کو پڑھنا شروع کر دیں گے، خدا جانے کتنا وقت اس میں لگے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمائے، حق تعالیٰ شانہ سنتے رہیں گے، جب فرشتے نامہ عمل پڑھ کر فارغ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے کہ: تو کچھ کہنا چاہتا ہے؟ اس بیچارے کا سر نیچا ہوگا، بولنے کی طاقت اس میں کہاں ہوگی؟ خود ہی اپنے آپ میں شرمندہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟ دو کہے گا کہ: نہیں! اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے: کوئی نیکی تو نے کی ہو اور وہ فرشتوں نے نہ کی ہو، یا کوئی گناہ تو نے نہ کیا ہو اور وہ فرشتوں نے لکھ دیا ہو؟ بندہ کہے گا: نہیں! بندے کے پاس کوئی بھی عذر نہیں ہوگا، کچھ عذر تو آدمی کرے، بندہ بالکل چپ رہے! آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا، آج تجھے معاف کرتا ہوں! یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کا معاملہ ہے۔

اللہ کی رحمت سے بخشش:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ:
 ”لَيْسَ أَحَدًا مِنْكُمْ يُنْجِيهِ عَمَلُهُ قَالُوا: وَلَا أَنْتَ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَسْعُدَنِي اللَّهُ بِمَنَّةٍ“

بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ۔“ (صحیح مسلم ج ۲: ص ۲۷۷)

ترجمہ:..... ”تم میں سے کسی آدمی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا، (مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کی بھی بخشش نہیں ہوگی بغیر اللہ کی رحمت کے؟ (سر جھکا لیا اور سر کے اوپر ہاتھ رکھ لیا) اور فرمایا: میری بھی بخشش نہیں ہوگی اللہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت و رحمت کے ساتھ مجھے ذہابک دے!“

بارگاہِ الہی میں پیشی کا خوف نہیں:

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کبڑی کھیلتے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے، نہیں بھائی! یہ بات نہیں ہے، وہ دن آنے والا ہے: ”يَوْمَ لَا يُخَفُّ الْوَلَدَانِ شَيْئًا۔“ (الزلزل: ۱۷) جو بچوں کو یوڑھا کر دے گا، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائے، کم از کم آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو رہے، ہم تو ڈرتے بھی نہیں ہیں، ہمارے دل میں کبھی خوف بھی پیدا نہیں ہوتا اور بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کا کبھی تصور بھی نہیں آتا، قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن کافر کہیں گے: ”إِنْ نَحْنُ إِلَّا خَلْقٌ وَأَنْحَا نَحْنُ بِمُحْسِنِينَ۔“ (الچائزہ: ۲۳) (ہم تو معمولی سا خیال کرتے تھے، ہمیں یقین نہیں تھا)۔ وہی کیفیت ہماری ہوگئی ہے، قیامت کے حق ہونے کا خیال کچھ ہمیں بھی آتا ہے کہ مریں گے، قبروں میں جائیں گے، محشر میں اٹھیں گے، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، لیکن یقین کے درجے میں نہیں، اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہمارے اس خیال کو یقین میں بدل دے، ہنسی مذاق کی تو ہمیں سوجھی، لیکن آخرت ہمیں یاد نہیں رہی، اب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی کو بھی ہم مذاق ہی سمجھتے ہیں، نمودار اللہ!

حضرت ابوہریرہؓ کا قیامت کی پیشی سے خوف:

ایک روایت میں ہے:

”كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّمَا أَخْشَى مِنْ رَبِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يُدْعُوَنِي عَلَى دُرُوسٍ الْخَلَاجِيِّ لَيَقُولَ: يَا هُوَيْرُ! قُلْ: لَيْكَ رَبِّ! يَقُولُ: مَا عَمِلْتَ لِيْمَا عَمِلْتَ؟“ (الترغيب والترهيب ج ۱ ص: ۹۰)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں ہے، صرف ایک بات سے ڈر لگتا ہے، (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم الامت کا لقب دیا تھا، سب سے پہلا شخص اس امت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کو حکیم الامت کا خطاب ملا تھا) کہ: اللہ تعالیٰ مجھے تمام دنیا کے سامنے، جہاں چھوٹے بڑے سب موجود ہوں گے، مجھے بلائیں گے اور بلا کر کہیں گے کہ: ہویر! (ہویر نام ہے ان کا)، میں کہوں گا کہ: اے رب میں حاضر ہوں! کیا فرماتے ہیں؟ مجھ سے کہا جائے گا کہ تجھے علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ پس اس بات پر بڑا ڈر لگتا ہے، کیونکہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سب دنیا کے سامنے فرمائیں گے کہ: ہویر! تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ اور دوسری روایت میں بھی مضمون ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے مجھے بلائیں گے اور سوال کریں گے۔ ایک تو تمام خلائق کے سامنے کھڑا کیا جانا بڑی سخت رسوائی ہے، پھر یہ سوال کہ تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ ایک تو میں نے ابھی حدیث نقل کی ہے ناں کہ بندے پر اللہ تعالیٰ اپنا پردہ ڈال دیں گے، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا

ہے، وہ تو ایک معاملہ ہے، لیکن ایک یہ کہ ساری مخلوق کو اس کی ندا ہو، خبر ہو، تو اس پر آدمی اتنا شرمندہ ہوگا کہ کہہ اٹھے گا: اے کاش! میں آج سے پہلے مر گیا ہوتا، تو میرے کفو ت مخلوق کے سامنے نہ آتے۔ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کے سامنے مجھے بلائیں گے اور بلا کر کہیں گے: ”غولُ جَزَا! اَغْلَضْتَ اَمَّ جَهْلُت؟“ تجھے علم ہے یا تو جاہل تھا؟ یعنی یہ وہ سوال ہے جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ یہ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں، یعنی اس امت کے سب سے پہلے حکیم۔

آخر میں فرماتے تھے کہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو طبع نہ دے، اور اس نفس سے جس کا پیٹ نہ بھرے۔
حریص نفس سے پناہ کی دعا:

ہمارے ساتھ نفس لگا ہوا ہے، ساری دنیا کے خزانے اس کو مل جائیں تو یہ نہیں بھرتا، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

”لَوْ كُنَّا لِإِنْسِي آدَمَ وَادِيمَا مِنْ مَالٍ لَا يَنْفِي إِلَيْهِ
كَأَيِّهَا، وَلَوْ كُنَّا لِنَفْسِي لَهْمَا فَالْفَاءُ، وَلَا يَفْضُلَا
جَوْفَ ابْنِي آدَمَ إِلَّا الْقَرَابَةُ“ (کنز العمال ج: ۳ حدیث: ۷۳۳۳)
ترجمہ:..... ”اگر ابن آدم کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو اس کی خواہش ہوگی کہ ایک دوسری بھی مل جائے، اور اگر دو وادیاں مل جائیں تو اس کی چاہت ہوگی کہ ایک تیسری بھی مل جائے، اور ابن آدم کے پیٹ کو تو مٹی ہی بھر سکے گی۔“

یعنی اگر بندے کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں، اگر دو وادیاں مل جائیں تو تیسری تلاش کرے گا کہ ایک اور ہونی چاہیے،

انسان نے کارخانے بنائے، فیکٹریاں بنائیں، دیکھ لو نو انڈسٹریاں نے کئی فیکٹریاں بنائی تھیں، لیکن ابھی بس نہیں ہوئی، کہہ کہ دو کافی نہیں، تیسری ہونی چاہئے، تیسری مل جائے تو پانچویں ہونی چاہئے، آدمی کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، قبر میں جب جسم کو کپڑے لکھ جائیں گے اور یہ خود مٹی ہو جائے گا، تب کہے گا کہ: ہاں! اب کافی ہو گیا۔ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: میں ایسے عجم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے، آپ حضرات نے سن لیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں؟ یا اس کان سے سنا اور اس کان سے نکال دیا؟ چلو نیسے آئے تھے ویسے چسے گئے!

بھائی! بات یہ ہے کہ سنا تو ہم نے بہت، لیکن ہماری عقل میں نہیں آیا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرم رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس نفس سے جو نہ بھرے۔

قبول نہ ہونے والی دعا:

اور ایک تیسری چیز ہے: "وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا"، اور میں پناہ چاہتا ہوں ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے۔ بندہ، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سنتے ہی نہیں۔

میں نے آپ حضرات کو سنا تھا، یا! ہوگا کہ شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری کی کتاب ہے، اس میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرتا ہے یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! بندہ، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کی چیز کو پورا نہ کرنا، اس کو ایسے ہی مانگتے دو، تو بندہ مانگتا ہے یا اللہ! مجھے یہ چیز دے، یا اللہ! مجھے یہ چیز دے، مانگتا ہی رہتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ: اس کو دینا نہیں، اس لئے کہ اس کا مانگنا مجھے اچھا

گلتا ہے! سبحان اللہ! کیا بات ہے، ایک وہ بندہ ہے کہ جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت پوری نہیں کرنا، تم نے ضرورت پوری کر دی تو اس نے مانگنا ہی چھوڑ دیا ہے، اور مجھے اس کا مانگنا بہت اچھا لگتا ہے، کیا ہی سب رک سچے وہ بندہ کہ یہ مانگے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مانگنا اچھا لگے۔

اور ایک دوسرا بندہ ہے اس کو کوئی ضرورت پیش آ جاتی ہے، وہ مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ فوراً اس بندہ کی ضرورت پوری کر دو، اس نے اس کا ہاتھ اٹھانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

اہم یوں سمجھتے ہیں کہ جس کی حاجت جلدی پوری ہو جائے، جس کی ضرورت جلدی پوری ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں متبوں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا ہوا ہے، دوسرا مانگتا ہے دوسرا منظور ہو جاتی ہے، لیکن یہاں معاملہ کچھ اور نکلا، دعا مانگتا ہے لیکن دعا قبول نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مانگنا اچھا لگتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب آدمی کو حاجت ہو جب بھی مانگے اور جب حاجت نہ ہو (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، تمام چیزیں میسر ہیں، الحمد للہ) تب بھی مانگے، کیونکہ اللہ سے مانگنا اللہ تعالیٰ کو بہت اچھا لگتا ہے، اور ایک وہ آدمی ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے تو مانگتا ہے، جب ضرورت نہیں ہوتی تو نہیں، نکلا، حالانکہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ موقع بھی مانگنے کا تھا، ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: میں پتاہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اس علم سے جو کہ نفع نہ دے اور اس نفس سے جو کہ بھڑے نہیں، اور اس دعا سے جو کہ سنی جائے۔

عمل کے بغیر علم:

ایک اور روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”لَا يَكُونُ قَبِيْلاً حَتَّى يَكُوْنَ عَابِلًا، وَلَنْ يَكُوْنَ

بِالْعِلْمِ يَجْزِيكَ خَتَّى يَكُونَ بِهِ عَامِلًا۔"

(طیۃ الاولیاء ج: ۱ ص: ۲۱۳)

ترجمہ: "آدمی متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ عالم

نہ ہو، اور سچے عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ عمل نہ ہو۔"

یوں کہتے ہیں کہ علم اور عمل یہ دونوں بھائی ہیں، علم آتا ہے تو اپنے ساتھ عمل

کو بھی لاتا ہے کہ تم بھی آجاء، اگر علم کے ساتھ عمل بھی آجائے تو ٹھیک ہے، ورنہ علم

بھی چلا جاتا ہے۔

علم پر عمل علم کی مقبولیت کی علامت:

ایک بزرگ عالم حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تھے، فرمایا کرتے تھے:

"لَمَّا عَلِمْتُ الْعِلْمَ لَغِبْتُ اللَّهَ، فَاسَىٰ أَنْ يَكُونَ إِلَّا اللَّهُ"۔ ہم نے علم سیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ کی

رضا سامنے نہیں تھی، ایسے ہی سمجھتے رہے، غیر اللہ کے لئے سمجھتے رہے، اللہ تعالیٰ کے

لئے نہیں سیکھ تھے، مگر ہم نے انکار کر دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں کاکسی اور کے

لئے نہیں ہوں گا، چنانچہ علم آیا تو ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد بھی آئی، اگر علم آئے

اور ساتھ کے ساتھ اللہ کی یاد بھی آئے تو سمجھو کہ یہ علم مقبول ہے، اور اگر علم آتا ہے

میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں آتی تو جان لو کہ یہ علم مقبول نہیں ہے، مردود ہے۔ تو حکیم

انامت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: بندہ متقی نہیں ہو سکتا جب تک

کہ عالم نہ ہو، اور سچے عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ عمل نہ ہو، یعنی علم پر عمل نہ کرے۔

اللہ کے ہاں بدترین آدمی:

ایک روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

"إِنَّ خَسْرَ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ عَوْرَةٌ وَجَلُّ مَنَازِلِهِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ عَالِمًا لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ۔" (طیۃ الاولیاء ج: ۱ ص: ۲۲۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین مرتبے کا آدمی وہ ہوگا جو علم ہو اور اپنے علم سے نفع نہ اٹھائے۔"

اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا ہے لیکن عالم صاحب کپ شپ میں مشغول ہیں، فضولیات اور لغویات میں مشغول ہے، اس سے نفع نہیں اٹھاتا، یہ عالم اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین مرتبے کا آدمی ہوگا، انوار باللہ من زاہد: اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامت کے دن انسان سے چار سوال:

حضرت ابی ہریرۃؓ الاصلی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ترمذی ج ۲ ص: ۶ پر ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بندے سے ان دنوں قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں پائیں گے (سُحْرَارَہے گا)۔ فرمایا جائے گا کہ چار سوالوں کا جواب دے دو اور چھ جائے گا!

جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟

پہلا سوال یہ ہے کہ اپنا جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟ جھوٹا بچہ تھا، بڑا ہو گیا، بال سفید ہو گئے، اب چل بھی نہیں سکتا، کس چیز میں اس جسم کو بوسیدہ کیا ہے؟ پہلے اس سوال کا جواب دو۔

عمر کس میں ضائع کی؟

دوسرا سوال یہ کہ عمر کس چیز میں ضائع کی؟ کون کون مشغول ہیں ضائع کی؟ اللہ تعالیٰ نے عمر دی تھی، کسی کو تھوڑی دی تھی، کسی کو زیادہ دی تھی، یہ عمر کون کاموں میں خرچ کی؟ یہ ایک مستقل سوال ہے جس کا ہم میں سے ہر ایک نے جواب دینا ہے،

ہمیں اس کا احساس ہی نہیں، ہم نے یہ عمر ضائع کی اور خوب ضائع کی، بے پروائی سے ضائع کی، گویا اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ بیٹھے ہیں، حالانکہ یہ عمر تو اللہ تعالیٰ کا عہدہ تھا، اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔

مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

تیسرا سوال، اس سوال کی دو قسمیں ہیں، مال کہاں سے لیا اور کہاں خرچ کیا، پھوٹا سا سوال ہے، پوری زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے گا، مال کہاں کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ باقی تمام چیزوں کے بارے میں صرف ایک سوال لیکن اس کے بارے میں دو سوال، اس کو آدمی بڑی کوشش سے حاصل کرتا ہے اور خرچ بھی کرتا ہے بڑی محنت کے ساتھ۔

علم پر کتنا عمل کیا؟

چوتھا سوال یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جتنا علم دیا تھا، ان میں سے کس بات پر عمل کیا؟ بس چار سوال، چار سوالات کا جواب دے دو اور جاکہ امتحانی سوال بتا دیتے ہیں حالانکہ مطمئن بتایا نہیں کرتے، لیکن یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ چار سوال ہوں گے اور ان میں سے ایک سوال دو سوال کی جگہ ہے، گویا پانچ سوال ہو گئے، ان پانچ سوالوں کا جواب دے دو اور جاکہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

”اَعْلَمُوا مَا بَيْنَكُمْ اَنْ تَعْلَمُوا اَلَا قُلْنَ يَا جَزَلْتُمْ اللّٰهَ

بِعِلْمِهِ حَتّٰی تَعْلَمُوْا“ (حیاء اصحابہ ج ۳ ص ۲۵۰)

ترجمہ: ”جان لو! جتنا چاہو علم سیکھ لو! مگر یاد رکھو اللہ

تعالیٰ تمہیں علم پر اس وقت تک اجر نہیں دیں گے جب تک کہ تم

اس پر عمل نہ کرو گے!“

یعنی تم کتابیں اور رسالے پڑھ کر جتنا چاہو اپنی مصروفیت کا ذخیرہ جمع کر لو، بڑے ذہن پرست علامہ ابن جاؤنین، اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر نہیں دے گا، جب تک کہ اس پر عمل نہیں کرو گے۔ صرف کتابوں کے پڑھنے سے تمہیں اجر نہیں ملے گا، بلکہ اجر سے گام علم پر عمل کرنے سے۔ اور اسی مضمون کی ایک روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرمایا کرتے تھے:

”تَعَلَّمُوا مَا بَيْنَكُمْ أَوْ تَعَلَّمُوا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَأْخُذُكُمْ عَلَى الْجُلْمِ حَتَّى تَعَلَّمُوا بِهِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمُتُهُمُ الْوَعَايَةُ، وَإِنَّ السُّفَهَاءَ هُمُتُهُمُ الْبُرْؤَانَةُ“ (حیات و صہبہ ج ۳ ص ۸۵۰)
ترجمہ: ... جتنا چاہو علم سیکھ لو تمہاری خوشی ہے، تمہیں اللہ تعالیٰ علم پر اجر نہیں دے گا، بلکہ علم پر اجر دے گا، اپنے علم میں سے کتنی چیزوں پر عمل کیا؟ اور فرماتے تھے کہ علما کا کام بات کو ذہن میں رکھ کر اس پر عمل کرنا ہے، اور احمق لوگوں کا کام روایتیں کرتے رہنا ہے۔“

یعنی جیسے لوگ نتیجے میں کہ ایک روایت یہ ہے، ایک روایت یہ ہے، ایک روایت یہ ہے، عالم صاحب روایتوں پر لگے ہوئے ہیں، یہ بھی اچھی بات ہے، بہت اچھی بات ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ان روایتوں میں سے عمل کتنی روایتوں پر کیا؟

حضرت سہلؒ کی کرامت:

حضرت سہل بن عبد اللہ طستری رحمہ اللہ بھی کبھی مدرسے میں طالب علموں کے پاس چلے جایا کرتے تھے، یہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ماموں ہیں، حضرت جنیدؒ ابھی چھوٹے اور نابالغ تھے تو حضرت سہل بن عبد اللہ طستریؒ کی بہن اپنے

اس بچے کو بھی اپنے بھائی کے پاس چھوڑ گئی، ان کی بہن اپنے بھائی سے کہنے لگی کہ۔ ان کو بھی کچھ اللہ اللہ کھا دو، ایک دن حضرت سہل بن عبد اللہ کی بہن مدرسہ میں آئیں، اتفاق سے حضرت سہل بن عبد اللہ کھانا کھا رہے تھے، حضرت سہل بن عبد اللہ طہسرتی کے سامنے اچھا کھانا تھا اور بھانجے یعنی حضرت جنید کے سامنے ایسا ہی معمولی سا کھانا تھا، تو ان کی بہن کہنے لگی کہ۔ بھائی جی! بھانجے کے سامنے آپ نے کھانا ایسا ہی رکھا ہوا ہے، اور آپ مرغ اُڑا رہے ہیں؟ حضرت سہل بن عبد اللہ نے جب اپنی بہن کی یہ بات سنی تو وہ ہڈیاں جو جمع تھیں ان کو اکٹھا کر کے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: "انفم بآذن اللہ!" اللہ تعالیٰ کے قسم سے کھڑی ہو جاؤ! وہ مرغ بن کر اذان دینے لگا، حضرت سہل بن عبد اللہ بہن سے کہنے لگے کہ: جب آپ کا بیٹا اس مرتبے کو پہنچے گا تو یہ بھی مرغ کھالیا کرے گا، ابھی تو اس کو یہی وال ہی کھانے دو! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی عمر سات سال تھی، اپنے سولہ کے ساتھ تنہا پڑھتے تھے۔

حضرت سہل کی طلباء کو نصیحت:

میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت سہل بن عبد اللہ طہسرتی کبھی کبھی مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ان پڑھنے والوں سے غریب یا کرتے تھے: "یا اہل العلم! ادوا زکوۃ العلم!" (مولوی صاحبان! اپنے علم کی زکوۃ دیا کرو!) وہ طلب علم کہتے کہ: حضرت! علم کی زکوۃ کیا ہے؟ فرماتے: ایک سو حدیثوں میں سے ایک حدیث پر عمل کر لو! اب ہزار مدرسہ شروع ہو گا، صحاح ستہ اور صرف بخاری شریف کے گیارہ بارہ سو صفحات ہیں، مسلم شریف، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دوسری کتابیں علمائے کرام دھڑا دھڑ پڑھا رہے ہیں، کچھ طلبہ سمجھ لیں گے اور کچھ نہیں سمجھیں گے، لیکن ان طلبہ سے پوچھ لیجئے کہ اس پر کس نے عمل کیا ہے؟

علم کی زکوٰۃ اس پر عمل ہے:

حضرت سہل بن عبد اللہ طستریؒ فرمایا کرتے تھے: اے اہل علم! اپنے علم کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ لوگ عرض کرتے کہ: حضرت! علم کی زکوٰۃ کیا ہے؟ فرمایا: ایک سو عسرا سے ایک حدیث پر عمل کر لو! چلو ایک سو عسرا سے نہیں ایک ہزار عسرا سے ایک پر عمل کر لو۔ تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علما کا اہم مقصد علم کو محفوظ کرنا ہے، اور محفوظ کر کے اس پر عمل کرتا ہے، اور امتیٰی لوگوں کا مقصد روایت کر دینا ہے، ایک بات سنی اور آگے روایت کر دینا ہے اور بس!

﴿أَفْرِغُوا مِائِدَكُمْ﴾ (المصدر للشيخ رجب (رحمہ اللہ))



حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ
صحیفوں کے مضامین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَتَعْمَلُ الْفَالِاحَ وَمَنْ يَحْيَى حَيًّا وَتَعْمَلُ الْفَالِاحَ

وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَصْحَابُهُ رَجَسَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَعْطُونَ وَيَنْعَطُونَ فِي السُّفْرِ
وَالْحَضَرِ، وَكَيْفَ كَانُوا يَصْرِفُونَ النَّظَرَ عَنْ ظَوَاهِرِ الدُّنْيَا
وَلَدَائِهَا إِلَى نَعِيمِ الْآخِرَةِ وَالْآيَةِ وَيَحْذَرُونَ اللَّهَ فَخَبِيرًا
تَذَرِفُ بِهِ الْعُيُونَ وَتُوجِلُ بِهِ الْقُلُوبُ كَأَنَّ الْآخِرَةَ تَحُلَّتْ
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَحْوَالِ الْحَضَرِ كَبَدَتْ بِأَعْيُنِهِمْ، وَكَيْفَ
كَانُوا يَأْخُذُونَ بِأَيْدِي الْأُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ بِعَظَائِمِهِمْ يُوْجِّهُونَ
وَجُوهَهَا إِلَى فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَقْبَلُونَ بِهَا
شَرَائِئِنَ الْبَشَرِ الْخَلْقِي وَالْحَقِي.

ترجمہ: ... ”سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو کسی
طرح نصیحت کرتے اور نصیحت حاصل کرتے تھے؟ وہ ظاہر دنیا

اور اس کی لذات سے منہ موڑ کر آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف کس طرح متوجہ ہوتے اور کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے اس طرح ڈراتے تھے کہ آنکھیں بہہ پڑتیں اور دل کانپ جاتے اور گویا ایسا محسوس ہوتا کہ وہ آخرت ان کے سامنے منکشف ہو کر آگئی ہے اور احوالی عشران کے سامنے ظاہر ہو گئے ہیں، وہ ان مواعظ کے ذریعہ امت محمدیہ کی دیکھری فرماتے، اور ان کو آسمان و زمین کے خالق کی طرف متوجہ کر کے شرک جی و خفی کی دونوں سے جڑیں کاٹ پھینکتے تھے۔

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نصیحت آموز کلمات اور ارشادات یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے عباد کرنے والے کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اپنے ان مواعظ کے ذریعہ انوں سے شرک جلی اور شرک خفی کی رگیں اور جڑیں اکٹھا کر دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سفر و حضر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو نصیحت کرتے تھے اور نصیحت پاتے تھے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے عذاب سے ڈراتے تھے، آخرت کی نعمتوں کو ایسا محسوس کرتے تھے گویا وہ نعمتیں ان کے سامنے ہیں اور دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے بے رغبتی دلاتے تھے، محشر میں جو حالات ہمارے سامنے آئے والے ہیں ان کا ایسا نقشہ کھینچتے تھے گویا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ان مواعظ کے ذریعہ امت محمدیہ کی دیکھری فرماتے تھے اور ان کو آسمان و زمین کے خالق کی طرف متوجہ کر کے شرک جلی اور شرک خفی کی جڑیں انوں سے اکھاڑتے تھے۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے "تنبیہ المغترین" میں، جو اخلاقی سلف کے نام سے اردو میں چھپی ہوئی ہے، اس کا ایک باب مستقل اس پر قائم کیا ہے کہ سلف

صالحین کا یہ معمول تھا کہ جب وہ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے تو ایک دوسرے سے نصیحت طلب کرتے تھے کہ کوئی نصیحت فرمائیں اور پھر متعدد حضرات کی نصیحتیں وہاں ذکر فرمائی ہیں۔

یہاں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ ذکر کئے ہیں، یعنی آپ کی نصیحتیں، آپ کے نہ صحت کلمات اور ارشادات، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان مواعظ شریفہ کو اپنے دل پر لکھیں، صرف ایک کان سے سنا لینا اور دوسرے سے نکال دینا نہ ہو، اور ان سے وقتی طور پر مٹنی محض کا کام نہ لیا جائے، بلکہ ان سے عبرت و نصیحت حاصل کر کے ان پر عمل کی سعی و کوشش کی جائے، کیونکہ یہ دو کلمات خبیات ہیں جو زبان نبوت سے نکلے ہوئے ہیں، یہ وہ جواہر و موتی ہیں جس کو نبوت کے سمندر نے اُچھالا ہے۔

صحفِ ابراہیم کے مضامین:

آپ کے ان فصائح میں سے چند ایک یہ ہیں کہ:

”عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا كُنْتُ مُحَافِظًا لِإِبْرَاهِيمَ“ قَالَ: كُنْتُ أَمْنًا لَا تُكَلِّفُهَا إِلَيْهَا الْمَلِكُ الْمَسْلُطُ الْمُتَنَلِّي الْمَقْرُورُ إِنِّي لَمْ أُنْبِشْكَ لِمَنْجَعِ الدُّنْيَا بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَكِنِّي بَعَثْتُكَ لِتَرُدَّ عَنِّي دَعْوَةَ الْمُظْلَمِ فَإِنِّي لَا أُرُدُّهَا وَإِنْ كُنْتُ مِنْ مُخَافِرٍ، وَعَلَى الْعَاقِلِ مَا لَمْ يَكُنْ مُغْلَرًا عَلَى غُفْلِهِ أَنْ يَكُونَ لَهُ سَاعَاتٌ فَسَاعَةٌ لِنَاجِي فِيهَا زَيْدٌ، وَسَاعَةٌ لِمَخَاسِبٍ فِيهَا نَفْسُهُ، وَسَاعَةٌ يَتَفَكَّرُ فِيهَا بِي صُنْعِ اللَّهِ غَرُّ وَجَلٍّ، وَسَاعَةٌ يَخْلُو فِيهَا لِمَخَاجِيهِ مِنَ الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ، وَعَلَى الْعَاقِلِ

أَنْ لَا يَكُونُ ظَاهِرًا إِلَّا بِإِذْنٍ: فَزُوذَ لِمَعَادٍ أَوْ مِرْمَةً
بِمَعَاذٍ أَوْ لَدُنْهُ فَبِيْ غَيْرِ مَحْرَمٍ، وَغَلْبَى الْمَعَادِ أَنْ يَكُونُ
نَجْصًا بِزَمَانِهِ، مُقْبِلًا عَلَى شَأْنِهِ، خَافِضًا لِلْمَسَانِهِ، وَمِنْ
حُبِّ كَلَامِهِ مِنْ غَمْلِهِ فَلْ كَلَامُهُ إِلَّا لِمَا يَنْبَغِيْهِ۔“

(حیاتِ اصحابہ، ج ۳، ص: ۳۹۷، ۳۹۸)

یعنی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن کریم میں صحف ابراہیم و موسیٰ کا ذکر آتا ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے۔

بڑی کتابوں کو کتاب کہا جاتا تھا اور چھوٹی کتاب کو جس کو رسالہ کہنا چاہئے: صحیفہ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چار مشہور کتابیں: زلِ فرمائی ہیں: تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم، اور مختلف اوقات میں ایک ۲۰ کے قریب صحیفے نازل کئے ہیں، اور کچھ صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر، کچھ حضرت شیث علیہ السلام پر، کچھ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے، ان میں سے صحف ابراہیم و موسیٰ کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یعنی وہ صحیفے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کہا یا رسول اللہ! جن صحیفوں کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے، تو ان صحف میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سب کے سب ضرب الامثال تھے، یعنی ایسے فقرے جن کو ضرب المثل کے طور پر ہمیشہ استعمال کیا جاتا ہے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کا ذکر فرمایا ہے۔

بادشاہوں کے لئے دستور العمل:

ایک یہ کہ اسے او بادشاہ! جو لوگوں کی گردنوں پر سوار ہے اور جو اس میں جتا کیا گیا ہے اور جو دھوکے میں پڑا ہوا ہے، میں نے تجھ کو لوگوں پر اس لئے مقرر نہیں کیا کہ تو دنیا سینٹا جائے، او مفردا میں نے تجھے اس لئے حکومت نہیں دی کہ دنیا کو جمع کر کے تمہ پر تمہ لگاتا جائے، میں نے تجھے دیا پر اس لئے مقرر کیا ہے تاکہ تو کسی مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچے دے، میری سلطنت میں اور تیرے زیر نگیں علاقوں میں ایک بھی مظلوم ایسا نہیں ہونا چاہئے جو کسی کے لئے بددعا کرے اور اس کی بددعا مجھ تک پہنچے، بس لئے کہ جب کوئی مظلوم بددعا کرتا ہے تو میں اس کی بددعا کو رد نہیں کرتا، چاہے وہ بددعا کافر ہی کیوں نہ کرے! اسی سے بحث نہیں کہ یہ تجھے ماننے والا ہے کہ نہیں؟ جب بھی کوئی مظلوم بددعا کرتا ہے تو میں اس کی بددعا کو رد نہیں کرتا، تو یہ پہلی بات تھی جو مصحف ابراہیم علیہ السلام میں لکھی تھی، گویا بادشاہوں کے لئے دستور العمل تھا کہ عادل اور منصف بادشاہ وہ ہے جس کی رعایا میں کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور کسی مظلوم کو ظالم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔

حضرت عمرؓ کا احساسِ ذمہ داری:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے ناں کہ رات کو پہرہ دینا کرتے تھے، ایک بڑھیا کے گھر سے بچوں کے رونے کی آواز آ رہی تھی، حضرت امیر المؤمنین نے پوچھا کہ: اماں! یہ بچے کیوں روتے ہیں؟ کہنے لگی کہ: یہ بھوکے ہیں اور یہ ہنڈیا چوہے پر رکھی ہوئی ہے، میں نے پانی میں پتھر ڈال کر چوہے پر جڑھا دیا ہے تاکہ بچوں کو اطمینان رہے کہ ہنڈیا کھ رہی ہے اور ان کو اس طرح بہلا کر سلا دوں گی کہ کھانا ابھی تیار ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے: لگے بڑی بی! تو نے

عمر کو نہیں بتایا، خلیفہ کو نہیں بتایا، امیر المؤمنین تمہارے کھانے کا بندوبست کرتا؟ کہنے لگی: میرا فرض تھا کہ اس کو بتاتی یا اس کا فرض تھا کہ وہ رعایا کا پتہ کرتا؟ یہ کیا میرا فرض تھا؟ اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانا نہیں تھا، پھر کہنے لگی کہ: کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمر کی شکایت کروں گی کہ مدینے میں رہتے ہوئے میرے بچے بھوکے تھے اور اس نے پتہ نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپکے سے وہاں سے چلے آئے، بیت المال سے غلہ اور دوسری ضرورت کی چیزوں کی بوری بھری اور اپنے غلام اسم سے کہا کہ: اس کو میری کمر پر رکھ دو! اس نے کہا کہ: حضور! میں اٹھا لیتا ہوں، غلام میں ہوں، میں اٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے گئے کہ: اگر قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اٹھا سکتے ہو تو اٹھا لو! لیکن اگر قیامت کے دن یہ بوجھ عمر کو ہی اٹھانا ہے تو ابھی بھی اس کو ہی اٹھانے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور ہنڈیا میں وہ چیزیں ڈال کر خود پکانے لگے اور چوہے میں پھونکے لگانے لگے، وہ غلام کہتا ہے کہ میں نے امیر المؤمنین کی داڑھی میں سے دھواں نکلتے دیکھا، جب کھانا تیار ہو گیا اور وہ بچوں کو کھلایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر ٹھہر گئے اور فرمایا: جس طرح میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا، چاہتا ہوں کہ ان کو ہستے ہوئے بھی دیکھوں اور اس خاتون سے فرمایا کہ: تم کل آنا میں تمہارا مستقل بندوبست کر دوں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت نہ لگانا!

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ بہت مشہور ہے کہ: "فراٹ کے بل پر اگر کوئی سوراخ ہو جائے اور اس میں کسی گزرنے والی بکری کا پاؤں پھنس جائے اور اس کو نقصان پہنچ جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ عمر سے قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔"

جو حکومت عوام کو انصاف نہ دلائے....

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے لوگوں پر اس لئے مسلط نہیں کیا کہ تو دنیا کو سمیٹا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ٹیکس لگا لگا کر ان کی زندگی اجیرن کر دے، میں نے تجھے لوگوں پر اس لئے مسلط کیا اور مقرر کیا ہے تاکہ کسی مظلوم کی بددعا بھٹک نہ آئے دے، جس رعایا میں مظلوم بددعائیں کرتے ہوں، وہاں حاکم کے ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ انصاف کا کیا فائدہ ہے؟ ”بھاذ میں جائے سونا جس سے فونے کان!“ جو حکومت مظلوم عوام کو انصاف نہیں دلا سکتی، اور جو عدالت پسے ہوئے لوگوں کو انصاف نہیں دلا سکتی، ایسی حکومت اور ایسی عدالت کا کوئی فائدہ نہیں، ایسی عدالت لغو ہے، لایعنی ہے۔

عقل مند آدمی کے ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہونے چاہئیں:
دوسرا فقر، یہ تھا کہ ایک عقل مند آدمی جو مظلوب العقل نہ ہو، پاگل، بیہوش، بدہوش، دیوانہ نہ ہو، اس کے اوقات تقسیم ہونے چاہئیں، اس کے اوقات مقرر ہوں۔
عبادت، مناجات اور محاسبہ نفس کے لئے بھی وقت مقرر ہو:
ایک وقت ہو جس میں وہ اپنے رب سے مناجات کرے، عبادت میں، ذکر الہی میں مشغول ہو۔

اور ایک وقت اس بات کے لئے مقرر ہو؟ چاہئے جس میں اپنے نفس سے محاسبہ کرے کہ یہ نفس شربے مہار تو نہیں چل رہا؟ ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے کہ نہیں؟
مظاہر قدرت میں غور کا بھی وقت ہونا چاہئے:

اور ایک وقت ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہدوں کا تماشا کرے، کسی کو نوازتے ہیں تو کیسا نوازتے ہیں، کسی کو پکڑتے ہیں تو کیسا

پکڑتے ہیں، آسمانوں کو کیسی بلندی عطا فرمائی، اور زمین کا پھونکا کیسا بچھایا، درختوں کو کیسے پیدا کیا، پانی کو اللہ تعالیٰ نے کیسی چیز بنایا اور پانی کا نظام اللہ تعالیٰ نے کیسا جاری فرمایا، وغیرہ، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے جو معاملات اپنے بندوں کے ساتھ ہیں، ان پر غور کرتا رہے اور نہیں تو اپنے ساتھ جو معاملات ہیں ان پر غور کرے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" (تبداری ذات میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل موجود ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمہیں نظر نہیں آتا، دیکھتے نہیں؟)

بشری حاجتوں کے لئے بھی وقت مقرر ہو:

اور ایک وقت ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں وہ اپنی بشری حاجتیں پوری کرے، کھانے کی، پینے کی، سونے کی اور دوسری حوائج زندگی میں مشغول ہو۔

سفر تین مقاصد کے لئے ہو:

تیسرا فقرہ یہ تھا کہ عاقل پر لازم ہے کہ وہ جب سفر کرے تو اس کے تین مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد ہونا چاہئے۔ سفر کو اپنی آخرت کے لئے توشہ بنانا مقصود ہے، سفر آخرت ہے جیسے حج کا سفر ہے، عمرہ کا سفر ہے، اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے کی خدمت میں جانے کے لئے سفر ہے، والدین کی زیارت کے لئے سفر ہے، علم کے لئے سفر ہے، دعوت الی اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے سفر ہے، جہاد فی سبیل اللہ کا سفر ہے، وہ سفر جو اس کے لئے توشہ آخرت ہے اور یا اپنی معیشت کو درست کرنے کے لئے سفر ہونا چاہئے، یا کسی ایسی چیز کی لذت جو حرام اور ناجائز نہ ہو اس کے لئے سفر ہونا چاہئے۔

عاقل زمانہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے:

ایک فقرہ یہ تھا کہ عاقل کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کو عبرت کی نظر سے دیکھنے والا ہو، اپنے گرد و پیش کے حالات سے آنکھیں بند نہ کرے اور اپنی

حالت کی طرف متوجہ رہے، جیسے کہا جاتا ہے: "تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی نیر تو؟" اپنی طرف متوجہ رہے، اپنے کام میں لگا رہے کہ اس کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اپنے عیوب کی اصلاح کرے، اپنی طاعتوں کو درست کرے اور حافظہ اطمینان یعنی اپنی زبان کا محافظ ہو، اس کی زبان فتنہ کی طرح کائناتی نہ چلی جائے، بلکہ بات جو بھی کرے، سوچ سمجھ کر کرے اور جو شخص اپنے کام کو بھی اپنے عمل کے ساتھ سمجھتا ہے یعنی جو انسان اعمال کرتا ہے ان اعمال میں یہ باتیں کرنا بھی شامل ہے، ہمارا کلام کرنا بھی ہمارے اعمال میں شامل ہے، جو وہی یہ سوچ لے گا وہ بہت کم باتیں کرے گا، سوئے ان چیزوں کے جو ان کے مقصود کی ہیں، ضرورت کی ہیں، وہ لایعنی باتوں میں مشغول نہیں ہوگا، جو شخص اپنے کلام کو بھی اپنا عمل سمجھتا ہے وہ لایعنی باتوں میں مشغول نہیں ہوگا، یہ پانچ فقرے تھے جو حضرت براہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں تھے۔

صحف موسیٰ میں عبرتیں تھیں:

"فَمَا كَانَتْ ضَعْفَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ؟ قَالَ:
كُنْتُ عِبْرًا لِّكُلِّهَا عَجِبْتُ لِمَنْ آتَيْنِ بِالْمَوْتِ ثُمَّ هُوَ
يَفْرَحُ، عَجِبْتُ لِمَنْ آتَيْنِ بِالْأَيِّ ثُمَّ هُوَ يَضْحَكُ، عَجِبْتُ
لِمَنْ آتَيْنِ بِالْقَدْرِ ثُمَّ هُوَ يَنْصَبُ، عَجِبْتُ لِمَنْ رَأَىٰ اَلْاٰدِلِيَا
وَتَقَبَّلَهَا بِأَهْلِهَا ثُمَّ اَطْمَأَنَّ اِلَيْهَا، عَجِبْتُ لِمَنْ آتَيْنِ
بِالْحَسَابِ غَدًا ثُمَّ لَا يَعْمَلُ." (حياة السحابه ج ۳ ص ۳۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا یا رسول اللہ! حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صبی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
ساری کی ساری عبرت کی باتیں تھیں۔

صحفِ موسیٰ کے مضامین:

چنانچہ پانچ فقرے اس کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرما دیئے۔

مجھے تعجب ہے اس پر جس کو موت کا یقین ہو

اور پھر بھی مسکراتا ہے؟

مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین بھی ہے اور پھر وہ خوش بھی ہو رہا ہے، واقعی تعجب کی بات ہے:

دن خود صدا بکے زیر زمیں

پھر بھی مرنے کا نہیں تجھ کو یقین!

خوبصاحبِ قدس سرہ نے فرمایا کہ بیٹکڑوں آدمی اپنے ہاتھ توفیق کئے ہیں، پھر بھی مرنے کا نہیں تجھ کو یقین، ایک گھر میں ایک موت واقع ہو جاتی ہے تو کس رنگ ہوتا ہے، آپ کے گھر میں خدا خواستہ ایسا حادثہ ہو جائے تو آپ رقص و سرود کی گھنٹیں جائیں گے؟ لی وی پر ذرا رے دیکھیں گے؟ یہ تو تمہارے گھر پر موت ہونے پر تجھ کو ساری خوشیاں بھول جاتی ہیں، اور جس دن تمہیں موت آنے گی اس دن کیا حال ہوگا؟ اگر ہمیں اپنی موت کا یقین ہو اور موت پیش نظر رہے تو پھر یہ خوشی بے کار ہو جائے گی، یہ خوشی جاتی رہے گی، دنیا کی کسی چیز سے ہمیں خوشی نہ ہوگی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحف کا یہاں فقرہ یہ ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین بھی ہے اور پھر مسکراتا بھی ہے، کھل کھلا کر ہنستا ہے۔

تعجب ہے کہ دوزخ کا یقین ہو اور پھر بھی ہنستے:

اور دوسرا فقرہ ہے: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو دوزخ کا یقین ہے پھر

اس کو فہمی بھی آتی ہے۔

کوئی سانپ یا کوئی اثر ہاؤس کھولے کھڑا ہو، بڑپ کرنا چاہتا ہو، اس آدمی بچہ دے کے پاس پہنچے اور بھاگنے کی کوئی شکل نظر نہ آتی ہو، اس وقت کیا یہ اکیلا لڑے گا یا وہ وژدہ اور سانپ خود پھوڑ جائیں گے؟ جہنم منہ کھولے کھڑی ہے اور دو قیامت کے دن کو ڈال دے گی، گویا یوں کہو کہ اب اس کی کوفہ کان میں آتی ہے: "ہل من مرید؟" (کوئی ہے جو مجھے دیا جائے؟) جہنم اپنی شعلہ سالانیوں اور اپنے قرم عذابوں اور تمام دیکھوں اور ماروں کے ساتھ اس وقت موجود ہے، اور وہ اپنے بیٹوں کی منتظر ہے۔ تو تعجب ہے اس شخص پر جس کو دوزخ کا یقین ہے اس کے باوجود وہ جنت بھی ہے۔

تعجب ہے کہ تقدیر کے یقین کے باوجود پریشان ہوتا ہے:

اور اس کا تیسرہ فقرہ: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو تقدیر والہی کا یقین ہے اور بھروسہ پریشان ہوتا ہے، ٹھکتا ہے۔

تم یہاں پادو، جو چاہو کرو، جہاں چو چلو، آسمان کے تارے توڑ لاؤ
یہ زمین کے خزانے کھود ڈالو، لیکن تمہیں ملے گا اتنا ہی جتن تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اتنا
یہ ملے گا، ایک دانہ بھی نہ کم کر سکتے ہو، نہ زیادہ، جس شخص کو تقدیر پر ایمان نہ ہو وہ تو
اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے کہ میرے کرنے سے ہوگا، لیکن جس شخص کو ایمان
بالقدر ہو، تقدیر پر ایمان ہو، وہ پریشان نہیں ہوگا، سب کام صم الہی سمجھ کر کرے گا۔

تقدیر، گاڑی کی مانند ہے:

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہری مشا، اور تقدیر کی مشا ایسی ہے جیسے گاڑی ریل
کے ڈرائیور کو ہری بھنڈی دکھاتا ہے اور ریل چل پاتی ہے، سرخ بھنڈی دکھاتا ہے تو
ریل رک جاتی ہے، اب میرے جیسے ناواقف آدمی کو ایسا لگے گا کہ یہ بھنڈی بڑی

کرامت والی ہے۔ گاڑی کی جھنڈی کو باوجود اس کے کہ ریل کی آنکھیں نہیں ہیں، اس کو دیکھ لیتی ہے اور عجیب و غریب اس میں طاقت ہے کہ جھنڈی ہلاتے ہی گاڑی چل پڑتی ہے، سبز جھنڈی دیکھ کر گاڑی چل پڑتی ہے اور سرخ جھنڈی دیکھ کر گاڑی رُک جاتی ہے، ہمارے جیسے بچے تو یہی سمجھیں گے، لیکن جو حقیقت شناس ہوگا وہ یہ سمجھے گا کہ گاڑی کو چلانا یا اس کو روکنا یہ جھنڈی کا کوشش نہیں، بلکہ ڈرائیور اور گاڑی کے درمیان ایک اصطلاح مقرر ہے کہ جب ہری جھنڈی دی جائے گی تو ڈرائیور گاڑی چلا دے گا اور سرخ جھنڈی دی جائے گی تو ڈرائیور گاڑی روک دے گا۔

انسان کی دعائیں اور التجائیں سبز جھنڈی کی مانند ہیں:

اکابر فرماتے ہیں کہ ہمارے کسب، ہماری محنت، ہماری کمائی اور ہماری دعائیں، ہماری التجائیں یہ سبز جھنڈی ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، گاڑی نہیں چلتی، گاڑی چلانا تو اس ڈرائیور کا کام ہے، ہاں ایک اصطلاح مقرر کرنی کہ تم ایسے کرو گے تو ہم ایسا کر لیں گے۔ آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روح الامین نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی ہے کہ: "إِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوتُ حَتَّى تَسْتَكْبِرَ بِرُذُلِهَا۔" (مکتوٰۃ ص: ۵۴) یعنی کوئی نفس مرے گا نہیں جب تک کہ اپنی روزی کو پورا نہیں کر لیتا، جتنی لکھو، کسے لانے ہو، ایک ایک گل کے برابر روزی تمہیں پوری دی جائے گی، مگر نہیں کہ تم اس سے پہلے مر جاؤ، ہرگز نہیں، مرے گا کوئی شخص جب تک کہ اپنی مقررہ روزی کو پورا نہیں کر لیتا، سو تم رزق کے تلاش کرنے میں ذرا خوب صورتی سے کام لو، غلط کام نہ کرو۔

ہماری معاش اور معاد کا انتظام:

ایک صاحب میرے پاس آئے، کہتے تھے کہ: ایک صاحب ہیں (ایسے ہی اس کے منہ سے نکل گیا)، جو یہ کہتے ہیں ابھی مغرب کی نماز پڑھ کے ہی آئے تھے کہ

عشا کا وقت ہو گیا، اذان ہو گئی، کہنے لگے کہ بس نمازیں اسی نمازیں رہ گئی ہیں، تو وہ شخص کہنے لگے کہ اس طرح کہنے سے کافر تو نہیں ہوا؟ میں نے اس کو یوں سمجھایا کہ بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کے دو حصے کئے ہیں، ایک حصہ دوپہر سے پہلے پہلے کا ہے، یہ تمہاری سواش کے لئے رکھ دیا، در ایک حصہ دوپہر کے بعد کا ہے یہ تمہاری معاش کے لئے رکھ دیا، عبادت کے لئے، اپنی آخرت کی تیاری کے لئے، دن و محل رہا ہے ناں! تو ہماری زندگی کا دن بھی و محل رہا ہے، تیاری کرلو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز کے بعد دوپہر تک کوئی عبادت مقرر نہیں فرمائی اور دوپہر کے بعد سے لے کر سونے تک چار نمازیں مسترد کر دیں، جی تو یہ تھا کہ دوپہر سے لے کر سونے تک مسجد ہی میں رہتے، جیسا کہ فجر کے بعد سے لے کر دوپہر تک دکان پر تھے دنیا کمانے کے لئے، اب دوپہر کے بعد سونے تک مسجد میں رہو، اس دکان میں رہو، یہ آخرت کمانے کی دکان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرے ضعف کی رعایت کرتے ہوئے ہمیں اس وقت کی اجازت دے دی کہ یہ وقت بھی اپنی ضروریات کے لئے استعمال کر سکتے ہو، تو تمہیں نظر تو یہ آتا ہے کہ بچے درپے پانچ نمازیں آگئیں، تحفے نہیں دیتے، جنہیں اس پر شکر کرنا چاہئے کہ تمہیں گھر جانے دیتے ہیں، ٹھیک بات ہے ناں! اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہو، کرنا چاہئے کہ ہماری آخرت بھی بن رہے ہیں، اور گھر جانے کی اجازت بھی دے رہے ہیں، کام کرنے کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔

چوبیس گھنٹے نماز میں رہنے کا عجیب لطیفہ:

دارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرتدہ عجیب لطیفہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ، مسلمان چوبیس گھنٹے نماز ہی میں رہتا ہے! اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

..... "لَا يَزَالُ أَخَذْتُكُمْ بِفِي صَلَوةٍ مَا ذَابَتْ

الْفُضُولَةُ نَحْبِلُهُ لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ“
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۰)

یعنی بندہ نماز میں رہتا ہے جب تک کہ وہ نماز کا انتظار کرتا رہے، تو مسجد میں ٹھہر کر نماز یا جمعہ کی نماز کے لئے آکر بیٹھ سکے، گھنٹہ پیسے سے آئے ہوئے ہیں، یہ چار وقت تمہارا نماز میں نکلا گیا، اس لئے کہ تم نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو۔ حضرت فرماتے تھے کہ: مسلمان جب ٹھہر کر نماز پڑھ کر جاتا ہے تو اس انتظار میں تک جاتا ہے کہ مجھے عصر کی نماز میں آتا ہے، عصر پڑھ کر جاتا ہے تو اس انتظار میں ٹٹ جاتا ہے کہ میں نے مغرب کے لئے آنا ہے، مغرب کے بعد عشا کے انتظار میں اور عشا کے بعد سو جاتا ہے، لیکن اس انتظار میں کہ مجھے فجر میں اٹھنا ہے اور فجر کے بعد اپنے کام کا جگہ کے لئے چلا جاتا ہے، لیکن اس انتظار میں کہ مجھے ظہر کے لئے جانا ہے۔ فرماتے تھے کہ: مسلمان جو بیٹھ کر نماز میں رہتا ہے۔ حضرت نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے، اگر نماز کا اہتمام اور نماز کی فکر نہیں لگ جائے، ہم ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے منتظر بن کر ہیں تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے تمہارا پورا وقت نماز ہی میں صرف کیا جائے گا اور نکلا جائے گا، تو یہ مزید عنایت ہوگی کہ ہمیں ٹھہر جانے کی بھی اجازت دے دی، اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ تمہارے لئے نماز کی حاضری لگا دیں گے، ہم یوں سمجھیں گے کہ ظہر سے لے کر سونے تک تم نماز ہی میں رہے، تم یہ تو کہتے ہو کہ نماز جلدی جلدی آ رہی ہے، یعنی اس پر تم تعجب کرتے ہو، لیکن اس عنایت پر تم تعجب نہیں کرتے کہ تمہارا سارا وقت نماز میں نکلا جا رہا ہے۔ تو رزق تلاش کرنے کے لئے بھی اپنا وقت مقرر کرو، بھائی! صبح سے لے کر سونے تک اگر رزق ہی رزق کے پیچھے لگے رہو گے تو آخرت کب بناؤ گے؟ اپنے اوقات تقسیم کرو۔

رزق تمہاری تلاش میں ہے:

رزق تو تمہیں ملے گا ہی مے گا، کیونکہ رزق تمہاری تلاش میں ہے، وہ

تہارے پیچھے آ رہا ہے، تمہیں اس کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا:

"إِنَّ الرِّزْقَ لِيُطْلَبَ الْعَبْدُ كَمَا يُطْلَبُ الْخَلْدُ"

(مشکوٰۃ ص ۳۵۸)

ترجمہ: "رزق بندے کو ایسے تلاش کرنا ہے جیسے موت اس کو تلاش کرتی ہے!"

تم کسی جگہ بھی چھپ جاؤ، موت ضرور پہنچے گی، قرآن کریم میں ہے:

"إِنَّمَا تَكُونُوا يَدَايِكُمْ مِنَ الْمَوْتِ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي

بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ" (النبا ۷۸)

ترجمہ: "مقبوضہ قلعوں میں پناہ لے لو، شیٹے کا مکان لے کر اس میں بند ہو جاؤ، موت وہاں بھی پہنچ جائے گی، جہاں دوا کا گڑ نہیں، وہاں بھی موت پہنچ جاتی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں موت پہنچ سکتی ہے رزق بھی وہاں پہنچے گا۔

اللہ اپنے بندے کو نہیں بھولتا:

مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا کہ: یا اللہ! آپ مجھے یاد بھی فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: موسیٰ! اس چٹان پر عصا، رو۔ عصا مارا تو اس چٹان کے اندر سے ایک کیزر نکلا، کیزرے کے منہ میں سبز پتہ تھا، فرمایا: موسیٰ! جب چٹان میں رہنے والے کیزرے کو نہیں بھولا تو تجھے کیسے بھولوں گا؟ اللہ تعالیٰ تو کسی بندے کو نہیں بھولتا، تمہارا رزق پہنچا میں گئے، کیوں پریشان ہوتے ہو؟

تو صحف موسیٰ علیہ السلام کا ایک فقرہ یہ تھا کہ: مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جس کو نقد پر ایمان ہے، یقین ہے، اس کے باوجود خواہ مخواہ مشقت میں پڑتا ہے۔

وَأَعْرِضْ عَنَّا لِلْعَمَلِ رَبِّ رَحِيمٌ

خیر القرون میں
مسجد کی تعمیر و آبادی
کا ذوق !

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (الحمد لله رب العالمین صلی علیہ وسلم والصلوات علیہ وسلم)

عدی بن حاتم اور نماز کا اہتمام:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور جیسا کہ معلوم ہے کہ حاتم طائی عرب کے مشہور تھے، ان کے صاحبزادے ہیں، یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جب بھی نماز کا وقت آیا میں نے اس کی تیاری اس کے وقت سے پہلے کر لی تھی اور جب بھی نماز کا وقت آتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کا پہلے سے مشتاق تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا!

سعید بن مسیب کا مسجد سے تعلق:

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آتا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور وہ مسجد میں موجود نہ ہوں، یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کی غیر حاضری میں اذان ہو گئی ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اللہ اتنا سخت تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی بند رہی، مسجد نبوی میں کوئی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتا تھا، ایک حضرت سعید بن مسیب جو ہمیشہ مسجد میں ہی ہوتے تھے، تین

دن تک مسجد میں ہی بیٹھے رہے، نہ کسی جگہ آئے اور نہ کسی جگہ گئے، نہ وضو نہ طہارت، ان کو ان چیزوں کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، وہ ٹوک جوف دی تھے وہ مسجد میں آتے ان کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہتے: تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ انہوں نے، جیسے پاگل ہوتا ہے، ہاں ہوں کر کے بات بول دی، یعنی کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ ان کو کچھ آتا بھی ہے، وہ کہتے تھے کہ بیچارہ کوئی ٹوٹکا ہے، حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں آیا مسجد میں ہوتا تھا، جب مسجد میں اذان کا اور وقت کا کیسے پتا چلے۔ سعید بن عبدالمعز کہتے ہیں جب نماز کا وقت ہوتا تھا، "وَتَحَدُّنَ لَا يَعْرِفُ وَقْتُ الصَّلَاةِ إِلَّا بِمُهَنَّبَةٍ يَسْتَفْعِيهَا بَنُ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (مشکوٰۃ ص ۵۳۵) یعنی جب نماز کا وقت آتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف سے نجات ہونے کی آواز آتی تھی، اور وہ اس کے مطابق نماز پڑھتے تھے، کہتے: کہاں لوگ تھے اور کیسا ان کا سینہ پاک تھا؟

مسجد نبوی کی تمہیر میں حضور کا حصہ لینا:

ایک روایت میں ہے:

"أَعْنِ ابْنُ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّهُمْ تَكَادُوا
يُحْمَلُونَ اللَّيْلَ إِلَى بَنَاءِ الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ، قَالَ: فَاسْتَقْبَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَارِضٌ لِسَةً عَلَى بَطْنِهِ فَوَضَعْتُ أُنْهَُا شَفْتُ
عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: نَارُ لَيْلِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: خُذْ غَيْرَ هَذَا يَا ابْنَ
هُرَيْرَةَ فَإِنَّهُ لَا عَيْشَ إِلَّا غَيْشُ الْأَنْبِيَاءِ"

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۹۰)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

نقل کی ہے کہ لوگ مسجد کی تعمیر کے لئے اینٹیں ڈھور رہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنے پیٹ پر اینٹیں اٹھائی ہوئی تھیں جیسے بوجھ اٹھایا جاتا ہے، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے دے دیجئے، میں لے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ! اور لے لو، زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، مجھے بھی ثواب چاہئے!“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر چھوٹے بڑے تمام صحابہؓ اس میں لگے ہوئے تھے، اور انہوں نے مسجد تعمیر فرمائی، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں، ہم چار پیسے دے کر مزدور تو رکھ لیں گے، لیکن ویسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کریں اور اپنے ہاتھ سے مسجد کی تعمیر کریں۔

مسجد نبوی کی زمین کی خریداری:

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو دفعہ تعمیر ہوئی ہے، ایک دفعہ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ٹھہرے، سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ آپؐ نے فرمایا: بھائی! مسجد بنادو۔ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جو مسجد ہے، اس وقت یہ جگہ یتیموں کی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا حال یہ تھا کہ وہ کھنڈرات تھے، کچھ پرانی قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس جگہ کا میرے ہاتھ سودا کرو! صحابہؓ کہنے لگے کہ: یا رسول اللہ! ہم خود ہی خرید کر وقف کر دیتے ہیں، جتنا حصہ یتیموں کا ہے، جتنی قیمت اس کی بنتی ہے وہ ان کو دے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! مجھے یہ جگہ

اپنی خریدنی ہے۔

اپنی زمین اور اپنے پیسوں سے مسجد کی تعمیر:

”اپنی خریدنی ہے“ پر مجھے ایک بات یاد آگئی۔ ہمارے ختم نبوت کے مولانا محمد شریف بہاول پورٹی تھے، یہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمن ان کے صاحبزادے ہیں، بہاول پور کے متصل ان کی زمین تھی، ایک دن اپنے لڑکوں کو بٹھا کر کہنے لگے کہ: مولوی جی! لوگوں سے چندہ کر کے تو لوگ مسجدیں بہت بناتے ہیں، لیکن کبھی اپنی جگہ میں، اپنے پیسے سے لوگ مسجد نہیں بناتے، اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی زمین کو وقف کروں اور خود ہی اپنے پیسوں سے بغیر کسی چندے کے مسجد بنادوں، اور اس کے کونے پر مسجد سے باہر میں اپنی قبر کی جگہ رکھوں۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی مسجد کا نقشہ بنایا، کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیا اور وہ مسجد تعمیر کی اور ارد گرد اپنے لڑکے لڑکیوں کے مکان تعمیر کئے اور اپنی قبر کی جگہ ایک کونے پر رکھی، الحمد للہ! وہیں فوت ہوئے اور وہیں ان کو دفن کیا گیا، وہ مسجد میں خود دیکھ کر آیا ہوں، جتنے لڑکے ہیں، سب کا الگ الگ اپنا مکان ہے، اس وقت تو وہ جگہ اجاڑ تھی اب شہر کے اندر آگئی ہے۔

مسجد نبوی کا سنگ بنیاد اور خلافت کی ترمیم:

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اس کو خریدوں گا۔ فرمایا بہت اچھا اور اس کی قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ادا کی، دو قول ہیں، انصار سے پیسے نہیں لئے، یہ تو پہلی دفعہ کی تعمیر تھی اور اس موقع پر سب سے پہلی ایٹھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، دوسری ایٹھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، تیسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور چوتھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے، یہ خلافت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

حضرت عمارؓ اور مسجد نبویؐ کی تعمیر:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پھر ذہور ہے تھے، ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتے تھے، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ایک پتھر آپ کا اور ایک پتھر میرا، وہ پتھر اٹھا کر لاؤں گا، آپ پتھر نہ اٹھائیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

”وَبَنِيَ عَمَّارٌ تَفْتُلُهُ الْفِتْنَةُ الْيَاغِيَّةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ إِلَى النَّارِ“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۳)

ترجمہ: ”اُنہوں نے عمارؓ اچھے بائیں جماعت قتل کر دی، وہ ان کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ ان کو دوزخ کی طرف دعوت دیں گے۔“

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں شہید ہوئے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اور ”فتنة الياغية“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قرار پائے، کیونکہ خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پہلی دفعہ تو یہ تعمیر ہوئی۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر ثانی:

اور دوسری دفعہ تعمیر ہوئی ہے ۹ھ میں عمارؓ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، جیسا کہ روایات میں آتا ہے:

”عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَنِيَتْ الْمَسْجِدُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانٍ يَقُولُ: قَرِيبَ الصَّعَابِي إِلَى الطُّبُونِ فَإِنَّهُ أَحْسَنُكُمْ لَكُمْ مَسَا وَأَشَدُّكُمْ فَتْكُمَا.“ (صحیح الزوائد ج ۲ ص ۹۰)

ترجمہ:..... ”حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا، آپ میرے بارہ میں فرماتے تھے: بجای کو مٹی کے قریب کرو، یہ تم سے اچھی مٹی بناتے ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ: گارا اچھا بناتے ہیں، تم لوگوں کو گارا بناؤ نہیں آتا۔“

مسجد نبوی کی تعمیر کا نقشہ:

فرق اتنا تھا کہ اس دفعہ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توسیع کر دی تھی، لیکن مسجد وہی دہلی کی دہلی رہی، کھجوروں کے درخت کے ستون کھڑے کئے ہوئے تھے اور اوپر سے کات کات کے ان کو شہتیر بنا دیا یا پتے وغیرہ ڈال دیئے، مٹی کے ساتھ لپائی نہیں کی تھی۔

انصار کی پیشکش:

ایک دفعہ انصار نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے، ہم کو بھی تکلیف ہوتی ہے، ہم نے پیسے جمع کئے ہوئے ہیں اگر آپ جازت عطا فرمائیں تو ہم اچھی مسجد بنادیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی مسجد جیسی تھی دہلی بنانی ہے، وہ ایک بچہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ہاتھ ان کا چھت کو لگتا تھا، یہ وہی مسجد ہے جو آج کل مسجد نبوی بنی ہوئی ہے اور دنیا کی بہترین مساجد میں سے، بلکہ بہترین تعمیرات میں سے ہے، شاید اس سے بہتر کوئی تعمیر نہیں ہوگی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کی حیثیت یہی رہی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر نہیں ہوئی، آپ نے وہی رکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر ہوئی لیکن ذرا تھوڑی سی آگے پیچھے کر دی، یعنی اس کی توسیع کر دی لیکن مسجد دہلی ہی رہی۔

حضرت عثمانؓ کا مسجد نبوی کے بارہ میں ذوق:

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نے اس مسجد کو شہید کر کے نئے سرے سے نئی مسجد بنوائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو سب سے پہلا اعتراض کیا، وہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اچھی نہیں لگتی تھی، یہ نئی مسجد بناتے ہیں! حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اس خطبے میں فرمایا کہ: لوگو! تم اپنے مکان تو بہت اچھے مانتے ہو، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد ایسی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھی تو ایسے ہی تھے، ایک قطرہ پانی کا بارش ہو جائے تو باہر نہیں جاسکتا تھا، اندر ہی رہتا تھا، اب تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہارے مکان تو بہت اچھے بنے ہوئے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کا گھر ایسے ہی رہے، ایک یہ بات فرمائی۔

مسجد نبوی کی توسیع بیت المال سے نہیں ہوئی:

دوسری بات یہ فرمائی کہ میں نہ تو بیت المال کا پیسہ لگاتا ہوں اور نہ مسلمانوں سے اس کا چمچہ کرتا ہوں، میں اپنی جیب سے خرچ کرتا ہوں، جو کچھ میں خرچ کرتا ہوں، تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟ سارے چپ ہو گئے! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں کو لکھا کہ تمہارے علاقے میں سب سے بہترین جو نکلائی ہو وہ بھیجو! اور بہترین نکش و نکار والی ایشیں بھیجو! چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شاندار مسجد بن گئی، اور اس کے بعد پھر اس کی اور تعمیر ہوئی، ترکوں نے بھی تعمیر کی اور سعودیوں نے بھی بعد میں تعمیر کی۔



نماز کا اہتمام
فوائد و ثمرات



بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ترجمہ: اے اللہ! میری دعاؤں کو قبول کر اور ان کو قبول فرما)

"عَنْ أَبِي غَضَبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَا مِنْ
مُسْلِمٍ يَأْتِي زِيَارَةً مِنَ الْأَرْضِ أَوْ مَسْجِدًا يُسِي بِأَخْبَارِهِ
فَضَّلَنِي فِيهِ إِلَّا قَالَتِ الْأَرْضُ: صَلَّيْتُ بِكَ فِي مَرْضَةٍ وَأَشْهَدُ
لَكَ يَوْمَ تَلْقَاكَ." (سنن الترمذی ج ۱ ص ۹۰ حدیث ۲۱۲۳۸)

ترجمہ: ... "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول
ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی زمین کی زیارت
کے لئے جاتا ہے یا کسی مسجد میں جو کہ پتھروں کے ساتھ بنائی گئی
ہو، اس میں نہ زچ رہتا ہے، تو زمین اسے کہتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ
تیری اپنی زمین پر رحمت فرمائے اور میں تجھ سے نئے کوئی دوز
نہی جس دن کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔"

"عَنْ أَبِي مُسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا دُمْتُ
فِي صَلَاةٍ فَانْتَفَعْتُ بِبَابِ الْخَلِّيكِ، وَهُوَ يَقُولُ بَابُ
الْمُتَبَكِّبِ يَفْتَحُ لَكَ." (مسند الدیلمی ج ۱ ص ۱۳۰)

ترجمہ:..... ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ: جب تک تم نماز میں ہو، تم بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہو، اور جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔“

زمین کی نمازی کے لئے گواہی:

پہلی روایت میں فرمایا کہ: کوئی آدمی کسی مکان کی زیارت کے لئے جائے، اپنے عزیز واقارب کو ملنے کے لئے جائے اور وہاں کی مسجد میں نماز پڑھے تو مسجد کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گھر میں رحمت ہازل فرمائے اور میں تیرے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہادت دوں گی۔

یہ بات تو پہلے بھی معلوم ہو چکی ہے کہ کسی جگہ میں کوئی اچھا کام کرتے ہو یا کوئی برا کام کرتے ہو، قیامت کے دن زمین کے وہ ٹکڑے تمہارے حق میں شہادت دیں گے کہ اس نے میری پشت پر نیک کام کیا تھا، یا برا کام کیا تھا؟ اس نے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی جگہ بدل لیتے ہیں، تاکہ زمین کا وہ ٹکڑا بھی گواہی دے اور دوسرا ٹکڑا بھی گواہی دے۔

تبلیغ والوں کے لئے مسجدیں اور زمین کی گواہی:

بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے مشرق و مغرب کی زمین کے ٹکڑے اچھی گواہی دیں گے، جو لوگ تبلیغ میں چلے جاتے ہیں، بیچارے سال لگاتے ہیں، وہاں دھکے کھاتے ہیں، اپنے گماریاں کو چھوڑتے ہیں، زمین پر لیٹتے ہیں، بعض اوقات رہنے کے لئے ان کو مسجدیں مل جاتی ہیں، اور بعض اوقات مسجدیں بھی نہیں ملتیں۔

تبلیغی محنت کے اثرات:

میرے ایک دوست مجھ سے ملنے کے لئے آئے، وہ آگے کسی اور جماعت

میں جا رہے تھے، یہاں مسجد میں ان کو آتا ہی تھا، وہ میری گاڑی میں بیٹھ گئے، کہنے لگے کہ: ہمارا پہلا دورہ افریقہ میں ہوا تھا، وہاں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ کوئی اور چیز، ایک درخت کے نیچے ہم بیٹھ گئے اور بیٹھ کر فضائل اعمال کی تعلیم کرنے لگے، کتاب پڑھنے لگے، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ: تم پہلے مجھے مسلمان کرلو، پھر میں تمہیں اپنا ایک قصہ سناؤں گا۔

حالانکہ جماعت والوں کا اصول ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو دعوت نہیں دیتے، جماعتیں جب باہر جاتی ہیں تو اپنے مسلمان بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں، اس دعوت کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ غیر مسلموں کے دل میں بھی اسلام کی عظمت ڈال دیتے ہیں۔

ایک پادری کے اسلام لانے کا عجیب قصہ:

خیر جماعت والوں نے انہیں مسلمان کر لیا اور اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی اس کو بھی مسلمان کیا، تو وہ آدمی کہنے لگا کہ: میرا قصہ یہ ہے کہ میں یہاں گرجے کا پادری ہوں، یہ عیسائیوں کا ملک ہے، چند دن ہوئے کہ میں نے تم لوگوں کو خواب میں اسی درخت کے نیچے دیکھا، تمہارا ڈیرا لگا ہوا ہے اور یہی کتاب پڑھ رہے ہو، اس وقت سے میرے دل میں اسلام گھر کر گیا تھا، میں نے کہا کہ: میں ان لوگوں سے کیسے مل سکوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تم لوگوں کو بھیج دیا، میں بھی مسلمان ہوتا ہوں اور یہ میری بیوی بھی مسلمان ہوتی ہے، کچے بچے مسلمان ہو گئے۔ وہ ساتھی کہتا ہے کہ جماعت کا اصول یہ ہے کہ باہر غیر ملک جب جائیں اگر غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو اس کو جماعت کے ساتھ چلاتا پڑتا ہے، ان سے وقت میا جاتا ہے، ورنہ تو مسلمان کرنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ تو میں نے کہا کہ: بھائی! تمہیں جماعت میں کچھ وقت دینا پڑے گا، وہ صاحب کہنے لگے کہ: بھائی! جتنا وقت کہو، اتنا ہی وقت دیں گے۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ وقت لگایا اور دعوت کے کام کو اتنی جلدی

سیکھ گیا کہ اچھے اچھے مشاق، کچھ دار لوگ بھی ایسی دعوت نہیں دیتے تھے، جس طرح وہ دعوت دیتا تھا۔ تو یہ قصہ مجھے اس پر یاد آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کے لئے مشرق و مغرب کے کمرے قیامت کے دن گواہی دیں گے، یہ لوگ قیامت کے دن انھیں گے تو زمین کے یہ کمرے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں گے۔

نمازی، بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آہی نواز میں ہوتا ہے تو بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، ہم تو تھکنی بجاتے ہیں، بجلی کا دور ہے دن! پرانے زمانے میں دروازہ کھٹکھٹاتے تھے، تو وہ نمازی بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، یہ بادشاہ ایسا بے رحم نہیں ہے کہ اس کے لئے دروازہ نہ کھولے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔ بشرطیکہ غلام کے ساتھ اور محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دروازہ کھٹکھٹائے۔

نمازوں کے بعد اپنی ضرورت کی دعا مانگو:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

”اِنْجَلُوا خَوَابِجُكُمْ عَلٰی الْمَكْنُوْبَةِ“

(کنز العمال ۵: ۳۰۷، حدیث ۵۱۶۴۳)

اپنی ضرورتوں کو اپنی نمازوں پر افکار کھو! جو ضرورت تمہیں پیش آئے فرض نماز پڑھنے کے بعد وہ ضرورت مانگو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔ جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگی ہو تو نماز حجت پڑھو، نماز حجت پڑھ کر خوب غور کرو، کسی کام کو کرنے کے لئے دوسرے اسباب کو اختیار کرنا ممنوع نہیں ہے، لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے ہو، اس سے مانگنا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ

کی ذات عالی کے سوا کوئی نبی یا دئی، کوئی آسمان والا یا زمین والا، دینے والا نہیں، وہی ایک دینے والا ہے، وہی ایک حاجت پوری کرنے والا ہے۔

مشکل کش صرف اللہ ہے!

ہمارے حضرت ااکرم عبدالحی عاصب عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، کوئی مصیبت پہنچی تو کہو: لا الہ الا اللہ۔ کیونکہ اس تکلیف کو پہنچانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور دوبارہ پھر کہو لا الہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو ہٹانے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔

تو حضرت عیداد بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جان، اپنی ضروریات کو نماز پر اٹھ رکھو۔ نماز کا وقت آئے، نماز پڑھو اور نماز پڑھ کر جو مانگ رہے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنی چیزیں، اپنی حاجتیں، اپنی ضرورتیں مانگ کر رکھا کرو کہ آج نماز میں یہ چیز مانگی ہے۔ حضرت عیداد بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایک نماز دوسری نماز کے لئے سزاوار ہے، یعنی ایک نماز سے ملے کر دوسری نماز کے درمیان میں جتنے عمن ہوئے یہ نماز بن سب کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

نماز سے گناہ جھڑکتے ہیں:

مصنف عبدالرزاق میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

”إِنِّي لَأُحِبُّهُ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَحَفَّتْ لِحْيَتَاهُ

عَنِّي وَأُحِبُّهُ فَلَا يَفْرُغُ مِنْ صَلَاتِهِ حَتَّى تَنْفَرُقَ عَنْهُ كَمَا

تَنْفَرُقُ عَذْرَاؤُكَ إِذَا حُلِبْتَ لَسَابِقُ يَمِينًا وَبِشْمَالًا“

(کنز العمال ج ۹ حدیث ۴۴۰۰۰)

یعنی جب اللہ نماز سے اٹھتا ہوتا ہے، اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کے

ساتھ کھڑا ہو گیا تو اس کی تمام غلطیاں اور تمام گناہ سر کے اوپر آ جاتے ہیں، اور سب

نماز میں سجدے کے لئے جاتا ہے تو ترم گناہ اس طرح جہز جاتے ہیں جس طرح کہ شاخ سے پھل گر جاتا ہے، یہ نماز تو بہ ہے، کوئی گناہ ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز تو بہ کی نیت کرو اور نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگو۔

مؤمن کو تو یہ کئے بغیر سکون نہیں ملتا:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"إِنَّ السُّؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَمَا تَرَى أَضِلَّ جَبَلٌ
يَخَافُ أَنْ يَنْفَعَهُ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَمَا تَرَى
عَلَى آتِقَةٍ" (ترمذی ج: ۲ ص ۳۷)

یعنی مؤمن بندے سے اگر غلطی یا گناہ ہو جائے تو اس پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کے نیچے آگیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کر لے اور اپنے قصور کی معافی نہ مانگ لے اور اس کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہو گا، کسی طریقہ سے بھی اس کو چین نہیں آتا۔ اور فرمایا کہ: منافق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ناک پر کبھی بیٹھی تھی وہ اُڑادی، فرق کیا پڑا؟

مؤمن کا گناہوں سے پریشان ہونا اور تو بہ کرنا

ایمان کی علامت ہے:

کسی مؤمن کا اپنے گناہوں کو یاد کر کے پریشان ہونا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا یہ علامت ہے ایمان کی۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس کی غلطیاں سر پر جمع ہو جاتی ہیں، جیسے کہ درخت کے پتے جہز جاتے ہیں۔

رات کی تاریکی سے نفع و نقصان اٹھانے والے:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ سَلْمَانَ
بَنِي نَضْلٍ أَجْبِهَادَهُ، فَقَامَ يُصَلِّيُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَكَلَّمَهُ لَمْ يَرِ
الِدَيْهِ كَانَ يَطْلُبُ، فَنُذِرُهُ ذَالِكَ، فَقَالَ سَلْمَانُ: خَافُوا
عَلَى الصَّلَاةِ الْخَنَسِ! فَبَاتُوا تَكْفَارَاتٍ لِهَذِهِ
الْجَوَارِحِ مَا لَمْ يَصِيبِ الْمَقْلَّةُ إِذَا أَمْسَى النَّاسُ كَانُوا
عَلَى ثَلَاثِ مَنَازِلَ. فَبَيْنَهُمْ مَنْ لَمْ يَلَا عَلَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ
عَلَيْهِ وَلَا لَهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَا لَهُ وَلَا عَلَيْهِ، فَرَجُلٌ اغْتَنَمَ ظِلْمَةَ
اللَّيْلِ وَغَفْلَةَ النَّاسِ فَقَامَ يُصَلِّيُ حَتَّى أَصْبَحَ فَذَلِكَ لَهُ
وَلَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ اغْتَنَمَ غَفْلَةَ النَّاسِ وَظِلْمَةَ اللَّيْلِ فَرَكِبَ
وَأَسْأَهُ فِي الْمَخَاصِي فَذَلِكَ عَلَيْهِ وَلَا لَهُ، وَرَجُلٌ صَلَّى
الْبُحْثَاءَ وَقَامَ فَذَلِكَ لَا لَهُ وَلَا عَلَيْهِ، فَبَيِّنَاكَ وَالْخَفِيفَةَ
وَعَلَيْكَ بِالْقَصْدِ وَذَاوِمًا“ (کنز العمال ج ۸۰ حدیث: ۲۱۶۳۶)

یعنی طارق بن شہاب رحمہ اللہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: میں
ایک دن قصد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا، میرا مقصد یہ تھا کہ ان کی
رات کی عبادت کو دیکھوں، عشا کی نماز پڑھی اور سو گئے اور ایسے سوئے کہ اٹھے ہی
نہیں۔ رات کا آخری حصہ جب باقی رہ گیا تو اٹھے اور آٹھ کریمج صادق ہونے تک تہجد
کی نماز پڑھی، میرا خیال تھا کہ یہ تو بہت عبادت کرنے والے بندے ہوں گے۔
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس خطرے کو محسوس کر گئے اور فرمایا: پانچ نمازوں کی
پابندی کرلو اور اس کے بعد یہ جو رات آتی ہے ماں! یہ تمہیں قسم کے آدمیوں کے لئے

آتی ہے، بعض آدمی وہ ہیں کہ رات ان کے لئے ہے، ان پر وہاں نہیں لوگوں کے سکون کو لوگوں کے آرام کو رات کے اندھیرے کو اور رات کی تاریکی کو غصہ سمجھتے ہیں کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ہے، مالک کے دروازے کو کھٹکھٹانے کا وقت ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ رات ان کے لئے وہاں ہے، ان کے لئے نفع نہیں ہے، اس لئے کہ رات کا وقت اوتا ہے لوگ اپنے ٹھکانے پر جاتے ہیں، سکون ہو جاتا ہے، رات چھا جاتی ہے تو ان کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا، ڈاکے ڈالنے کے لئے بہت اچھا وقت ہے، چوری کرنے کے لئے، کسی کا گھر لوٹنے کے لئے، بہت اچھا وقت ہے، یہ وہ دن ہیں کہ رات ان کے لئے وہاں ہے، رحمت نہیں ہے۔ اور تیسرے قسم کے آدمی وہ ہیں جن کے لئے رات نہ وہاں ہے نہ رحمت، سو گئے صبح ہو گئی اللہ! اللہ! خیر صبر! رات صرف سونے کے لئے ہے اور کسی چیز کے لئے ہے یا پھر آج کل لی وی دیکھنے کے لئے ہے، یا پھر ریڈیو پر خبریں وغیرہ سننے کے لئے ہے، یا پھر لوگوں کی باتیں کرنے کے لئے، رات آدمی گزرتی ہم سو گئے اور پھر ایسے سونے کے صبح کو اٹکے نہیں کھلی۔

رات کمائی کا وقت ہے!

بہت سارے دوست شکایت کرتے ہیں کہ جی صبح فجر کی نماز کے لئے اٹکھ نہیں کھلتی، سورج نکل آتا ہے، نماز قضا ہو جاتی ہے، کیوں نہ قضا ہو؟ اس لئے کہ ہمارے نزدیک رات کمائی کا وقت ہی نہیں ہے، کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جن کے لئے رات کمائی کا وقت ہے۔ معنف عبدالرزاق نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو ٹٹا ہوں کے ساتھ جانا شروع کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ نماز کا وقت آ جاتا ہے تو ہم نماز پڑھ کر اس آگ کو بجھ دیتے ہیں، ٹھنڈا کر دیتے ہیں، پھر اگلا معاملہ شروع ہو جاتا ہے۔

نماز اور اے شکر کا ذریعہ:

ایک حدیث میں ہے:

"عَنْ غَابِشَةَ وَصِيَّيَ اللَّهِ عَنْهَا قَالَتْ: ثَلَاثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَقْطُرَ قَدَمَاهُ، فَقُلْتُ لَهُ: لِمَ تَصْنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ؟..... قَالَ: أَفَلَا أَتُكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟" (بخاری و مسلم)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور شاہ فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: رسول اللہ! آپ اتنی محنت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے؟ آپ تجھے بخشائے ہیں، اس کے باوجود بھی اتنی محنت اٹھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ جی ہاں اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا، یہ احسان فرمایا کہ نہ صرف میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے، بلکہ امت کے لئے بھی شفقت قبول فرمائی تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز و روزہ کی کیفیت:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول

ہے کہ:

"السَّبِيلُ آتَسْلُبُ بْنُ مَالِكٍ وَصِيَّيَ اللَّهِ عَنْهُ عَنْ حُلْوَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: مَا كُنَّا نَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ أَنْ تَرَاهُ مُضَلِّبًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ وَمَا كُنَّا نَرَاهُ أَنْ تَرَاهُ نَائِمًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ، وَكَانَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى يَقُولَ: لَا يَفْطُرُ مِنْهُ شَيْءٌ، وَيَفْطُرُ حَتَّى يَقُولَ: لَا يَصُومُ مِنْهُ

مُشَبَّہٗا۔

(صحیح بخاری ج: ۱ ص: ۲۶۴)

یہ عجیب بات تھی کہ جب ہم چاہتے آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوں، دیکھ سکتے تھے اور جب ہم چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹا ہوا دیکھ سکتے تھے، جب چاہتے آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں دیکھ سکتے تھے اور جب چاہتے آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افطار کے وقت دیکھ سکتے تھے۔

ایک آیت کی تلاوت پر پوری رات قیام:

نَسَآنُ اور ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک آیت پر پوری رات گزار دی،

”عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً حَتَّى أَصْبَحَ بِآيَةِ وَالْآيَةِ: إِنَّ نِعْمَةَ رَبِّهِمْ فَإِنَّهُمْ عَبْدُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْمُغْفِرُ وَالْحَكِيمُ۔“
(مشکوٰۃ ص: ۱۰۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اور صرف یہ آیت پڑھتے رہے کہ اے آپ ان کو بخش دیں تو آپ کے بندے ہیں، اور اے آپ عذاب دینا چاہتے ہیں تو آپ عزیز و حکیم بھی ہیں۔“

پوری رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روتے رہے اور یہ آیت شریفہ پڑھتے رہے۔

تکلیف کے باوجود آپ کا تہجد میں لمبی سورتوں کا پڑھنا:

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے کہا کہ: یا رسول اللہ!

آپ کو تکلیف بہت زیادہ ہے، طبیعت بوجھل ہے، ارشاد فرمایا: اس کے باوجود میں نے تہجد میں سات لمبا سورتیں پڑھی ہیں، قرآن کریم کی ان سات طویل سورتوں میں سے صرف سورۃ البقرۃ ہی ڈھائی پارے کی ہے، اس کے باوجود میں نے سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ حَذِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ الْبَقْرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ جُنْدَ الْمَانَةِ، قَالَ: قُمْ مَعِيَ، فَقُلْتُ: يُصَلِّي بِهَا لِي وَرَعْمَةً، فَمَضَى فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ انْتَحَى التَّيْسَاءَ فَقَرَأَهَا ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا، يَتْرُكُ مَثَرِيسَلًا، وَإِذَا مَرُّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ نَسِخَ، وَإِذَا مَرُّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرُّ بِسُجُودٍ تَعَوَّدَ، ثُمَّ رَكَعَ فَيَجْعَلُ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، ثُمَّ قَالَ: سَبَّحَ اللَّهُ لِمَنْ حَسَنَهُ، ثُمَّ قَامَ طَوِيلًا قَرَيْنًا مِمَّا رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، فَكَانَ سُجُودُهُ قَرَيْنًا مِنْ قِيَامِهِ.“

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۹۴)

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مسم شریف میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مجھے کیا سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمرے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے بھی آپ کے پیچھے نیت باندھ لی، نیت باندھ تولی مگر پچھتا یا بہت، سورۃ بقرہ شروع کر دی، میں نے کہا کہ سو تہجیں پڑھ کر رکوع کر دیں گے، لیکن آپ پڑھتے رہے، میں نے کہا کہ: سورۃ بقرہ ایک رکعت میں پڑھ میں گئے، (لیکن پھر آپ پڑھتے رہے، سورۃ آل عمران بھی پڑھی اور سورۃ نسا بھی پڑھی اور پڑھی بھی اس طرح نہیں جس طرح رمضان میں حافظ پڑھتے ہیں، بلکہ) جہاں پناہ مانگنے کی آیت آتی، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں

کوئی رحمت کی آیت آئی، آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے، یعنی آرام سے سوچ سوچ کر اور ہر آیت کا حق ادا کرتے ہوئے ایک ہی رکعت میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نسا پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد میں نے کہا: حضرت! آج تو میں بھی پھنس گیا، اب نہ نماز توڑ سکتا ہوں اور نہ چل سکتا ہوں، میری کمراتی دکھنے لگی کہ میں سیدھا نہیں ہو سکتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پیچھے کھڑے ہو تو میں نماز کو مختصر کر لیتا۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری آنکھوں کی خشک نماز میں ہے۔

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا ذَكَرَتْ لَهَا أَنَّ نَاسًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ فِي اللَّيْلَةِ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، فَقَالَتْ: أَوَلَيْسَ بِكُمْ قِرَاءَةٌ وَأَنْتُمْ يَقْرَءُونَ! كُنْتُ أَقُومُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْاِسْتِغَاثَةِ فَكَانَ يَقْرَأُ بِالْقُرْآنَةِ وَالْاِسْتِغَاثَةِ وَالْاِسْتِغَاثَةِ، فَلَا يَمُرُّ بِآيَةٍ فِيهَا تَخْوِيفٌ إِلَّا دَعَا اللَّهَ وَرَغِبَ إِلَيْهِ.“

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۳)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہی نے کہا کہ: سنا ہے کچھ لوگ ایک رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے ہیں، اور بعض دو دفعہ ختم کر لیتے ہیں؟ فرمایا: انہوں نے پڑھا بھی اور نہیں بھی پڑھا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھی، پوری رات قیام فرماتے تھے سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نسا اکٹھی پڑھتے تھے، جس آیت میں تخویف ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ

سے دعا کرتے، جہاں کوئی ایسی بات ہوتی اللہ تعالیٰ سے پناہ
 مانگتے، جہاں کوئی خوشخبری کی آیت ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا
 کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رغبت کرتے۔“

مرض الوفا میں آپ کی نماز کا حال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضوں کا یہ تو صحت میں حال تھا، مرض
 الوفا میں یہ ہوا کہ بار بار غشی آتی تھی، اس کے بعد ہوش آتا تو آپ سوال کرتے
 لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا جاتا: نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کے انتظار میں
 بیٹھے ہیں۔ پھر غشی ہو جاتی پھر ہوش آتا تو پوچھتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ کئی بار
 اس طرح ہوا تو ارشاد فرمایا کہ: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے! حضرت عائشہ
 رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے دل میں یہ خیال آیا کہ لوگ اس کو نحوست پر محمول
 کریں گے، تمونہ باللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے تو یہ منحوس آگیا، مجھے یہ
 خیال ہوتا تھا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! ابوبکر کفر و آدنی ہے، روز بھی ان کو بہت آتا
 ہے، جب ان کو یہ خیال آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھانے آئے
 تو ان سے برداشت نہیں ہو سکے گا، آپ کسی اور کو فرما دیجئے وہ نماز پڑھائے۔ آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّكُنَّ لَا تَفْقَهُنَّ حَسْبُكَ يٰوَسْفُ!“ (بخاری ج: ۱
 ص: ۹۹) تم یوسف کی سہیلیاں معلوم ہوتی ہو، وہ عورتیں زمان مسمر زینکا کے پاس
 سفارش کرتی تھیں، لیکن ہر ایک کے دل میں اپنا اپنا مطلب تھا، ابوبکر کو کہو کہ نماز
 پڑھائے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام پہنچایا گیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی زندگی میں سترہ روزیں پڑھائی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ
 دردِ اذہ پاس تھا، لیکن تشریف نہیں لاسکتے تھے، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
 کچھ چیخت میں ہلکا پن محسوس ہوا تو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آپ مسجد میں

تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں لکیریں کھینچتے ہوئے جا رہے تھے، زمین پر پاؤں نہیں رکھ سکتے تھے، ان دونوں صاحبوں کو فرمایا کہ: مجھے بوکر کے برابر میں ملے دو!

اب ہم کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ یعنی اگر دو آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ امام بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے ناں! اس لئے فرمایا نہیں طرف مجھے بٹھاؤ۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ:

”.... يَفْتَدِي بِيُوْنُكِرٍ بِصَلَاةٍ رَّسُولٍ اِلَيْهِ صَلَّي

اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ بِيُوْنُكِرٍ“

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۹)

ترجمہ: ... ”یونکر اقتدا کر رہے تھے بوکر کی، (بوکر

اقتدا کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی)۔“

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بکثرت تھے اور جس جگہ ابو بکر کی قرأت کی آواز پہنچی تھی وہیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے سے شروع کر دی، یہیں سے فاتحہ خلف لازم کا سننا بھی مل جوتا، تو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نماز پڑھائی۔

”والا ایساں صاحبِ رحمت اللہ علیہ یحییٰ جماعت، انوں کی ایک نماز بھی اٹھا نہیں ہوئی، جماعت کے ساتھ، آپ کی چارپائی تو لا مسجد میں صف کے برابر میں رکھ دیا جاتا تھا اور اسی طرح لیٹے لیٹے آپ نماز پڑھتے تھے، پیچھے نہیں سکتے تھے، ایک بھی نماز جماعت کے ساتھ اٹھا نہیں ہوئی، ہمیں تھوڑا سا سر کا درد ہو جائے، تھوڑی سی تکلیف ہو جائے نماز کا نامہ ”اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا احترام نصیب فرمائے، آمین“

وَرَفَعُوا رُءُوسَهُمْ لِرَبِّهِمْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى رَسُوْلِكَ

نمازوں کے اوقات
اور
اس کی حکمتیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(الحمد لله رب العالمین) یعنی عبادہ، (الذکر) (مغنی)

"..... وَإِنَّ لِلصَّلَاةِ وَقْتًا إِشْرَاطُهُ اللَّهُ فَلَا تُضْلَحُ إِلَّا بِهِ فَوَقْتُ صَلَاةِ الْفَجْرِ حِينَ يُزَايِلُ النُّجُومُ نَيْلَهُ وَتَحْرُمُ عَلَى الصَّائِمِ طَعَامُهُ فَاتَوَضَّأَ خَطَمُهَا مِنَ الْقُرْآنِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ إِذَا كَانَ الْقَيْطُ فَيُحِينَ تَوْبِيعُ عَنِ الْفَلَكَ حَتَّى يَكُونَ بَيْنَكَ بَيْنَكَ مَعَ شُرُوطِ اللَّهِ فِي الرُّضْوَةِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَإِنَّ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ هَجَرُوا الشَّيْئَاتِ، وَيَقُولُ الْقَوْمُ جَاهِدْنَا، وَإِنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مُجَاهَدَةُ الْعَدُوِّ وَاجْتِنَابُ الْحَرَامِ. وَقَدْ يُقَاتِلُ الْقَوْمُ يُحِبُّونَ الْقِتَالَ لَا يُرِيدُونَ بِذَلِكَ الْأَجْرَ وَلَا الذِّكْرَ وَاللَّهُ الْقَتْلُ خُفَّ مِنَ الْخَوْفِ وَكُلُّ امْرِئٍ عَلَى مَا قَاتَلَ عَلَيْهِ." (تفسير ابن جرير ج ۱۰: ۱۴۰ حدیث ۴۴۴۴)

ترجمہ:..... اور بے شک نماز کے لئے وقت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے شرط قرار دیا ہے، جب نماز وقت کے بغیر ادا

نہیں ہوتی (بے وقت نماز ادا نہیں ہوتی)۔ فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے جب رات ختم ہو جاتی ہے اور جس وقت روزے دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، یعنی صبح صادق ہو جاتی ہے، اس عرصہ میں اس نماز کو اس کا حصہ قرآن سے دیا کرو، اور ظہر کی نماز کا وقت جب سورج ڈھل جائے، یہاں تک کہ میرے دائیں طرف آجائے۔ وضو، رکوع اور تہود میں اللہ کی شراک کی رعایت رکھتے ہوئے۔ اور بے شک مہاجر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کئی دنوں کو چھوڑ دیا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے جب دیکھا، حالانکہ جہدنی سبیل اللہ نام ہے دشمن کے مقابلہ میں مجاہدہ کرنے کا اور حرام سے بچنے کا! اور کچھ لوگ بڑی بہادری سے لڑتے ہیں، لیکن ان کا مقصود کوئی اجر وغیرہ نہیں ہوتا، اور قتل بھی موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور ہر آدمی کی بھی نیت ہوگی دیا بدنہ ملے گا۔“

فجر کے فرائض اور سنن کی تعداد:

یہ تو آپ حضرات کو معلوم ہے کہ نماز فجر کی سنت صرف دو ہی رکعتیں رہی گئی ہیں، اور الحلف کی بات یہ ہے کہ ان دو رکعت سنت کے علاوہ سورج نکلنے تک فرضوں سے پہلے بھی دو فرضوں کے بعد بھی کسی دوسری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، گویا صبح صادق سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ صبح صادق کے بعد فجر کی نماز تک دو رکعت فرض کے علاوہ صرف دو سنتیں پڑھنے کی اجازت ہے، نفل وغیرہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ ہاں! نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی قضا نمازیں

رہتی ہوں تو اس وقت ان کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے، لیکن لوگوں کے سامنے نہ پڑھے، اپنے گھر میں جا کر پڑھے۔

فجر کے فرائض و سنن میں اختصار کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے اوقات میں فرض نماز کی رکعتیں بھی زیادہ ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ نوافل کی بھی اجازت دی گئی ہے، سنتیں بھی ہیں، نفل پڑھنے کی بھی اجازت ہے، جتنے چاہے نفل پڑھو، جبکہ اس وقت صرف دو رکعتیں فرض اور اس سے پہلے صرف دو سنت پڑھنے کی اجازت ہے اور کچھ نہیں تو آخراً کیوں؟

جواب یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ فجر کی نماز کو کسا گیا جائے، جیسا کہ قرآن کریم نے فجر کی نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”وَالْقُرْآنُ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا“

(فی اسرائل: ۸۸)

ترجمہ: ”(اور پابندی کرو) فجر کے قرآن کی،

بے شک فجر کا قرآن پڑھا ایسا ہے کہ اس وقت فرشتوں کی

حاضری ہوتی ہے۔“

اس لئے فجر کی نماز لمبی پڑھنے کا حکم ہے۔

نماز میں کمزوروں کا لحاظ رکھا جائے:

لیکن اس بات کا لحاظ رہے کہ جماعت میں بعض کمزور ہوتے ہیں، بعض بزرگ ہوتے ہیں، ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اس لئے نماز لمبی بھی ذرا مناسب کی جائے، اتنی لمبی نہ کی جائے کہ لوگ بچا دے اکتا جائیں یا بیمار وغیرہ تک آجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”فَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَإِنَّ فِيهِمُ الْغَرِيضَ وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَإِنَّ فِيهِمُ ذَا الْحَاجَةِ، فَإِذَا صَلَّيْ أَمَحَدُكُمْ وَخَذَهُ فَلْيُضِلِّ كَيْفَ شَاءَ“

(مشکوٰۃ ص: ۱۱۰)

ترجمہ: ”تم میں سے جو شخص نام پڑھے اس کو چاہئے کہ نماز ذرا ہلکی پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں بڑے بڑے بھی ہوں گے، چھوٹے بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے اور ضرورت مند بھی ہوں گے (ان کو اپنی نماز کے بعد کسی کام سے جانے ہے) اور جب تم اپنی نماز پڑھو تو جتنی چاہو ہلکی کرو۔“

رواہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صحابی کو نصیحت فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ”وَأَقْسِدْ بِأَهْلِكَ فَبِهِمْ“ (مشکوٰۃ ص: ۶۵) ”تم جب امام بنو تو جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی اقتداء کرو۔“ یعنی ”اس کی اقتداء کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ گویا تم اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو اور وہ نماز پڑھا رہا ہے، یعنی جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی رعایت رکھتے ہو۔ اے نماز پڑھاؤ۔

ظہر اور عصر کا وقت؟

اس کے بعد ظہر کا وقت ذکر فرمایا کہ سورج جب ڈھل جائے اس وقت ظہر کی نماز پڑھو، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج اوپر ہو، خوب روشن ہو، ابھی دھوپ کی گویا ایک دھبے میں گرمی باقی ہو اور سورج غروب ہونے میں اتنا وقت باقی ہو کہ دھوپ دو فرسخ کا فاصلہ چل سکے یا اونٹ پر سوار ہو کر چھ میل کی مسافت طے کر سکے۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، عصر کی نماز پڑھ کر تقریباً ایک گھنٹہ میں یہ سفر ہو جائے گا۔

مغرب و عشا کا وقت؟

مغرب کی نماز پڑھو جوں ہی کہ سورج غروب ہو جائے اور عشا کی نماز پڑھو جبکہ رات کی تاریکی چھا جائے اور افق کی سرخی جاتی رہے۔ اس وقت سے لے کر تہائی رات کے اندر اندر تک نماز پڑھو۔

عشا سے پہلے سونا:

عشا کی نماز سے پہلے سوؤ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "لَمْ يَسُنَّ نَامٌ فَلَا فَاَمَتْ غَيْثُهُ" (مشکوٰۃ ص: ۶۰) (جو شخص اس (عشا کی نماز سے پہلے سو گیا، اللہ کرے) اس کی آنکھ نہ گئے، اللہ تعالیٰ اس کی ہتکھوں کو نہ ملائے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی کہ اللہ کرے اس کو سونا نصیب نہ ہو جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا۔

قبل از وقت اور بعد از وقت نماز:

یہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، اور اگر نماز کا وقت گزر گیا تو نماز قضا بھی جائے گی اور قضا پڑھنی پڑے گی۔

مجبوراً نماز کا وقت گزر جانے کی صورتیں؟

یہ بات بھی یاد رہے کہ وقت کا گزر جانا کبھی عذر کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اس کو یاد ہی نہیں رہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے اور کبھی آدمی کو کسی کام میں ایسی مشغولیت ہوتی ہے کہ اس کام سے ہٹ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر، مریض کا آپریشن کر رہا تھا، وہ آپریشن اتنا نیا ہو گیا کہ ڈاکٹر اس کو نہ درمیان میں چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ یا مثال کے طور پر مسلمان حالت جنگ میں ہیں اور کوئی شکل ایسی بھی نہیں

ہو سکتی کہ دو جماعتیں ہمارے صلوٰۃ الخوف پڑھ لی جائے، جس کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا۔

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزہٴ احراب میں چار نمازیں قضا ہوئی تھیں، وہ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد میں انھیں پڑھی تھیں، اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”خَبَرُونَا عَنْ صَلَوةِ الْوَسْطَى صَلَوةِ الْغَضَبِ،

فَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَسْتَعِينُهُمْ وَقِيلُوا لَهُمْ نَارًا“ (مشکوٰۃ ص ۶۳)

ترجمہ: ... اللہ تعالیٰ ان کے گمراہوں اور قیروں کو

آگ سے بھرے، انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز

سے مشغول کر دیا، ہمیں نماز بھی نہیں پڑھنے دی۔“

تو اگر خدا نخواستہ کوئی ایسا قدر چیش آجائے کہ آدمی نماز پڑھنے پر قادر ہی نہ ہو تو بعد میں قصہ کرے اور اگر جان بوجھ کر وقت گزاریا نماز نہیں پڑھی یا کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی، بلکہ نعلی دکان پر چمک رہے تھے، جبکہ ان کو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ بھائی نماز کا وقت ہو گیا، چلو نماز پڑھیں، فی الحال دکانداری ختم: تو یہ بات کہہ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود نماز چھوڑ دی۔ تو دکان پر ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا چھوڑ دینا کوئی مجبوری نہیں ہے۔

یلا عذر تارک نماز کا ختم

اگر کوئی آدمی بغیر عذر کے نماز چھوڑے، ہے تو اس کا ختم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص جو نہ بوجھ کر ایک نماز قضا کرنے سے مرتد ہو گیا، یہ حضرت سید ابن حجر کے امام کا فتویٰ ہے، جن کی دکان گیارہویں دیتے ہیں: نوکوں کا بھی عجب حال ہے، نماز تو پڑھتے نہیں لیکن گیارہویں دیتے ہیں، یہ ان کے امام کا

فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ نہ یہ آدمی توبہ کر سکتا ہے اور نہ ہی قضا کرنے سے اس کا گناہ اتر سکتا ہے، اتنا سنگین فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے نماز چھوڑنے والا مرتد ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”مَنْ فَرَكَ الصَّلَاةَ مِنْغِبَةً أَفْضَلَ فَفَذْ خَطْرًا“ (طہرانی بحوالہ ائحاف ج: ۳ ص: ۱۰) (جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دیا، وہ کافر ہو گیا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو کافر تو نہیں کہیں گے لیکن وہ واجب القتل ہے، ہذا اس کو قتل کیا جائے گا۔

شرح منہب میں امام نبوی مائتہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ہمارے دور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ بھی تارکب صلوة کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور ہم بھی، لیکن ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے بطور سزا قتل کا حکم دیتے ہیں، اور امام احمدؒ اس کو مرتد سمجھتے ہوئے واجب القتل قرار دیتے ہیں، اس لئے اس کو قتل کرنے کے بعد ہمارے نزدیک اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ہمارے نزدیک اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

جان بوجھ کر نماز قضا کر دینا شریعت کی نظر میں بہت سنگین جرم ہے، لیکن افسوس! کہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت ہی نہیں، اچھے خاصے نمازیوں کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی معمولی سا کام پیش آگیا تو نماز چھوڑ دی اور سفر کی حالت میں تو شاید ہم پر ویسے بھی نماز معاف ہو جاتی ہے، اور عذر یہ تراشتے ہیں کہ جی یہاں جگہ کہاں ہے؟ یہاں ریل گاڑی میں کیسے نماز پڑھیں؟ یا اگر بس میں سفر کر رہے ہیں تو ہمارے پاس یہ بھانہ ہوتا ہے کہ بس والا گاڑی کھڑی نہیں کرتا، ہم کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ کہنا حال بتاتا ہوں۔

سفر کے دوران نمازوں کا اہتمام:

میں نے سالہا سال تک ریل کا اور بس کا سفر کیا، میرا ہمیشہ کا معمول تھا کہ ریل میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ اور اگر بس کا سفر ہوتا تو بس والے سے کہہ دیتا تھا کہ تیار رہیں، سفر کرنے کی میری یہ شرط ہوئی کہ بس کو فلاں جگہ پر جا کر روکو گے اور اگر نہیں روکنے تو کھٹ ہی نہیں لیتا، یا اگر بس پر سوار ہوتا اور نماز کا وقت ہو جاتا تو اس بس سے اتر جاتا اور بس والوں سے کہہ دیتا تھا کہ تم بس لے کر جانا نہ سہے ہو تو پلے جاؤ!

ریل میں باجماعت نماز کے اہتمام کی برکت:

میرے بھائی تھے مولانا سیماں حادق صاحب، یہاں بھی انہوں نے ایک بار تقریر کی تھی، اب تو ان کا انتقال ہو گیا۔ ایک دفعہ انہوں نے میرے ساتھ ریل کا سفر کیا، میں نے ریل گاڑی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، کئی سال کے بعد وہ مجھے کہنے لگے کہ اس دن آپ کے ساتھ جو ریل گاڑی میں نماز پڑھانت پڑھی، اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میری نماز خفا نہیں ہوئی، ورنہ میں ریل گاڑی میں نماز باجماعت تو دور کی بات ہے، سرے سے ریل گاڑی کی وجہ سے نماز بھی چھوڑ دیتا تھا، اور بعد میں خفا کر لیتا تھا۔ مولانا صاحب واعظ قوم تھے، بڑے اچھے مقرر تھے، لیکن سفر میں نماز کی اہمیت ہی نہیں ہے۔

سفر میں تمام ضرورتوں کا اہتمام ہے، نماز کا نہیں:

سفر میں کھانے کا اہتمام ہے، پینے کا اہتمام ہے، سردی گرمی سے بچنے کا اہتمام ہے اور انسانی خواجہ و ضروریات کا اہتمام ہے، بچے ساتھ ہوں تو ان کے لئے دودھ کا اہتمام ہے، اگر اہتمام نہیں ہے تو صرف نماز کا نہیں ہے، ہمارے ذہن میں نماز کی اتنی بھی قیمت نہیں رہتی اور پانی کی قیمت ہوتی ہے، اور عذر یہ کرتے ہیں

کہ صاحب نماز کیسے پڑھیں؟ اتنی تو بھیڑ ہے اور جگہ بھی گندی ہے۔ یہ تو مردوں کا حال ہے، اور عورتوں کا حال یہ ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ گھر میں بیٹھی ہوئی لوگوں کی غیبتیں کرتی کرتی نماز قضا کر لیتی ہیں، کوئی نیک بخت خاتون ہوگی جو وقت پر نماز پڑھتی ہوگی، ورنہ عموماً قضا کر کے نماز پڑھتی ہیں، اور بطور خاص عصر کی نماز اس وقت پڑھیں گی جبکہ سورج پیل ہو جائے گا اور فجر کی نماز اس وقت پڑھیں گی جب سورج طلوع ہو رہا ہوگا، لا تمہاروا زینہ ولا صوفا!

جماعت کی برکت کا قصہ:

میں آپ کو ایک قصہ سنانا ہوں، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر تھے، ان کی تفسیر ”معارف القرآن“ بھی ہے، بخاری شریف کی بھی شرح لکھ رہے تھے، بیضاوی شریف کی بھی شرح لکھی، بہت بڑے فاضل تھے، ان کی تقریر سن کر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی دوبارہ پیدا ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا علم عطا فرمایا تھا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا فخر محمد صاحب قدس سرہ ان کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ رجاء آخرت میں سے ہیں، ان کو دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ مظاہر العلوم میں غالباً مقامات حریری پڑھتے تھے، بعد میں انہوں نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی تھی، تو ایک دن استاذ نے سبق کے وقت کسی کام سے بھیج دیا، آنے میں دیر ہوگئی، اب یہ بیٹھ کر رونے لگے، استاذ نے شفقت کے طور پر ان سے فرمایا کہ: بھئی! سبق میں نے پڑھا ہے، میں پورا سبق دوبارہ پڑھا دوں گا، آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، استاذ سے کہنے لگے: حضرت! بات سبق کی نہیں، وہ تو میں خود بھی مطالعہ کر کے نکال لوں گا، مگر مجھے جس چیز کا غم ہے وہ یہ بات ہے کہ درس کے وقت جو جماعت بیٹھی ہوئی پڑھ رہی تھی اس پر جو برکت نازل ہو رہی تھی اس برکت کو میں دوبارہ کیسے حاصل کروں گا؟ درس کے وقت

جو جماعت پڑھ رہی تھی اور ان پر حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے جو ایک خاص سکینٹ نازل ہو رہی تھی وہ میں اب کیسے حاصل کروں گا؟ اس پر مجھے رونا آ رہا ہے۔ یہ تھے ہمارے اکابر جن کی برکت سے یہ دین ہمیں ملا ہے۔

ایک بزرگ کی نماز قضا ہونے کا قصہ:

ایک بزرگ کی نماز باجماعت قضا ہو گئی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ
وَعِشْرِينَ ذَرْجَةً." (مشکوٰۃ ص: ۹۵)

ترجمہ: "جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے

سے ستائیس گنا بڑھ جاتا ہے۔"

یعنی جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا ملتا ہے۔ تو اس بزرگ نے اپنے نفس سے کہا کہ اب تجھ سے ستائیس مرتبہ نماز پڑھاؤں گا۔ مثال کے طور پر اگر چار رکعت کی نماز تھی تو ستائیس مرتبہ چار رکعتیں پڑھاؤں گا، فرض تو ایک ہی ہو گا باقی تجھ پر نفل جرمانہ کروں گا۔ چنانچہ اس بزرگ نے ایسا ہی کیا، ستائیس مرتبہ نماز پڑھ چکے تو غیب سے آواز آئی کہ تم نے بڑی محنت کر لی، تمہیں جماعت کی نماز کا ثواب تو عطا فرمادیں گے لیکن جب امام نے کہا تھا: "ولا الضالین" اور پیچھے متقدمین نے کہا تھا: آمین! اور اس آمین کہنے میں فرشتے بھی شامل تھے، ان فرشتوں کی دعا کو کہاں سے لاؤ گے؟ نماز کو اس کے وقت پر پڑھو اور جماعت کے ساتھ پڑھنا یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے!

اول وقت میں نماز کی فضیلت:

حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

”أَتَى الْأَعْمَلِيَّ فَقَضَى؟ قَالَ: الصَّلَاةُ لَاؤَلَّ

(مشکوٰۃ ص ۶۱)

وَقَبِيهَا“

ترجمہ: ”سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اول وقت پر نماز پڑھنا! اور

ایک روایت میں ہے کہ: وقت پر نماز پڑھنا!“

باجاماعت نماز پڑھنے کا راز:

اس حدیث کے پیش نظر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت پر پڑھنا چاہئے۔ ہم نے کہا کہ: حضرت! اول وقت سے مراد مستحب وقت ہے، مستحب وقت کے اول میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کا راز یہ ہے کہ یہ جو اوقات ”مخجگانہ“ ہیں، ان اوقات میں حق تعالیٰ شانہ کی خاص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے خاص عنایات ہوتی ہیں اور ان اوقات ”مخجگانہ“ میں جو نمازیں فرض کی گئی ہیں وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آئے ہیں کہ آؤ عنایت اور رحمت الہی کا شکر تحسین کیا جا رہا ہے تم بھی اپنا حصہ لے لو، لیکن تم نماز باجماعت کے لئے نہیں گئے جس کی وجہ سے ان عنایات اور رحمت الہی سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری چار رکعت کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے بلوا رہے تھے، تم نے وہ وقت ہی ضائع کر دیا۔ اس لئے نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فکر کرنی چاہئے، اس کا اہتمام ہونا چاہئے، سفر میں بھی اس کو معمولی چیز نہ سمجھو۔

حضرت داؤد کے ہاں عبادت کی اہمیت:

یوں تو ہر نبی اللہ کا مقدر و برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، مگر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں آتا ہے کہ وہ بہت نیک آدمی تھے، آئینہ مگر تھے، یعنی لوہے کا کام

کرتے تھے اور لوہار تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ لوہا گرم کیا ہوا ہے اور ہتھوڑا سر کے اوپر اٹھایا ہوا ہے، ادھر اللہ اکبر کی آواز آئی وہیں ہتھوڑا جھوڑ دیا، یعنی ہتھوڑا سر پر اٹھایا ہوا ہے، لیکن لوہے پر نہیں نہریں گے، نیچے رکھ دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو ان چیزوں کی قیمت معلوم تھی، ان چیزوں کی عظمت ان کے دل میں تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ عظمت نصیب فرمائے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ نمازوں کے اوقات ذکر فرمائے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ شہادہ کا ارشاد ہے:

”إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا.“
(النساء ۱۰۳)

ترجمہ: ”بے شک نماز اہل ایمان پر لکھی ہوئی ہے

وقت پر۔“

یعنی ایک تو ان پر یہ بات لکھ دی گئی کہ یہ کام ان کو لازماً کرنا ہے اور دوسرے یہ نہیں کہ وقت بے وقت جیسے چاہیں بڑھ لیں، بلکہ نہ مل خاص اوقات میں یہ نماز ادا کرنی ہے۔

نمازوں کے اوقات کی حکمتیں:

پورا کابرا امت نے ان اوقات کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ فلاں وقت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص مزید ہوئی تھی، اس عنایت میں سے اپنے بندوں کو رحمہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی نماز فرض کر دی، فلاں وقت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان فتم ہونے کے بعد جودی پہاڑ پر اُٹھی تھی، پچھلے کشتی پانی پر تیرتی رہی اس وقت نوحؑ کے رستے زمین پر کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی، نہ وہی پہاڑ پر کشتی جب زلزلے کی

حضرت نوح علیہ السلام نے بطور شکرانہ نماز پڑھی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَبَارِكَا فُضُفَا
وَبِغِيضِ الْمَاءِ وَالْبُحْرِ وَالْمَسَاوِي وَالْمُجْرِي
.....“ (ہود ۴۳)

ترجمہ .. ”اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی، اور
اے آسمان! اتر جا، اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی
ٹھہری جودی پہاڑ پر۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا، وہ پانی نگل گئی اور کشتی
جودی پہاڑ پر جا کر ٹک گئی تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے رفقاء کے ساتھ حق تعالیٰ
شانہ کی جو عنایت و رحمت ہوئی اس میں سے حصہ دیتے کے لئے فداں وقت کی نماز
مقرر کی گئی، اسی طرح اور بھی: کاذب نے بہت سی حکمتیں ذکر کی ہیں، مگر ہم سے وہ اونچی
جیزیں ہیں۔

مہاجر کے معنی:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: آدمی کہتا ہے کہ میں نے ہجرت کی ہے، میں
بھی ہجرت کر کے آیا ہوں، حالانکہ اس نے ہجرت نہیں کی، کیونکہ مہاجرین تو وہ ہیں
جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔ ”فان المهاجرين الذين هاجروا السينات“
جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔

ہجرت کی وجوہ اور ان کا حکم:

بھائی! مہاجر کے معنی ترک وطن کے ہیں، وطن کو چھوڑ دینا، اور وطن کو چھوڑنا
کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ بعض لوگ امریکہ جا کر وہاں کی شہریت حاصل کر لیتے ہیں،
کیوں جاتے ہیں؟ صرف اس لئے تاکہ وہاں کھانے پینے کو ملتا ہے! امریکہ کا گرین

کارڈ لوگوں کے نزدیک ایسا ہے گویا جنت کا ٹکٹ مل گیا ہو! یا شاید جنت کا ٹکٹ بھی ان کے نزدیک اتنا قیمتی نہ ہو، یہ لوگ ہجرت کر کے چلے گئے، امریکہ چلے گئے یا کسی اور ملک چلے گئے اور وہاں کی شہریت حاصل کر لی، پاسپورٹ بھی وہاں کا بن گیا، اور ترک وطن کبھی تو کمری کے لئے ہوتا ہے، کبھی تمہارت کے لئے ہوتا ہے اور کبھی دوسرے مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کا مفہوم:

پہلے زمانے میں کبھی کبھی ترک وطن عشق کے لئے ہوتا تھا، اب تو عشق کو لوگ جانتے ہی نہیں ہیں، بدحاشی کا نام ”عشق“ کر دکھا ہے، اور ابھی کبھی ترک وطن ہوتا ہے دین کی خاطر! ہندوستان پر جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو بہت سارے لوگ ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ چلے گئے، اور ویسے بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، لیکن اب حکومتوں کی پابندیاں ہیں، حالانکہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں موت آئے۔ تو شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا، یہ مہاجر ہے۔

مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دین پر عمل نہیں کرنے دیا جا رہا تھا، مسلمانوں کو حکم تھا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آ جائیں، صحابہ کرام حبشہ کی طرف بھی دوسری جگہ گئے تھے۔

ہجرت کتنا بڑا عمل ہے؟

اور یہ ہجرت اتنا بڑا عمل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِيكُمْ مَا تَكْرَهُونَ قُلُوبُكُمْ وَإِنَّ الْهَجْرَةَ

يَهْدِيكُمْ مَا تَكْرَهُونَ قُلُوبُكُمْ وَإِنَّ الْفَتْحَ يَهْدِيكُمْ مَا تَكْرَهُونَ“

(مکتبہ ص ۱۴)

یعنی ایک آدمی غیر مسلم تھا۔ مسلمان ہو گیا، پہلے کے سارے گناہ معاف! اور ہجرت کر لی تو پہلے کے تمام گناہ معاف! اور حج کر لیا، بشرطیکہ حج، حج مبرور ہو تو پہلے کے تمام گناہ معاف! اور اگر حج میں دماغی منڈواتے رہے تو پھر کیا؟ جیسے مجھے تھے ویسے ہی واپس آگئے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

کعبہ بھی مجھے پر نہ چھوٹا عشق جنوں کا!

اور زم زم بھی پیسا پر نہ بجھی آگ جگر کی!

ہمارا کیا حال ہے؟ ہماری کیفیت تو وہ ہے کہ جو عشق مجازی اور ہو جو بیماریاں ہم ساتھ لے کر جاتے ہیں، وہی واپس لے کر آتے ہیں، تو ہجرت بہت بڑا عمل ہے، لیکن اب ہم کہنے کو تو مہاجر ہو گئے لیکن ہجرت کے تقاضے بھی چرے کر رہے ہیں یا نہیں؟ اس کو سوچا جائے!

حضرت مہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجر وہ ہیں کہ جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا اور یہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ترجمانی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گمراہی ہے:

”الْمُسْلِمُ مَنْ تَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ بَسَاتِهِ وَبِدِهِ“

(مشکوٰۃ ص ۱۲۰)

ترجمہ:..... ”مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کے ہتھ

مت اور اس کی زبان سے محفوظ رہیں۔“

اور مہاجر وہ ہے جس نے انا چیزوں کو چھوڑ دیا جو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مجاہد ہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، فرمایا کہ: جہاد فی سبیل اللہ نام ہے دشمن کے مقابلہ میں مجاہدہ کرنے کا اور حرام سے بچنے کا! حدیث شریف میں فرمایا: ”إِنَّ أَعْدَاءَ غُلَبِكَ

نَفْسٌ بَکْلًا بَيْنَ عَيْنَيْكَ“ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے، اس سے تو کبھی لڑائی نہیں کی، دشمنوں سے جہاد کر رہے ہیں، یہ تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے، سب سے بڑا کافر تمہارا نفس ہے، ذرا اس سے بھی مجاہدہ کر کے لڑائی کی ہوتی، اور اس نفس کے ساتھ کبھی مجاہدہ کیا ہے؟ نفس سے مجاہدہ کا مطلب ہے اس کی خواہشات کو پورا نہ کرنا۔

نفس کی مخالفت کا قصہ:

سلطان الہند خوجہ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہ ایک دفعہ بیمار ہوئے، بیماری کچھ زیادہ سخت ہو گئی، خدام نے عرض کیا کہ: حضرت! یہاں ایک ہندو ہے، جو بیماری سلب کر لیتا ہے، توجہ ڈال کر بیماری چوس لیتا ہے، اس کو بلا لیں؟ ارشاد فرمایا: بیماری اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، محبوب کی دی ہوئی چیز کو دور کرنے کے لئے محبوب کے دشمن کو بلانا غیرت کے خلاف ہے! یعنی یہ غیرت کی بات ہے کہ ایک ہندو کو بیماری کی وجہ سے بلائیں! اس بیماری کی وجہ سے آپ کو بیہوشی ہو گئی، دوستوں نے اپنے طور پر اس ہندو کو بلایا، کیونکہ حضرت تو بیہوش تھے، وہ ہندو آیا، وہ چونکہ اپنے فن کا ماہر تھا، مراقبہ کر کے بیٹھ گیا اور بیماری سلب کرنا شروع کر دی، حضرت چارپائی پر اٹھ کے بیٹھ گئے، اس نے اپنے عمل مکمل کر لیا، سلطان الہند اپنے دوستوں پر غصہ ہوئے اور فرمایا: میں نے جنہیں منع کیا تھا، مگر چہ تم نے محبت کی وجہ سے کیا، لیکن میری خشت کے خلاف کیا ہے، اب اس ہندو کا مجھ پر احسان ہے اور اس احسان کا بدلہ دینا چاہئے۔ حضرت سلطان الہند قدس سرہ نے اس ہندو سے فرمایا کہ: مہاش! جنہیں بتا بڑا کمال کیسے حاصل ہوا؟ وہ کہنے لگا: جی! میرے گرو نے کہا تھا کہ جس چیز کو نفس چاہے اس کی مخالفت کرنا، اور جس چیز کو نفس نہ چاہے وہ کرنا! میں نے ساری زندگی کے لئے یہ اصول اپنایا، آج اگر دل گوشت کھانے کو چاہتا ہے تو نہیں کھاؤں گا اور فلاں چیز کو چاہتا ہے نہیں کروں

گا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ: بھائی! تم ہو تو بڑے پاکمال اور تمہارا اصول بھی بہت اچھا ہے، لیکن تمہارا اصول پکا نہیں پکا ہے۔ کہنے لگا: نہیں جی! میرا اصول بہت پکا ہے، ساری عمر کا اصول ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: میں ابھی امتحان لے لیتا ہوں کہ تمہارا اصول پکا ہے یا کپا ہے؟

حضرتؑ نے اس ہندو سے فرمایا کہ: سچ بچ بناؤ تمہارا دل مسلمان ہونے کو چاہتا ہے یا نہیں؟ ہندو کہنے لگا کہ: حضرت! مسلمان ہونے کو میرا دل نہیں چاہتا! حضرتؑ نے فرمایا: پھر نفیس کے خلاف ہونا؟ اب اگر تمہارا اصول پکا ہے تو مسلمان ہو جاؤ، اور اگر مسلمان نہیں ہوتے تو معلوم ہوا کہ یونہی بنادٹی سا اصول ہے پکا نہیں! تو وہ کسی قدر سوچنے کے بعد کہنے لگا: لا اہلہ الا اللہ محمد رسول اللہ! حضرتؑ نے فرمایا: جا تم نے مجھ پر احسان کیا تھا، میں نے تم پر احسان کیا، احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے، اس لئے تجھے مسلمان کر دیا۔ اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے پاس تجھے بھیجا ہی اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسلام کی دولت عطا فرمائیں۔ اب وہ ہندو مسلمان ہو گیا اور ٹھیک ٹھاک مسلمان ہوا پھر تو حضرتؑ کی خدمت میں رہ گیا اور حضرتؑ سے خلافت ماحصل کی، مجاہدہ تو اس نے پہلے ہی بہت کیا ہوا تھا۔ میاں! نفیس کی مخالفت کا نام مجاہدہ ہے۔

گھر بھی مجاہدہ کا میدان ہے:

ہمارے حضرت ذاکر صاحب نور اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: بھئی! پہلے زمانے میں بزرگ مجاہدے کرایا کرتے تھے، بزرگ چلے کھینچتے تھے، بڑی بڑی محنت کر دیا کرتے تھے، لیکن اب لوگوں کے پاس فرصت بھی نہیں ہے، محنت بھی نہیں ہے، محنت بھی نہیں ہے اور طلب بھی نہیں ہے، اب تو یہ چھوٹے چھوٹے مجاہدے ہیں ان پر ہی کہے ہو جاؤ! اور فرمایا کرتے تھے کہ: تمہارا گھر مجاہدے کا میدان ہے! بیوی

سے ناگواری پیش آ رہی ہے اس پر صبر کرو، بچوں سے ناگواری پیش آ رہی ہے اس پر صبر کرو، دوستوں سے ناگواری پیش آ رہی ہے اس پر صبر کرو، نفس کی ناگواریوں پر صبر کرو اور نفس ایک کام کرنا نہیں چاہتا، اس سے وہ کام کرو، اور نفس چاہتا ہے ایک غلط کام کرنے کو اس کو روکو، اس کی ناکام قاسم! بیوی، سب بک کرتی ہے تو بی چاہتا ہے کہ وہ چار تھپڑی لگا دیں، لیکن نہیں! نفس کو روکو! یہ تمہارا مجاہد ہے، صبر کرو اور اپنے نفس کو تھپڑ دے۔

نفس سب سے بڑا دشمن:

غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے، جو تمہارے پہلو میں ہے اور سب سے بڑے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد سے تشریف نہ رہے تھے، ارشاد فرمایا:

”زَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْفَرِ إِلَى الْجِهَادِ

الْأَكْثَرِ“ (احزاب ۶، ص: ۳۷۰)

ترجمہ: ”ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف

لوٹے ہیں!“

کافروں سے جو جہاد کر رہے تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اور ہمارے بھی دشمن تھے، مگر نفس بھی تمہارا دشمن ہے، اس کی مخالفت کرنا اور اس سے لڑنا بھی جہاد ہے، تمہارا نفس چاہتا ہے شریعت کے خلاف یہ کریں، یہ کریں، یہ کریں، اس سے کہو کہ قطعاً نہیں کریں گے! لیجئے آج سے ہمیں ولی اللہ کی سمدل جائے گی، ایک آن میں ولی اللہ بن جائے۔

اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں:

آج سے طے کر لو کہ خلاف شریعت کام جو تمس چاہے گا نہیں کریں گے، اسی کو عارف فرماتے ہیں کہ: اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، لوگ کہتے ہیں: اللہ کا راستہ بہت لمبا ہے، جی ہاں! لمبا تو ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات بھی غیر فانی اس کا راستہ بھی غیر فانی، جس طرح اس ذات کی کوئی حد نہیں، اسی طرح اس کے راستے کی بھی کوئی حد نہیں، ساری عمر پلٹے رہو تو ایسے گئے گا کہ ایک قدم بھی طے نہیں ہوا، لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ: وہ راجو راستہ ہے، الحمد للہ! جو قدم اٹھتا ہے وہی منزل ہے، ہر قدم ہماری منزل ہے، جس قدم پر موت آگئی انشاء اللہ! وہ قدم مقبول ہو گئے، پور ہو گئے۔

اللہ کے راستہ کے دو قدم سے کیا مراد ہے؟

تو بزرگ فرماتے ہیں کہ: اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، ایک قدم نفس کی گردن پر رکھو، دوسرا محبوب کی منزل میں رکھو! پہلا قدم نفس کی گردن پر رکھو اور دوسرا محبوب کے کوچے میں رکھو! پہنچ گئے، لیکن کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے، کہہ دینا آسان لیکن کرنا مشکل!

نفس کو رام کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت:

اور یہ نفس کوئی رام ہونے والی چیز ہے؟ یہ تو سرکش گھوڑا ہے، اس کے لئے تو بڑا ماہر سائیکس چاہئے، جس کے ہاتھ میں جھانگا بھی ہو اور یہ گھوڑا بھٹا اچھلے، کودے، وہ اس کی پشت سے چپک جائے، اور سنگھار زمین میں ڈال کر اس کے پاؤں توڑ دے، اس لئے فرماتے ہیں کہ:

نفس تنواں کشت با غلظت حیرا

کسی مرشد کے سائے میں پناہ لو تو یہ نفس مرے گا، ایسے نہیں مرنے، کہہ دینا

آسان، کرنا مشکل، تو غرضیکہ مجاہد وہ نہیں جو کافروں سے لڑا، مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑا۔

جہاد کا مقصد؟

اس کے بعد فرمایا کہ: بعض لوگ اجر کے لئے، تحفہ کے لئے لڑتے ہیں، بعض لوگ شہرت کے لئے لڑتے ہیں، اور یہ کتل ہوتا بھی موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، ہر آدمی کو جیسی اس کی نیت ہوگی ویسا بدلہ ملے گا، اور بعض دفعہ ایک آدمی بہادر ہوتا ہے، اس کے دل سے ہی جوش اٹھتا ہے لڑنے کا، یہ نہیں کہ وہ شہرت چاہتا ہے، یہ نہیں کہ اس کو کسی نے پیسے دیئے ہیں، یہ تمام چیزیں اپنی جگہ، لیکن جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے لڑے، محض اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے، زمین، وطن، قوم، قبیلہ، عصبیت کوئی چیز غور نظر نہیں، لڑائی میں محض رضائے الہی بد نظر ہے، تو یہ شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے، اور جو شخص اس راستے میں مرے وہ اللہ کے راستے میں مرنے والا ہے، اس کو شہید فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (مُصْفَرِّكَ دُؤُوبِ الرَّحْمَنِ)

دنیا میں رہنے کا سلیقہ!

حضرت ابو درداءؓ کی نصیحتیں



بسم الله الرحمن الرحيم
 (المعروفه رسول) على حياؤه (الزبد) (صعدني)

"عَنْ أَبِي الشَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَا تَزَالُ
 نَفْسٌ أَحَدُكُمْ شَابِئَةً فِي حَبِّ الشَّيْءِ وَلَوْ انْتَفَتْ تَرْلُوَنَاهُ
 مِنْ الْجَبْرِ إِلَّا الَّذِينَ أَمْسَحَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلْغُيُورِ وَقَلِيلٌ مَا
 هُمْ."

(طريقه الاول: ج ١ ص ٢٢٣)

"عَنْ أَبِي الشَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ثَلَاثٌ مِنْ
 مَلَائِكَةِ أَمْرِ آدَمَ: لَا تَنْفَكُ مُصِيبَتُكَ، وَلَا تُخَدِّثُ
 بِوَجْهِكَ، وَلَا تُزَكِّبُ نَفْسَكَ بِلِسَانِكَ."

(طريقه الاول: ج ١ ص ٢٢٣)

"عَنْ أَبِي الشَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا كُنْتُمْ
 وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةَ الْيَتِيمِ، فَاتَّهَمَا تَسْوِيَانِ بِالْمَلْبَلِ
 وَالنَّاسِ نِيَامًا"

"عَنْ أَبِي الشَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنْ أَبْغَضَ

النَّاسِ إِنَّمَا أَنْفُسُهُمْ أَنْ لَا يَمْسُحُونَ عَلَى إِلَّا بِالْفِطْرِ غَزْرٌ
وَجَلَّ“ (علیہ السلام ج ۲ ص ۲۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ایک کا نفس جو انہیں رہتا ہے کسی چیز کی محبت میں خواہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دونوں جڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔“
ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ: تین چیزیں بندے کے معاملے کا مدار ہیں:

- ۱۔۔۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کر دو۔
- ۲۔۔۔ دوسری یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔
- ۳۔۔۔ اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو، اس کو پاک نہ بتاؤ۔“

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ: مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچا کر دے اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔“

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: میرے نزدیک لوگوں میں سب سے برا یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی مدد نہیں لے سکتا۔“

آدمی کے نفس کا جوان رہنا:

یہ حضرت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حکیم: لامت کے چند مواضع ہیں:

ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے، چاہے وہ اتنا بوڑھا ہو گیا ہو کہ اس کے جڑے بھی مل گئے ہوں، یعنی مزہ نہیں کھلتا، مگر نفس کی جوانی نہیں جاتی، وہ اب تک جوان ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے جن لیا ہو، وہ تو مستحکم ہیں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں، یہ مضمون حدیث شریف کا ہے، ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:

”يَهُومُ ابْنُ آدَمَ وَيَنْشُبُ مِنْهُ ابْنَانِ: الْجَوْنُ عَلَى الْمَالِ، وَالْجَوْنُ عَلَى الْفَقْرِ“
(مشکوٰۃ ص ۴۴۹)

ترجمہ:..... ”آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ غصے میں

اس کے اندر جوان ہوتی رہتی ہیں، جوں جوں اس کی عمر بڑھتی

جاتی ہے یہ دو عادتیں اس کی جوان ہوتی رہتی ہیں، ایک مال کی

محبت، اور دوسری طول العمر یعنی زیادہ چھینے کی محبت۔“

یہ چیز انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے، اور رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا

ہونے کے بعد آدمی کا دل تمام چیزوں سے سرد ہو جاتا ہے، بہت کھلایا، بہت کمالیا،

اب چھوڑ دیں قصہ، اللہ تعالیٰ نے گھربار دیا ہے، آل و اولاد دی ہے، بہت وقت گزار

دیا ہے، اب آگے کی تیزری کریں، لیکن نہیں، اس حالت میں بھی بڑے میاں کا دل

نہیں بھرتا، جبکہ پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں، چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور

شیخ چلی کی طرح اپنی آرزو میں پکاتا رہتا ہے، یہ فطری چیز ہے، سوائے ان لوگوں کے

جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، خوف خدا ان کے دل

میں ہے، ان کا دل سرد ہو جاتا ہے۔

بادشاہ، بزرگ اور شاہی شیخ الاسلام کا قصہ:

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا، وہ سرکاری ”شیخ الاسلام“، جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو ”شیخ الاسلام“ بنایا تھا، اللہ تعالیٰ معاف کرے! تو بادشاہ بزرگ سے بہت ادب سے ملا، بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب اللہ والوں کو دیکھتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ ملتے ہیں، شیخ الاسلام صاحبِ جمل مجھے کہ اس بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ نہیں، ذرا، چلتے ہوئے بادشاہ نے کچھ بد یہ پیش کیا، نقدی کی تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ: بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے؟ ہمارے کام کی چیز نہیں ہے، آپ لے جائیے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیجئے، یہ میرے کام کی چیز نہیں ہے۔

جس کے دل میں دنیا کی عزت نہ ہو،

فقو ق اس کی عزت کرتی ہے:

دنیا ایک ایسی چیز ہے، اس کا تجربہ کرو کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو، اس کی عزت ہمارے دل میں آ جاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو، خواہ ہم اپنی جگہ کہتے بھی حریص ہوں دنیا کے لیکن دوسرے آدمی کے دل میں جب ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں، روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے، کم ہو جاتی ہے، تو اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے یہ سمجھا کہ اس کی تو اور بھی دھت بادشاہ کے دل میں پیدا ہو جائے گی، شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے ابھی پڑھی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم کا بیٹا

بڑھا ہوا رہتا ہے لیکن اس میں دو فصلتیں جولان ہوتی رہتی

ہیں، یعنی پرورش پاتی رہتی ہیں، مال کی محبت اور دنیا میں زندہ

رہنے کی محبت۔“

شیخ الاسلام کا مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے، لیکن نمائش کے طور پر آپ ترکہ دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔

وہ بزرگ فرمانے لگے کہ: حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”یہ دو خصالتیں جو ان ہوتی رہتی ہیں“ جو ان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہو گیا ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں، پیدا ہوتیں تو جو ان ہوتیں! شیخ الاسلام صاحب اس بزرگ کا جواب سن کر اتنا سامنے لے کر رہ گئے۔
بادشاہوں کے حاشیہ نشین علماء:

پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سادوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”الْعُلَمَاءُ أَغْنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ يَخَالِطُوا السُّلْطَانَ!
فَإِذَا خَالِطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوهُ اِلْدَنُّوا قَعْدَ خَائِنِ الرُّسُلِ،
فَاخْفَرُوا وَهُمْ!“ (کنز العمال ج ۱۰ حدیث: ۸۹۵۳)

ترجمہ:..... ”علماء رسولوں کے امین ہیں جب تک کہ حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بادشاہ کے قریب ہو کر نہ رہیں! اگر وہ بادشاہ کے قریب ہو کر رہیں، حکومت کے اقتدار کے قریب ہو کر رہیں، تو ان سے بچو! اس لئے کہ وہ دین کے ڈاکو ہیں۔“

علامہ احمد قاریابی کی طرح شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے!

محبتِ الہی اور محبتِ دنیا یکجا نہیں ہو سکتیں:

اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقدی کے لئے چن لیا ہے، جس کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرما دیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرم دیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ادا جاسکتیں، پاک اور ناپاک، اور ایک ہی دست خوان پر دونوں چیزیں ادا کو یعنی منڈی کو اور پاک چیز کو جمع نہیں کیا جاسکتا، جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کر دیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، اس دل کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو ناپاک کی محبت نہیں ہو سکتی، اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے اس کا دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرما دیتے ہیں، ان کے لئے آنا جانا برابر ہوتا ہے، دنیا آئے تو خوشی نہیں، چائے تو غم نہیں، ان کا ہارت فل نہیں ہوتا، بہت سارے لوگوں کو اگر نقصان کی اطلاع مل جائے کہ ماں کا نقصان ہو گیا ہے تو اسی وقت ان کو دل کا درد پڑ جاتا ہے، معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔

اللہ تعالیٰ اور دنیا کی محبت کے شمرات و اثرات:

دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے، دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے، دنیا کی محبت کی مثال ایک خدش کی سی ہے، جیسے انسان کو کبھی ہوتی

ہے، جتنی خارش کرتا رہے اتنا مزہ آتا رہتا ہے، اور جب خارش بند کر دی تو جلن شروع ہو گئی، ہم لوگ بے حس ہو گئے ہیں، ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا، ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے؟ قرآن کریم میں ہے:

”اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَنْظِيْمُ الْقُلُوْبِ“ (اُردو: ۲۸)

ترجمہ: ”سنو! اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے اور اللہ

تعالیٰ ہی کی یاد سے چین پڑتا ہے دلوں کو۔“

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر مطمئن ہے وہ بچارے دھوکے میں ہیں، غرضیکہ یہ چیز ناکثِ علان ہے، قابلِ علاج ہے، جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی، جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا، مگر تو بوجھ ہو، شروع ہو گئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے، اور بڑھاپے سے قبروں تک قدم رکھ، لیکن اس کی جوانی ختم نہیں ہوئی، ہمارے تمام قوتی جواب دے گئے، لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ہمارے ساتھ لگی تھی یہ بڑھی نہیں ہوئی، بلکہ جوان تر ہوتی گئی۔

دنیا کے لئے محنت کرنے والے کا انجام:

رضائے الہی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے سنے تو کوئی محنت نہیں کی تھی، محنت کی تھی صرف ان چیزوں کے سنے، تو جب مر گیا تو ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا کہ ہائے کس چیز کو چھوڑ کر چاہا ہوں، بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھڑے کے دھڑے رو گئے تھے، اور جہاں جاتا تھا یعنی قبر، اس کے سنے کوئی سامان ہی نہیں کیا، نہ کبھی وہاں کے لئے بجلی کی فٹنگ کی، نہ کبھی کوئی مارتی لے کر گئے، نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا، نہ کوئی وہاں کی وحشت و تہائی کے بارے میں سوچا، جیسے دنیا میں خالی ہاتھ

گئے تھے، یہاں سب کچھ کا کر نہیں پھوڑ کر چلے گئے۔

صرف دنیا کمانے والوں کی مثال:

کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہو ہو، مگر تو اس کو زر مبادلہ لانے کی اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے، اور اگر سب کچھ وہیں کوئی بھین لیں تو اس نے اس میں سال ضائع بھی کئے اور غلامی ہاتھ آ یا، اس کے دوست احباب، بیوی بچے پوچھیں گے کہ کیا لائے ہو؟ وہ کہے گا کہ: کچھ بھی نہیں لایا، سب کچھ بھین لیا گیا! اسی طرح ہر لوگ بھی یہاں ٹھنٹیں کر رہے ہیں، اور جب وہیں گئے تو سب کچھ دنیا والے بھین لیں گے، جو اپنے اندر بھریا وہ تو ساتھ جاسے گا، باہر کی تو سب چیزیں ہم سے بھین لی جائیں گی، کیڑے تک بھین لیتے ہیں اللہ کے بندے، یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کیڑے نیا رہنے دو یا! ہم ان کو بہت اچھے اچھے کیڑے بنا کے دیا کرتے تھے، رہنے دو، نہ کر جانے دو، کہنے لگے نہیں صاحب! سارے ہوئے کیڑے بھی پہننے کا قسم نہیں ہے، چادر پیٹ دیں گے، یعنی دو چادریں پہنا دیں گے، بس! نہ غلام ہے، نہ کھتر ہے، دیکھتے ہو کس طرح چھپتے ہیں؟ تم خود ہی چھپتے ہو، اس غریب کو لٹھ میں ڈھکیل کر آ جاتے ہو، کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس؟ اے کاش! کہ مرنے سے پہلے ہمیں اس کی قتل آ جاتی۔

دنیا کی محبت کا علاج چاہئے:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابلِ علاقہ ہیں، اللہ والوں سے اس چیز کا علاج کروایا جاتا ہے، میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، یہ چیز قابلِ علاقہ ہے کہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں، شیخ سے اصلاحی تعلق کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

ابن آدم کے معاملات کا مدار؟

دوسرا ارشاد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ابن آدم کے تمام معاملے کا مدار تین چیزیں ہیں، جس کو تین چیزیں حاصل ہوئیں سمجھو کہ اس کا جہیز پار ہو گیا۔

۱: ... ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔

۲: ... دوسرا یہ کہ اپنے مرض کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔

۳: ... اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو، جی میں تو بے گناہ ہوں! اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بے نظیر بھی زبان سے بیان کریں گے:

اتنی نہ بڑھا پائی داناں کی دکایت

دامن کو ذرا دیکھ! ذرا ہلہ قبا دیکھ!

اپنی مصیبت کی شکایت مخلوق کے بجائے خالق سے کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ تعالیٰ کے سامنے کرو، مخلوق کے سامنے نہ کرو، جب حضرت نبی امین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں روک لیا اور بھائی خالی ہاتھ گئے، انہوں نے جاکر اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا: "إِنَّ ابْنَكَ ضَلُّوا" (حیرت بیٹے نے چوری کی ہے!)، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: "بَلَى سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْوَا فَصَبِّرْ جَمِيعًا" (نہیں! میرے بیٹے نے چوری نہیں کی ہے! بلکہ تمہارے نفسوں نے کچھ تدبیر بنائی ہے، پس صبر جمیل اختیار کرو)۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو پہلے ہی سے گم تھے، ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا، بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی: "يَا أَسْفَى عَلَى يُوسُفَ وَابْتِئْتُ غَنَاءَ مِنَ الْعَزْوَ فَهُوَ مُخْطِئٌ"۔ ہائے میری حسرت یوسف پر! (اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں) غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہو گئی، اور اتنی شدت کا غم تھا گویا گھٹا جاتا ہے۔ "قَالَ اِنْسَا اَنُكْحُوا ابْنَتِي وَخُزْنِي اِلَى اللّٰهِ" (میں اپنی پریشانی اور غم کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتا ہوں)۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی ہے میں نے؟ کبھی کسی بندے سے بھی تذکرہ کیا ہے اس کا؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں اپنی پریشان کی بھی، اپنے غم کی بھی، مگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو پھر کس کے پاس کروں؟

آفت و مصیبت کی شکایت عبدیت کے اظہار کے انداز میں کرو: کوئی آفت، کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو، لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں، بلکہ اپنی حانت زار کو اس کے سامنے رکھو، اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے، مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو، اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، آسمان والی ہو یا زمین والی، تمہاری شکایت رفع نہیں کر سکتی، ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کر سکتا ہے، اس لئے فرماتے ہیں "لَا تُشْكُ فِجَنَّتِكَ" اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو، صرف اس کے سامنے کرو۔

حضرت ایوبؑ کا اظہارِ بحر:

حضرت ایوب صابر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کہہ رہے ہیں: "اَبْسَى مَسْجِي الْعُسْرُ وَانْتِ اَرْخَمُ الْوُاجِعِينَ" پروردگار! مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، آپ بنا سکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، بنانے والے بھی آپ ہیں، وہاں کوئی دوا لازم کرنے کی ضرورت تھی، حکم دیا: "اَرْخَصْ بِسِرْجَلِكَ" اپنی ایڑی مارو زمین پر! ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا، "هَذَا مُغْتَسِلٌ بَارِدٌ وَهَرَامٌ" خنڈا پانی پیو بھی اور نہاؤ بھی، حضرت ایوب علیہ السلام اس چشمہ میں غسل کر کے چودہویں رات کے چاند کی

طرح نکل آئے، تمام تکلیف دور ہوگئی، جتنا چاہتے تھے کہ اللہ پاک اگر بیماری لگا دے
چاہیے تو کوئی ہڈ نہیں سکتا، اور جب ہلانا چاہیے تو اس کے لئے لمبی چوڑی تدبیریں
ضرورت نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جیسے کے پانی سے غسل کیا، سب کچھ دور
ہو گیا، تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔

تکلیف دور کرنے کی دعا اور انداز:

اپنی تکلیف کا اظہار اللہ تعالیٰ کے سامنے کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس
کے سامنے سجدے میں سر ہاؤ اور یہی حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا پڑھو:
”اِنِّیْ مُسْتَبِیْ الضُّرِّ وَاَنْتَ اَوْحِیْ الْمُرَاجِعِیْنَ“

ہمارے سوا تو محمد اور میں صاحب برکھی رحمہ اللہ بنا رہے ہو مجھے تجھے فرمانے
لگے کہ: ”اب مجھے شفا ہو جائے گی! عرض کیا گیا: کس طرح شفا ہو جائے گی؟ فرمایا: میں
نے سجدے میں یہ دعا کی: ”اِنِّیْ مُسْتَبِیْ الضُّرِّ وَاَنْتَ اَوْحِیْ الْمُرَاجِعِیْنَ“ اور واقعی
شفا ہوگئی۔

توفیق دعا قبولیت کی علامت:

اللہ پاک تم سے دعا سگواتے ہی اس لئے ہیں کہ ان کو منظور کرنا ہوتی ہے،
اگر منظوری نہ دیں، تو تم سے دعا نہ روا کریں، تمہیں دعا کرنے کی توفیق نہ دیں، لیکن
جیسے اللہ تعالیٰ کی ہر گاہ میں التجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر راضی رہو، دل میں تنگی کا
مضمون نہیں آنا چاہئے:

زندہ کنی عطائے تو در نکشی رضائے تو

دل شدہ عطائے تو

زندہ کریں، آپ کی عطا ہے، مار ڈالیں آپ کی رضا ہے، آپ جو کچھ بھی
کریں، جو بھی آپ کی رضا ہو، اس پر راضی ہوں۔

علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں!

ہمارے حضرت حکیم لاسٹ مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے "علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں!" تمہارا کام ہے، تمہیں علاج بتایا ہے، کرتے رہو!

چنانچہ ہمارے ذاکر مجددی عارفی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم لاسٹ نے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا اور فرمایا "میاں! تمہارا ہنس ان کا علاج نہیں دیتا؟" میں نے کہا: حضرت! یہ ہے! فرمایا کہ "پھر تم علاج کرو!" عرض کیا: بہت اچھا! ساتھ ہی فرمایا: "نتیجہ: عکس ہے!" حضرت فرماتے ہیں: میں نے علاج شروع کیا (تو ذرا ہومیو پیتھک علاج نازک ہے، پرہیز بہت ہوتا ہے، تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ان میں تھوڑے پرہیز کی ضرورت ہوگی۔ ارشاد فرمایا: "میرے تو کوئی پرہیز نہیں کرایا تھا: معمولی ٹک پلک درست کر کے چلتا کر دیا، یہ سارے دنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے؟" حضرت فرماتے تھے کہ: یہ ارشاد سن کر مجھے سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا۔ بھائی! بیماری کا آخری انجام کیا ہے؟ موت ہی ہے ناں! "خیر مرنا نہیں ہے کیا؟" میں نے کیوں کہا نا ہے؟ ہاں! علاج کرانا سنت ہے، علاج کراؤ! علاج اور تدبیر کر کے نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، چاہیں گے تو شفا دے دیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا! میں اپنے پاس لے جانا چاہتا ہوں گے بعد خوشی حاضر ہیں!

اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو:

اور تیرا فقر دیکھ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو، قرآن کریم میں ہے:

"فَلَا تَزِرُ وَازِرَتُكَ مِنْهُ اَنْفُسُكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تَفْعَلُونَ".

(نور ۳۲)

اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم بہت اچھے ہیں، یہ ہیں، وہ ہیں! اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ تعالیٰ بہت بہتر جانتا ہے، تم میں سے جو بچنے والا ہے وہ متقی ہے، ارے حقوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ حقوق کو تو تم کہہ سکتے ہو کہ تمہیں میرے بارہ میں بدگمانی ہوئی ہے، میں ایسا نہیں تھا، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نفوذ باللہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصور کرتے ہو، اللہ پاک کے سامنے اپنی سراپا گندگی کا تصور کرو، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا جھوڑ دیا، ورنہ یہ نہاست تو دُفن کے لائق تھی، جس شخص کی نظر اس پر ہو وہ اپنے من سے تعریف نہیں کرے گا، اپنی صفائی پیش نہیں کرنے گا، اور اگر کوئی کہتا ہے تو جھوٹا ہے!

مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچو!

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ: دو بددعاؤں سے بچو! ایک مظلوم کی بددعا سے اور ایک یتیم کی بددعا سے، یہ اس وقت آکر سر اٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، مظلوموں کی بددعا سے بچو اور یتیموں کی آہ سے بچو!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن شریف لے جا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

”.... اِشْبِي دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَمْ يَسْأَلْ رَبَّهُنَّ وَابْنِ

اللہ جنتاً!“ (مسئلہ ص ۱۵۵)

ترجمہ: ”... مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا، کیونکہ اس

کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے (سیدھی

عرش پر پہنچتی ہے)۔“

اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے:

بترس از ہائے مظلوماں کہ ہنگامے دعا کردند۔

اجابت از درے حق بہرے استقبال می آیند!

مظلوم کی بددعا سے بچو! اس لئے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت کے استقبال نے سے عرش الہی سے آتے ہیں، اور اسی طرح یتیم کی بددعا سے بچو، یتیم کا مال نہ کھاؤ، خوار و قہر، دوساں اور چالیسویں کے عنوان سے ہو، یتیم پر ظلم نہ کرو، اور یتیم کا مال نہ ہتھیاء، اس لئے کہ ان کی آؤگتی ہے تو بیز غرق کرو جی ہے۔

مظلوم چاہے کافر بھی کیوں نہ ہو:

کراچی میں کہتے بچے یتیم کئے مجھے؟ ان کی آپیں نہیں لگیں گی؟ کہتے بے گناہوں کو تختہ ستم بنایا گیا، کیا ان کی تہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو! مظلوم کا دلی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددعا قبول ہوتی ہے، مظلوم کوئی بھی ہو اس کی بددعا لگتی ہے، حتیٰ کہ فاجر و فاسق، بلکہ کافر ہو تو اس کی بھی بددعا آدمی کو مار دیتی ہے، اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنا، کسی کا حق اپنے ذمے لینا اس سے ذرا! اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی، چاہے جتنی مسافیاں اللہ تعالیٰ سے مانگو، پھر معافی بھی نہیں ملتی جب تک صاحب حق خود معاف نہ کر دے۔

بچے کس پر ظلم بدترین ظلم ہے:

اور ایک ارشاد میں فرمایا کہ۔ میرے نزدیک سب سے بری صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں ہے، کوئی تھانے کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جھٹکا

نہیں جو پیروی کر سکے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو! مار دو! لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ ہے!

ضعفاً کے ساتھ رَبُّ الضعفاء ہے:

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: "یا رب الضعفاء" (اے کمزوروں کے رب!) مجھے یہ دعا بہت پیاری لگتی ہے، مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے۔

"یا رب الضعفاء" اے کمزوروں کے رب! جن کا دنیا میں شنوان کوئی نہیں، جن کو سنے والا کوئی نہیں تو ان کا بھی رب، اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے تو ان کی بھی فریادیں کرتا ہے، اور مدد کرتا ہے، تم یہ دیکھتے ہو کہ اس کا کوئی نہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ ہے! اور جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا خدا اساتھ ہوتا ہے، اور اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے وہ ہوتا ہے!

ایک بزرگ کی توہین کا بدلہ:

میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے برا بھلا کہہ دیا، اب وہ بزرگ اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ فوراً اس کے ایک تھپڑ لگا دو، اس نے ڈرا تھوڑی دیر اور تاخیر کر دی، اور وہ آدمی وجہ پچھلا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، یہ بزرگ اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ: تو نے اس کی ٹانگ تو زاری! اگر تو اس کے تھپڑ لگا دیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی! میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: ٹھیک کر دیا، مسئلہ حل ہو گیا! اور اگر میں انتقام نہ لوں تو وہ خود آکر انتقام لیتے ہیں۔

جو انتقام نہیں لیتا اس کا انتقام اللہ لیتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اسی بزرگ پر منحصر نہیں، اس معاملے میں تم سارے ہی بزرگ ہو، جو شخص انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تعالیٰ اس کا انتقام خود لیتے ہیں، الا یہ کہ تم معاف کر دو، اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ ہماری صلح ہو گئی ہے، مقدمہ داخل و فتر کر دو تو دوسری بات ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں۔ تاہم جلد بازی نہیں کرتے، بندوں کو مہمت دیتے ہیں کہ یہ نادان ہیں، آپس میں معاملہ درست کر لیں، غرضیکہ ایسا کوئی شخص جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو، اس پر علم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو! مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لا سکتے ہو، اللہ تعالیٰ کے انتقام کی تم تاب نہیں لا سکتے!

وَأَعْرِضْ عَنْ حِوْلَانَا ۖ إِنَّ الْعَصْرَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
(نصر اللہ، سن) بھی جیسا، (نور) (مستغنی؟)

حدیث شریفہ میں ہے۔

”الْحَلَقُ عِیَالُ اللّٰهِ فَاحْبِبِ الْخَلْقَ اِلَى اللّٰهِ مَنْ
اَحْسَنَ اِلَیْهِ عِیَالُہٗ۔“ (مکتبہ ص ۲۵۰)

ترجمہ: ”خلوق اللہ کا کنبہ ہے، (جیسے کوئی گھر کا بڑا
ہوتا ہے، گھر کے تمام افراد اس کا کنبہ ہوتے ہیں) اللہ کے
بندوں میں اللہ کو سب سے زیادہ، فیض محبوب ہے جو اس کے
کنبہ میں سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہو (ظلم و زیادتی
کرنے والا نہ ہو، بلکہ احسان کرنے والا ہو، حسن سلوک کرنے
والا ہو)۔“

”اسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ بھی رحمت کا شعبہ ہے، اس لئے آپ صی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يَرْحَمُ، مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُغْفَرُ۔“

(کنز العمال ج ۳۱ حدیث ۵۹۶۶)

ترجمہ: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، اور جو بخشش نہیں کرتا۔"

بخشنے کا مطلب؟

بخشنے کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کا قصور کیا، اور وہ اس کو معاف کر دے اور انتقام نہ لے، اس کو بخشا کہتے ہیں، جو صاحب معاملات ہیں، جن کے ساتھ میل ملاپ، بدتاؤ رہتا ہے، اعتدالت رہتے ہیں، کوئی نہ کوئی ناگوارى پیش آتی جاتی ہے، کل یہاں کچھ مولویوں کی جرئت آئی ہوئی تھی، کوئی گفتگو تھی، مولوی بھی کبھی کبھی لڑ پڑتے ہیں، بلکہ مولوی زیادہ لڑتے ہیں، عوام کی لڑائی کم ہوتی ہے، مولویوں کی لڑائی زیادہ ہوتی ہے۔

کوئی اپنے کو قصور وار نہیں جانتا:

میں نے ان دوستوں سے کہا کہ انسان کی فطرتی کمزوری ہے کہ جب اس کا معاملہ دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے، تو اپنے قصور میں وہ لپٹے آپ کو فرشتہ سے زیادہ معصوم سمجھتا ہے اور اپنے بارہ میں یہ تصور کرتا ہے کہ مجھ سے تو غلطی ہوتی نہیں نکلتی، خدا نخواستہ اگر کوئی کسی غلطی کو ان مولانا کی طرف منسوب کر دے تو پھر وہ بیچارہ ذرا گھبرا، اس کی دنیا بھی تباہ، آخرت بھی تباہ، اس کے معتقد کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف ہمارے حضرت کی طرف غلطی منسوب کرتا ہے، تو یہ کرو، کیا کسی فرشتہ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے؟ گویا اپنے آپ کو آدمی فرشتہ سے زیادہ معصوم سمجھتا ہے، اس لئے کسی قیمت پر بھی اپنی طرف غلطی کا منسوب کیا جانا برداشت نہیں کرتا، اور اگر کوئی ہماری طرف کسی غلطی و زیادتی کو منسوب کرتا ہے کہ تم سے یہ زیادتی گویا ہی ہوئی ہے، تو ہمارا ضمیر بلکہ ضمیر میں چھپا ہوا چور اس کا فوراً انکار کرتا ہے اور بڑے زور و جہد کرتا ہے، اور اپنے مد مقابل کو شیطان سے بھی زیادہ پڑے ٹیب سمجھتا ہے، کوئی ذرا سی معمولی بات اس کے بارے میں

کہہ دے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کہتا ہے یہ ہے ہی شیطان، شیطان کی طرف جو برائی بھی منسوب کی جائے بپا ہے، یہ انسانی کمزوری ہے۔

مخلوق کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں تو...

واقعہ یہ ہے کہ اگر ترازو کے دونوں پلاؤں کو برابر رکھتے ہوئے (جس کو عدل کہتے ہیں) ہم اللہ کی مخلوق کے ساتھ معاملہ کریں تو ہماری یہ کیفیت نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس کیفیت یہ ہوگی کہ اپنے کو غلطی پر سمجھیں، اور دوسرے کو بری سمجھیں گے، بلکہ اس کو غلط فہمی میں جھکا سمجھیں گے، جس سے جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔

جھگڑا تو لیں تو ہم ہی مجرم ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے جاتے تھے، تو دکانداروں سے فرماتے تھے کہ: ”بِزْنٍ وَاَوْجَحُ“ (مشکوٰۃ ص: ۲۵۳) تول کر دو اور جھٹکا ہوا دو، تم لوگوں سے معاملہ کرتے ہوئے جھٹکا ہوا کیوں نہیں دیتے کہ اپنے کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خطا وار نہ کہو، پھر جھڑا کیا ہوگا؟

دوسرا خطا کار ہے تو فرشتہ آپ بھی نہیں:

یہ جو میں نے کہا کہ عدل یہ ہے کہ ترازو کے دونوں پٹے برابر رکھو، دوسرا بھی بچہ را خطا کار انسان ہے، اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، اس سے تمہاری شان میں بھی کوئی بے ادبی ہو گئی ہوگی، اور تم بھی بہر حال بشر ہی ہو، منصوب فرشتہ نہیں ہو، آخر کوئی نہ کوئی کوتاہی دے رہی تمہاری جانب سے بھی ہو جاتی ہوگی اور ہو گئی ہوگی، دونوں کو برابر رکھ کر ہم معاملہ کریں اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے نہیں، تو پھر ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا قصور زیادہ ہے، لوگوں کا کم ہے، اگر انصاف کیا جائے تب تو یہ ہے کہ ہم برابر ہیں، لیکن اگر جھٹکا ہوا دو، تو ہمارا پلڑا بھاری ہے، یعنی ہماری غلطیاں اور ہماری بشریت بھاری ہے، کیونکہ ہم بات کہتے ہیں اور بھول جاتے ہیں، بات کہتے

ہوئے ہماری زبان متناہ نہیں رہتی، کبھی کسی سیاق و سباق میں، کبھی کسی پہلو سے، کبھی کسی انداز میں ہم دوسروں کے بارے میں بات کر لیتے ہیں اور پھر ہم اپنے آپ کو پاک صاف بھی سمجھ لیتے ہیں، تو میرے بھائی! سارا فساد ہمارے اس نفس سے پیدا ہوا، اگر سارے کے سارے لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ دو معاملہ کرتے جو اپنے ساتھ کیا جونا چاہئے، یا اپنے آپ کو اس سطح کی مخلوق سمجھتے جس سطح کی مخلوق دوسروں کو سمجھتے ہیں، تو تھوڑا سا جھکاؤ ہم میں بھی پیدا ہو جاتا۔

اپنی کوتاہیوں کے بارہ میں جو چاہت ہے
وہی دوسروں کے لئے بھی ہو:

جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قصوروں کو، ہماری غلطیوں کو، ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جائے، اس کا تذکرہ نہ کیا جائے، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ آپ بھی شاید یہی چاہتے ہوں گے، میں تو ہم سب قصور وار نہیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگ میری غلطیوں کا تذکرہ کریں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری کوتاہیوں کا، ہماری غلطیوں کا، ہمارے قصوروں کا، ورے گزروں کا لوگ جہ چاند کریں، ان معاملہ میں اپنی زبان بند رکھیں تو کیا جہ ہے کہ ہم خود لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے؟ دوسرے بھی آخر انسان ہیں، ان سے بھی قطعی ہو سکتی ہے۔

غیر کی آنکھ کا تڑکا:

حضرت عیسیٰ علیہ احوۃ والسلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ: "اے شخص! تجھے دوسرے کی آنکھ کا تڑکا نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شبیر نظر نہیں آتا۔" دوسروں کے قصور کو ہم خود دین لگا کر دیکھتے ہیں، اور لاف ادا کی طاقت کے ساتھ ان کا بیان و پرجا کرتے ہیں، دوسروں کی نظر آنے والی برائیوں کو ہم دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ہماری عیبانی نظریں وہاں تک پہنچ جاتی ہیں، اور ہماری پروپیگنڈہ مشینری دوسروں کے عیوب

کو بیان کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آتی ہے، جب تک ہم اس کا چرچا نہ کر لیں، پیٹ میں فٹخ ہو جاتا ہے۔

کیا لوگ ہمارے عیوب کو اچھا لیں؟

کیا تم بھی اپنے ساتھ یہی چاہتے ہو کہ لوگ خوردبین لگا لگا کر تمہارے اندر کے مچھے ہوئے جراثیم دیکھ کر یں؟ اور تم چاہتے ہو کہ لوگوں کی زبانیں قینچیوں کی طرح تمہاری عزت کو تار تار کر دیں؟ کاٹیں؟ اگر نہیں چاہتے ہو تو پھر لوگوں کو معاف کرو، اگر کسی کی کوتاہی تمہاری نظر میں آئی اس پر پردہ ڈال دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”مَنْ مَنَعَ غُورَةَ أَخِيهِ الْمُعْتَلِمِ شَرَّ اللَّهُ غُورَتَهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (کنز العمال ج ۳: حدیث: ۶۳۸۱)

ترجمہ: ”جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔“

جو دوسروں کو نہ بخشے، اسے نہیں بخشا جائے گا:

اور خوب یاد رکھو: ”مَنْ لَا يَغْفِرْ لَا يُغْفَرْ“ اگر تم لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کر دو گے تو پھر یہ توقع مت رکھو کہ اللہ پاک تمہارے قصوروں کو بھی معاف کر دیں، یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

اپنی ذات پر تنقیدی نگاہ ڈالو:

تمہیں لوگوں کے چہانج کے مورخ نظر آتے ہیں، کبھی اپنی چھٹی کو بھی دیکھ لیا کرو، جس میں بہتر چھید ہیں، ہماری کون سی گل سیدھی ہے؟ ہر اکون سا معاملہ درست ہے؟ کبھی یہی تنقیدی نظر جو لوگوں پر ڈالتے ہو، اپنے اوپر بھی ڈال دیا کرو، ہم

اس کے تو روادار نہیں مگر بائیں ہمدنم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ پاک ہمارے عیوب پر پردہ ڈالے رکھے، حدیث شریف میں بھی ہمیں یہی دعائیں سکھلائی گئی ہیں، چنانچہ حدیث کی ایک دعا ہے:

”اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَامْنُ رُءُوسَنَا“

ترجمہ:..... ”یا اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے اور جتنی خوف کی چیزیں ہماری ہیں، ان کو امن سے بدل دے۔“
برآدی یہ چاہتا ہے، ہر آدمی کو یہ دعا کرنی چاہئے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الْمَلِكِ
وَالذَّنْبِ وَالْآخِرَةِ“

ترجمہ:..... ”یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت کی درخواست کرتا ہوں، دین میں بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

اور دوسری حدیث میں ہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي
وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي اللَّهُمَّ اسْرُ عَوْرَاتِي وَامْنُ
رُءُوسِي“ (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۶)

ترجمہ:..... ”یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت چاہتا ہوں (عفو کا معنی ہے معافی) اپنے دین کے معاملہ میں، اپنی دنیا کے معاملہ میں، اپنے مال کے معاملہ میں۔ یا اللہ! ڈھانپ دے میرے عیوب کو اور امن عطا فرما مجھے خوف کی چیزوں سے۔“

اور ایک دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی:

”اَللّٰهُمَّ اخْطِئْ بِيْ مِنْ نِّهْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ لَّوْلِيْ وَاعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اَخْتَالَ مِنْ نَّعْيِيْ“
(ابوداؤد ج: ۲ ص: ۳۶۹)

ترجمہ: ”یا اللہ! میری حفاظت فرما آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں آپ کی عظمت کے سبب اس بات سے کہ ہلاک کیا جاؤں پاؤں کے نیچے سے۔“

ستاری کا مطلب؟

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی دعائیں ہیں، یہاں پر میرا مقصد اتنا ہی بیان کرنا ہے کہ یہ جو ہم دعا کرتے ہیں: ”اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ غَوْزَاتِيْ وَامِنْ رُّوْعَاتِيْ“ یا اللہ! میرے عیوب کو ڈھانپ دے، جب تم اللہ سے درخواست کرتے ہو اور اس کے کرم کی توقع بھی رکھتے ہو کہ اللہ پاک تمہارے عیوب کو ڈھانپ دے اور ڈھانپنے کا پتہ ہے کیا مطلب ہوتا ہے؟ ڈھانپنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ڈھکی ہوئی چیز نظر نہیں آتی، یعنی کسی چیز کو کپڑاؤں کر ڈھانک دیا یا کوئی اور چیز اس پر دے دی، اور وہ نظر نہیں آتی، اسی طرح میرے ان عیوب کو ڈھانک دے، یا اللہ! میرے عیوب تو ایسے ہیں کہ ہر ایک کو نظر آئیں گے، آپ ان کو اپنے ستر جمل کے ساتھ ایسے ڈھانک دیں کہ کسی کو نظر نہ آئیں۔ پھر ایک تو عیوب ہوتے ہیں اور ایک ان عیوب کی بدبو ہوتی ہے، جیسے کسی کے بدن پر پھوڑا نکلا ہوا ہے، وہ ڈھانک دیا، کپڑاؤں پر رکھ دیا تو وہ ڈھک گیا، کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ کپڑے کسے چپے کیا ہے؟ لیکن تھوڑی سی بدبو بھی آتی ہے، پیپ وغیرہ نکلتی ہے، تو اس کا ڈھانکنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی بدبو سے بھی محفوظ رکھے، اور یہی بات یہ ہے کہ ہمارے اندر کے جو عیوب ہیں اگر اللہ تعالیٰ

ستاری کا موعودہ نہ فرمائیں اور اپنی خاص عزیت اور اپنے لطف و کرم سے ان کو
 ڈھانک نہ دیں تو انسان کا ہمارے پاس بیٹھنا بھی مشکل ہوتا۔
 گناہوں کی بدبو ہوتی تو...

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ: اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے
 پاس بیٹھ نہ سکتا! اور بالکل صحیح فرماتے ہیں، میرا بھی ذوق یہی ہے، اگر اندر کے اخلاق
 روزیہ جو تارے دس میں ہیں، چھپے ہوئے ہیں اور جن سے ہم واقف ہیں یا ہمارا اللہ
 واقف ہے، مگر ان کی بدبو ہوتی تو بیوی بچے ہمیں گھر میں نہ رہنے دیتے، باہر نکال
 دیتے، تمہارا ماکہ تو تمہارے ساتھ یہ ستاری کر رہا ہے، تمہارے عیوب کو ڈھانک رہا
 ہے، کسی کو پتہ نہیں چلتے، دیتا، تمہارا ظاہر بھی حسین بنا دیا، ظاہر میں تم پر خوشبو لگا دی کہ
 لوگ تم سے لپٹیں، اور اندر کی بدبو تمہاری ڈھلک دی ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے، تمہارے
 عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

کیا تمہیں معاف نہ کیا جائے؟

مگر افسوس کہ اللہ کی ستاری سے مغرور ہو کر اب تم چاہتے ہو کہ جس نے ہم
 پر ظلم کیا ہے، ہم اس کو معاف نہ کریں گے، یہ تمہارا بہت اچھا دعویٰ ہے، معاف نہ کرو،
 ہرگز معاف نہ کرو، لیکن یہ بات سمجھ رکھو کہ جیسے تم کسی کو معاف کرنے کے لئے آمادہ
 نہیں ہو، اللہ بھی تمہارے قصور کو معاف نہیں کرے گا، بتاؤ اس بات پر راضی ہو؟ سودا
 کرنا چاہتے ہو؟ ابھی آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سنا کہ: جو معافی
 نہیں کرتا اس کو معاف نہیں کیا جاتا، جو وہی لوگوں کے عیوب نہیں ڈھانکتا اس کو ڈرنا
 چاہئے کہ اللہ پاک کہیں میرے عیب سے بھی پردہ نہ اٹھا دے، وہ سیر ہے، وہ صہم
 ہے، اپنے حلم کے ساتھ اس نے ہم پر پردہ ڈالا ہوا ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ کے بندوں
 کے درپے آزار ہونے کی وجہ سے کبھی تھوڑا سا پردہ تمہارے عیوب سے بھی ہٹ کر

لوگوں کو دکھلا دے، اور یہی رسوائی ہے، میں نے آپ کو حدیث شریف کی ایک دعا سنائی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے اہتمام سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ غَائِبِكَ بَنِيْ عَالِمٍ وَلَا تُغْلِبْنِيْ فَوَائِكَ عَلٰی قَادِرٍ" (کنز العمال ج: ۲، حدیث: ۵۱۴۶)

ترجمہ: "اے پروردگار! مجھ کو رسوائی کی وجہ سے نہ چھپا سکتے ہیں تو مجھے جانتے ہی ہو، (میں بندوں کی نظروں سے چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے) اور مجھے عذاب نہ دے جو! آپ مجھ پر قدرت رکھتے ہوں!"

اللہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے:

جب چاہے اللہ تعالیٰ پکڑ لے، جس چیز پر چاہے پکڑ لے، یہ جو تم بڑے مزے سے عبادت کرتے آئے تھے، جمع پڑھنے کے لئے آئے تھے، اگر اللہ چاہے تو تمہاری اس نماز پڑھنے پر تمہیں پکڑ لے کہ تالائق! کیسی نماز پڑھتے ہو؟ گناہوں پر نہیں، ہماری عبادتوں پر ہمیں پکڑ لے، یہ کریم آقا کا حکم ہے کہ تمہیں پکڑتے نہیں ہیں، اور تم ہو کہ لوگوں کے محبوب کو تلاش کرتے پھرتے ہو، اس کو لوگوں کے سامنے گاتے پھرتے ہو۔

جو توبہ نہیں کرتا...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"زَمَنْ لَا يُصَبِّحُ لَا يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ"

(کنز العمال ج: ۳، حدیث: ۵۹۲۶)

ترجمہ: "... جو توبہ نہیں کرتا اس کی طرف حق تعالیٰ شانہ کی عنایت و رحمت متوجہ نہیں ہوتی۔"

بندے کو چاہئے کہ ہمد وقت: سچے عیوب پر نظر رکھتے ہوئے اللہ کی بارگاہ عالی میں توبہ کرتا رہے، یہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اگر یہ توبہ نہ کرے تو یہ اللہ کی خصوصی عنایت و توجہ کا مستحق نہیں ہے، ویسے تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہر وقت شامل حال رہتی ہے، شیخ سعدی رحمہ اللہ کے بقول کہ:

ادیم زمین سفرائے عام دست

کہ دشمن بریں خاند یغما چہ دوست

یہ روئے زمین اس مالک کا دسترخوان بچھا ہوا ہے، سب دوست و دشمن یہاں پر کھا کھاتا رہا ہے ہیں، کئی کو روک ٹوک نہیں، دوست آئے، دشمن آئے جو آئے کھاتے۔

فرعونیت چھوڑ دو:

لیکن ایک عروم کے ساتھ عنایت ہوتی ہے، اور ایک اپنے خاص بندوں کے ساتھ ہوتی ہے، خاص بندوں کے ساتھ اللہ رب العزت کی عنایت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ وہ عیدیت، جالائیں، بندے بن کر آئیں، نافرمان نہیں، قر، نیر، بن کر آئیں، سرش زمین بلکہ مطیع بن کر آئیں، فرعون نہیں بلکہ موازن بن کر آئیں، اور خدا نہیں بلکہ بندے بن کر آئیں، اپنی خدائی کائنات باہر پھینک کر آئیں، یہ دماغ میں جو سودا بنایا ہوا ہے اپنی خدائی کا، اس کو پھینک کر آئیں، زمین میں سوائی ہوئی اس خدائی کو خیر کی کنڈی پر الٹا کر آیا کرو۔

مسجد میں کوئی صاحب بہادر نہیں:

مسجد میں آتے ہو تو اپنی خدائی کا تاج وہیں چھوڑ آیا کرو، مسجد میں نہیں، مسجد میں صرف تم بندے ہو، یہاں نہ کوئی صاحب بہادر ہے، نہ کوئی سیٹھ جی ہے، نہ کوئی

کلاس انسر ہے۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہو، یہ اپنے القاب و اُداب کی تمام کی تمام پگڑیاں اور تاج و جیں ہی چھوڑ کر آیا کرو، یہاں جب آؤ تو بندے بن کر آؤ، یہاں سب برابر ہیں۔ یہ اس سرکار عالی کا دربار ہے، یہاں سب بندے ہیں، ہاں! یہ الگ ہے کہ کچھ زیادہ گناہگار ہوں گے، کوئی کم گناہگار ہوں گے، کوئی زیادہ قصور وار ہوں گے، کوئی کم قصور وار ہوں گے، کسی میں عیوب زیادہ پائے جاتے ہوں گے، کسی میں عیوب کم پائے جاتے ہوں گے، لیکن یہاں آکر دوسروں کے عیوب کو نہ دیکھو، اپنے گریبان میں جھانکو، تم اگر غور کرو گے تو تمہارے اندر کا آدمی تمہیں خود کہے گا کہ اللہ کی مخلوق میں مجھ سے زیادہ پانی اور گناہگار کوئی دوسرا نہیں ہے، یہ خائن مساجی کیوں ساتھ ملائے ہو؟ یہ صاحب بہادری کیوں ساتھ لگاتے ہو؟ یہ تمام اپنے القابات باہر رکھ کر آیا کرو، اللہ کی بارگاہ میں آؤ تو بندے بن کر آؤ، جو بندہ بن کر آئے، اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے آئے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے آئے، اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے آئے، اس کی طرف تو عنایت خاص متوجہ ہوتی ہے، پھر جس درجہ کی توبہ ہے اسی درجہ کی عنایت بھی ہوگی، لیکن جو توبہ نہیں کرتا ہے اس پر عنایت نہیں ہوتی، اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی، توبہ کیسے قبول کی جاتی، جبکہ اس نے توبہ ہی نہیں کی۔

جو تفتویٰ نہ اپنائے اُسے نہیں بچایا جاتا:

اور اب اس خطبہ کا آخری فقرہ ہے: جو شخص تفتویٰ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

"وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهٗ مِنْ شَیْءٍ ۚ وَنُزِّلَتْ مِنْ

(الطلاق: ۳۰)

حَبْثٍ لَا يَخْتِیْبُ."

اور جو ڈرے اللہ سے، اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں اس کے لئے نکلے کی

صورت، یعنی مشکل جگہ سے نکلنے کی صورت پیدا کر دیتے ہیں، اور اس کو رزق دیتے ہیں، ایسی جگہ سے کہ اس کو دہم دھماکا بھی نہیں ہوتا۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ:

”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا“

(الطلاق: ۴)

جو شخص تقویٰ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيهِمْ لَاحِقًا

مال،
اہل و عیال
اور اعمال،
زیادہ مفید کون؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(المصنف رحمه الله تعالى) عني عطاء، والذين (يعلمون)

”عَنْ عَائِشَةَ وَحَبِيبَةِ اللَّهِ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لِأَصْحَابِهِ: اتَّبِعُوا مَا مَثَلُ أَحَدِكُمْ وَمَثَلُ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَغَنَمِهِ؟ فَقَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ! فَقَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ أَحَدِكُمْ وَمَثَلُ مَالِهِ وَأَهْلِهِ وَوَلَدِهِ وَغَنَمِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ لَهُ ثَلَاثَةُ إِخْوَةٍ فَلَمَّا خَضِرَتْهُ الْوُفَاةُ دَعَا بَعْضَ إِخْوَتِهِ فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ بِي مِنَ الْأَمْرِ مَا نَرَى، فَلَمَّا بَلَغَ عِنْدَكَ وَمَا لِي لَدَيْكَ؟ فَقَالَ: لَكَ عَبْدِي أَنْ أَمْرِي بِكَ وَلَا أَنْ أَمْرِي لَكَ وَأَنْ أَقْرَبُ بِشَأْنِكَ، فَإِذَا مِتَ غَسَلْتُكَ وَكَفَنْتُكَ وَحُمِلْتُكَ مَعَ الْحَابِلِينَ، أَخْرَجْتُكَ طَوْرًا وَأَمِيطُ عَنْكَ طَوْرًا، فَإِذَا رَجَعْتَ أَتَيْتُ عَمَلِيكَ بِخَيْرٍ عِنْدَ مَنْ يُسْأَلُنِي عَنْكَ. هَذَا أَحْوَدُ الْبُذَى هُوَ أَهْنُهُ لَمَّا تَرَوْنَهُ؟ قَالُوا: لَا نَسْمَعُ خَابِلًا يَا رَسُولَ اللَّهِ! ثُمَّ يَقُولُ لِأَخِيهِ الْأَخَرِ: أَمْرِي مَا قَدْ نَزَلَ بِي لَمَّا لَدَيْكَ

وَمَا لِيْ عِنْدَكَ؟ فَيَقُوْلُ: لَيْسَ لَكَ عِنْدِيْ عَنَاءٌ اِلَّا
وَأَنْتَ فِي الْاَخْيَارِ، فَاِذَا مَثَّ ذُهَبٌ بِكَ فِي مَذْهَبٍ
وَذُهَبٌ بِنِيْ لِيْ مَذْهَبٌ هَذَا اُخُوَّةُ الَّذِي هُوَ مَا لَمْ يَكُنْ
تُرُوْنَهُ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا بِهَا وَرُسُوْلُ اللهِ ثُمَّ يَقُوْلُ
لَا جَبِيْهَ الْاَخْبَرِ: اَتَرَى مَا فَدَى رُسُوْلُ بَنِيْ زَمَارَةَ عَلَيَّ اَهْلِيْ
وَمَا لِيْ لِمَا لِيْ عِنْدَكَ وَمَا لِيْ لَدُنْكَ؟ فَيَقُوْلُ: اَنَا
صَاحِبُكَ فِي لَعْنِكَ وَابْنُكَ فِي وَحْشِكَ وَتَقْعُدُ
يَوْمَ النُّوْزِ فِي مِيْزَانِكَ فَاتَّقِلْ مِيْزَانَكَ هَذَا اُخُوَّةُ الَّذِي
هُوَ عَمَلُهُ كَيْفَ تَرُوْنَهُ؟ قَالُوْا: خَيْرٌ اَخٍ وَخَيْرٌ صَاحِبٍ يَا
رُسُوْلُ اللهِ قَالَ: فَاِنْ اَلَامَرْتُ هَكَذَا قَالَتْ غَائِثَةُ رَضِيَ اللهُ
عَنْهَا: فَقُمْتُ اِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بِنُ كُرْبٍ فَقُلْتُ: يَا رُسُوْلُ اللهِ اَتَأْتِي
بَنِيْ نَزْلٍ اَقُوْلُ عَلَيَّ هَذَا اَيُّهَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ فَذَهَبَ لِمَا بَاتَ
اِلَّا لَيْلَةً حَتَّى غَادَ اِلَى رُسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَوَلَّاهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاجْتَمَعَ الْمَأْسُ وَانْشَأَ يَقُوْلُ:

فَإِنِّيْ وَاهْلِيْ وَالَّذِيْ قَدَمْتُ يَدِيْ
كَدَّاعٍ اِلَيْهِ ضَعِيْفَةٌ ثُمَّ قَاتِلِ
لَا حَوْتَهُ اِذْ هُمْ ثَلَاثَةُ اُخُوَّةٍ
اَعِيْزُوْا عَلَيَّ اَمْرُ بَنِي الْيَزْمِ نَادِلِ
فِرَاقِ طَوِيْلٍ غَيْرِ مُتَشَقٍّ بِهِ
فَسَادًا لَدُنْكُمْ فِي الَّذِي هُوَ غَائِلِ
فَقَالِ اَمْرُوْ مِنْهُمْ اَنَا الصَّاحِبُ الَّذِي
اطِيعُكَ فَيَمَّا سَبَحْتُ قَبْلَ الشَّرِّ اَتَلِ

فَاثْمًا إِذَا خِذَ الْفِرَاقُ فَبَاتَنِي
 لَمَسًا يَبْسُتُنَا مِنْ خُلَّةٍ غَيْرِ وَهَبِ
 فَخُذْ مَا أَرَدْتَ الْآنَ مَبْنَى فَبَاتَنِي
 سَتُضْلِكَ بِي فِي مَهْلِكٍ مِنْ مَهَائِلِ
 فَتَنْتَقِي لَا تُبْقِي فَاثْمًا يَبْسُتُنِي
 وَتَحْجِلْ ضَلَاخًا قُلْ خُصْبٌ مُعَاجِلِ
 وَقَالَ امْرُؤٌ قَدْ كُنْتُ جَدًّا أَحَبُّهُ
 وَأَوْفَرُهُ مِنْ بَيْنِهِمْ فِي التَّغَاضُلِ
 عَنَانِي أَنِّي جَاهِدُكَ بِاصْبِرْ
 إِذَا جَدُّ حُدَّ الْكَرْبُ غَيْرَ مُقَاتِلِ
 وَلَكِنِّي بَاكِ غَنِيكَ وَمَغْوَلٌ
 وَمُسْتَرْبٍ بِخَيْرٍ عِنْدَ مَنْ هُوَ سَائِلِ
 وَمُتَّبِعُ الْمَتَابِثِينَ أَمْبِي مُشْتَبِعِ
 أَعْلِي بِسِرِّ قِي عُثْبَةٍ تَحْمِلُ حَامِلِ
 تَلِي تَبْتُ مَشْوَاكَ الْيَدَى أَنْتَ مَذْخَلِ
 أَرْجَحُ مَضْرُوءًا بِنَا هُوَ ثَابِلِي
 كَأَنَّ لَمْ يَكُنْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ خُلَّةٌ
 وَلَا عَسْنٌ وَدَ مَرَّةً فِي التَّضَادِلِ
 فَذَلِكَ أَضَلُّ الضَّرِّ ذَاكَ عَسَاؤُهُمْ
 وَالْإِسْرَافُ نَحَاؤُهُ حَرَامًا بَطْلَانِ
 وَقَالَ امْرُؤٌ مِنْهُمْ أَنَا لَا تَرَى
 نَحَاؤُكَ مَقْبِي عِنْدَ كَرْبٍ تَرَى لَارِي

لَدَى الْقَبْرِ نَلْقَانِي هَذَاكَ فَاَجْعَلْ
 اَجَادِي غِنِيكَ الْفَقْرَ زَجْعَ الْجَادِي
 وَاقْعُدْ يَوْمَ الْوَزْنِ فِي الْمَكَّةِ الْبَيْتِ
 فَكُونَ عَلَيْهَا جَاهِدًا فِي التَّحَاقُلِ
 فَلَا تَنْسَى وَاعْلَمْ مَكِّيَّ قَائِلِي
 عَلَيْكَ شَفِيقٌ نَاصِحٌ غَيْرُ خَادِلٍ
 قَدْ لَكَ مَا قَدَّمْتُ مِنْ كُلِّ صَالِحٍ
 تُلَاقِيهِ اِنْ اَحْسَنْتَ يَوْمَ التَّوَاصُلِ

فیکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ویکس
 المسلمون من قوله: وَتَكُنْ غِنَى اللَّهِ يَوْمَ تَكُونُ لَا يَمُرُّ
 بِطَائِفَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا دَعْوَةٌ وَاسْتَشْفَاؤَةٌ، فَبِذَا
 انْشَدَهُمْ يَكُونُ" (کنز العمال ج ۱۵ حدیث: ۴۰۹۸)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے
 فرمایا: جانتے ہو تمہاری مثال اور تمہارے اہل و مال اور عرس کی
 مثال کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ
 وسلم بہتر جانتے ہیں! فرمایا: تم میں سے ایک کی مثال اور اس کے
 مال اور اس و اولاد اور عرس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کے تین
 بھائی تھے، جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے ایک بھائی
 کو بلایا اور کہا کہ: مجھ پر جو حالت حاوی ہے، وہ تم دیکھ رہے ہو،
 بتاؤ! تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ: میں یہ کر سکتا
 ہوں کہ تیری تازہ داری کروں اور تیری جو حالت ہے اس پر رونا

رات کھڑا رہوں، جب تو مر جائے تو تجھے غسل دوں، کفن پہن دوں، اور اللہ نے دلوں کے ساتھ تجھے اٹھاؤں، نبھی اٹھاؤں اور نبھی کندھا ہٹا دوں، اور جب میں تجھے دفن کر کے واپس آ جاؤں تو لوگوں کے سامنے تیری تعریف کروں، جو نبھی مجھ سے تیرے بارے میں پوچھے (یہ بھائی اس کے گھر کے لوگ یعنی بیوی اور بچے ہیں)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا کہ: تم اس بھائی کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نہیں سنتے کوئی ایسی چیز جس میں کوئی منفعت ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر وہ اپنے دوسرے بھائی کے بارے میں کہتا ہے کہ: مجھ پر جو حالات آئی ہے، تم دیکھو ہی رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: تمہارے لئے میرے پاس کوئی کام کی چیز نہیں، مگر جب تک تم زندہ ہیں شمار ہوتے ہو، جب تم مر جاؤ گے تو تمہارا راستہ دوسرا ہوگا، میرا راستہ دوسرا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) یہ اس کا دوسرا بھائی ہے، جس کو مال کہتے ہیں، بتاؤ! تم اس کو کیا دیکھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کچھ کام کا نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تیسرے بھائی سے کہتا ہے کہ مجھ پر جو حادثہ نازل ہوا ہے، اور میرے اہل خانہ نے اور میرے مال نے جو جواب دیا ہے، وہ تم نے سن لیا ہے، تم بتاؤ کہ تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: میں حیرا رہتی رہوں گا تیری لحد میں، حیرا مانس اور حیرا غلخوار رہوں گا تیری وحشت میں، اور میں بیٹھ جاؤں گا وزن

کے دن تیرے تر ازد میں (اور تیرے تر ازد کو بھاری کر دوں گا)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) یہ اس کا وہ بھائی ہے جس کو عمل کہتے ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! بہت ہی اچھا بھائی ہے اور بہت ہی اچھا رشتہ ہے! فرمایا کہ: پھر معاملہ یوں ہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد من کر حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس پر کچھ اشعار بنا کر پیش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور! وہ چلے گئے، ایک رات رہے، دوبارہ واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے، لوگ بھی جمع ہو گئے، انہوں نے یہ نظم پڑھی کہ:

بے شک میں اور میرے اہل خانہ اور وہ عمل جو میں نے آگے بھیجا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے رفقا کو بلائے پھر وہ کہے اپنے قمن بھائیوں سے کہ آج جو حال مجھ پر پیش آیا ہے، اس میں میری مدد کرو! طویل جدائی ہے اور آئندہ کا کچھ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ اب جو حوادث میرے سامنے پیش آنے والے ہیں، بتاؤ! کہ تمہارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ: میں تیرا رشتہ ہوں، تیری اطاعت کروں گا، اور تو جو بھی کہے تیرا کہنا مانوں گا، لیکن موت آنے سے پہلے پہلے، جب جدائی واقع ہو جائے تو ہرے درمیان جو دیتی ہے وہ ختم، جو کچھ لینا چاہتا ہے مجھ سے اس

وقت لے سکتا ہے، کیونکہ تیرا جب انتقال ہو جائے گا تو مجھے کسی دوسرے راستے میں لے جائیں گے، اگر تو مجھے باقی رکھنا چاہتا ہے تو باقی نہ رکھ، بلکہ مجھے خرچ کر دے، اور جلدی کر، موت کے آنے سے پہلے پہلے مجھے خرچ کر دے۔ ایک نے کہا کہ: میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، اور لوگوں کے درمیان جب مقابلہ ہوتا ہے میں تمہیں ترجیح دیتا ہوں، میری خدمت یہ ہے کہ میں تیرے لئے دن رات خیر خواہی اور محنت کروں گا، جو بیماری اور پریشانی ہو، لیکن جب تو مر جائے گا تو تیرے اوپر روؤں گا اور مین کروں گا، کوئی حیرانم نے گا تو اس کے سامنے تیری تعریف کروں گا، جو تجھے رخصت کرنے جائیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا، اور کندھا دینے والوں میں کندھا دینے کی مدد کروں گا، اور میری یہ خدمت قبر تک رہے گی جس میں تو داخل کیا جائے گا، جب تو اپنی قبر میں چلا جائے گا تو میں واپس آ جاؤں گا، کیونکہ میرے اور بہت سارے مشاغل ہیں، اور میں تجھے ایسا چھوڑ کر آ جاؤں گا کہ گویا میرے درمیان اور تیرے درمیان دوستی نہیں تھی اور نہ کوئی حسن معاملہ تھا، بس! یہ آدمی کے گھر کے لوگ ہیں، بیوی بچے اور یہ ان کی خدمت ہے، اور یہ چیز اگر چہ وہ کتنے ہی حریص ہوں لیکن مفید نہیں ہے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ: میں تیرا ایسا بھائی ہوں کہ مجھ جیسا بھائی مصائب کے تازل ہونے کے وقت نہیں دیکھا ہوگا، تو قبر میں جائے گا تو وہاں مجھے بیٹھا ہوا پائے گا، تجھ سے منکر نکیر جھگڑا کریں گے تو میں جواب دوں گا، اور وزن کے دن میں اس پڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس میں

تو ہوگا، اور اس پلڑے کو بوجھل کرنے کی کوشش کروں گا، سو تو مجھے بھول نہیں اور میرے مرتبے کو پہچان لے، اس لئے کہ میں تجھ پر شفیق ہوں، تیرا خیر خواہ ہوں، کسی وقت تیری مدد چھوڑنے والا نہیں ہوں، بس یہ بھائی ہر وہ ٹیک محل ہے جو تو نے آگے بھیجا تو اس کو پائے گا، اگر تو نے نیکی کی، ملاقات کے دن کے لئے۔

یہ ارشاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور مسلمان بھی روئے۔ حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ جب بھی مسلمانوں کے کسی مجمع کے پاس سے گزرتے تھے، وہ حضرات ان کو بلواتے اور ان سے یہ اشعار پڑھواتے، جب یہ شعر پڑھتے تو سب کے سب رو پڑتے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہیں مختصر اور کہیں لمبی، بہت ساری کتابوں میں موجود ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے مال اور اس کے دہل و عیال اور اس کے اعمال صالحہ کی مثال بیان فرمائی ہے۔

بے وفا دوست:

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی ہے کہ سب سے زیادہ بے وفا دوست مال ہے کہ تمہاری زندگی میں تو تمہارے کام کا سبب بنیگا جب روح تن سے الگ ہو جائے تو دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے، تمہارے پاس رہتا ہی نہیں۔

ابن آدم کا مال؟

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

”مَنْ قَوْلُ النَّفْسِ: مَالِي، مَالِي، اَوْ اِنْ مَالَهُ مِنْ مَالِي“

سَلَامٌ: مَا أَكْمَلَ قَائِلِي، أَوْ لَيْسَ قَائِلِي، أَوْ أُعْطِيَ قَائِلِي
وَمَا مَسْئُومِي ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ“

(مشکوٰۃ ص: ۴۴۰)

ترجمہ:..... ”آدم کا بیٹا کہتا ہے کہ: میرا مال! میرا مال!
آدم کے بچے! تیرے دل میں سے صرف تیرا مال وہی ہے جو تو
نے کھالیا اور کھا کر ختم کر دیا، یا تو نے ہمیں لیا اور ہمیں کر بوسیدہ
کر دیا، یا تو نے آگے بھیج کر اپنے لئے جمع کر لیا، اور ان تینوں
چیزوں کے علاوہ باقی بھٹنا تیرا مال ہے تو اس کو دوسروں کے لئے
چھوڑ کر چلا جائے گا، وہ تیرا نہیں!“

اہل و عیال قبر میں کام نہ دیں گے:

اور اہل و عیال کے بارے میں یوں فرمایا کہ: قبر کے کنارے تک ساتھ
دیتے ہیں۔

آدمی مرنے والا ہو، موت و حیات کی کشش میں ہو تو یہ اپنی حد تک اس کی
جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو خدمت یہ کر سکتے ہیں اس کے کرنے کی کوشش
کرتے ہیں، وہ بھی کسی کو نصیب ہے اور کسی کو نہیں، مر گیا تو غسل اور کفن کا انتظام
کر دیا، اور کندھے بدل بدل کر قبر تک پہنچا دیا، قبر میں لٹا کر اوپر چڑھوں من وزن
ڈال دیا، تاکہ یہ بھاگ نہ آسکے، چند روز رو دھولے، کچھ اپنی رسم و رواج کے مطابق
تقریبات کر لیں اور کوئی تعزیت سے لئے آیا تو اس کے سامنے تعزیتیں کر دیں اور بس!
اللہ! اللہ! خیر صلا! قصہ ختم، لیکن قبر میں اس پر کیا گزر رہی ہے؟ اس کا کسی کو کچھ معصوم
نہیں! اکبر الہ آبادی کے بقول:

ہمیں کیا جو تربت پہ پیلے رہیں گے!
تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے!

پختہ قبر بنانا:

بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ قبر پکی بنا دیتے ہیں، اوپر مقبرہ بنا دیتے ہیں۔ میں ماسوں کا لٹخن میں ہوتا تھا، وہاں ایک صاحب کے لڑکے کا انتقال ہو گیا، جو اس سال لڑکا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے والدین کو صدمہ تو ہونا ہی تھا، اس کے باپ نے قبرستان میں اس کی پکی قبر بنائی اور اس کے اوپر سائبان کی چھت بنا دی۔ بھلا مردے کو اس کا کیا فائدہ؟ کیا اس سے اس کی مغفرت ہو جائے گی یا اس کو شغفک پہنچے گی؟ اَللّٰہُ خَلَّاسٌ شَرِیْعَتِ کَرْنِے سے اندیشہ تکلیف ہے۔

قبر پر ڈیرہ لگانا:

ایک روایت میں ہے کہ:

”قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ
حَضَرَتْهُ إِسْرَاقَةُ الثَّقَبَةِ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً ثُمَّ رَأَتْهُ فَسَجَعَتْ
ضَابِحًا يَقُولُ: أَلَا هَلْ وَجَدُوا مَا فُقِدُوا؟ فَأَجَابَهُ آخَرُ: بَلْ
يَبْشُرُوا فَاغْتَلَبُوا“ (مشکوٰۃ ص: ۱۵۲)

ترجمہ: ”کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی اہلیہ کو بہت صدمہ ہوا، اور جا کر ان کی قبر پر ڈیرا لگا دیا، لوگوں نے بہت منع کیا، مگر وہ مانی نہیں، کہنے لگی کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا، ایک سال تک قبر پر پڑی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی، اور اس نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ: کیا جس کو انہوں نے گم پایا تھا کیا وہ ان کو مل گیا،

دوسرے نے جواب دیا: نہیں! بلکہ ماہوس ہو کر لوٹ گئے۔“

یہ تمہاری آہ و زاری میت کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس لئے کہ یہ تم اپنے لئے کرتے ہو، اس کے لئے کچھ نہیں، یہ نتیجہ اور دھواں کرو، چٹلم کرو یا ہر میاں مذاق یہ سب کچھ تم اپنے لئے کر رہے ہو، مرنے والے کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے۔

ہمارے یہاں مہمانوں میں رواج ہے کہ اگر کوئی روزِ حرام جائے تو باقاعدہ شادی کی طرح دعوت کرتے ہیں، تمام عزیز و اقارب کو بلاتے ہیں، بکرے اور اسی طرح دوسرے جانور وغیرہ کاٹتے ہیں، بڑی ٹھات کی دعوت کرتے ہیں، غرضیکہ اہل ایمان دُفعن کر کے واپس آ گئے، میت کس حال میں ہے؟ اس پر کیا گزر رہی ہے؟ ان کی دہانہ تک نہ رہائی ہے اور نہ کوئی ان کی خدمت کر سکتا ہے، اس کے لئے تو اب مشکلات شروع ہوئی ہیں، اب پتہ نہیں ختم کب ہوں گی؟

قبر کی پکار:

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قبر آدمی کو روزانہ پکارتی ہے، ترمذی شریف کی یہ حدیث ہے، قبر کہتی ہے:

”أَنَا قَبْرُ الْعُزْبَةِ! أَنَا قَبْرُ الْوَحْدَةِ! أَنَا قَبْرُ

الْغُرَابِ! وَأَنَا قَبْرُ الدُّوْدِ!“ (ترمذی ج: ۲، ص ۶۹)

ترجمہ: ”میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر

ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں!“

کہا جاتا ہے کہ قبر روزانہ پانچ مرتبہ پکارتی ہے، اور تمہارے لئے روزانہ پانچ ہی نمازیں مقرر کی گئی ہیں، تاکہ تم آخری التیات میں یہ دعا پڑھو:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْلِ وَالْهَرَمِ

وَالْمَنَامِ وَالْعَقَمِ وَمِنْ لَبْسَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ

النَّارِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْعَنَى وَأَعُوذُ بِكَ
مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسْبُوحِ
الَّذِي جَاءَ... " (بخاری ج ۲ ص ۹۳۳)

ترجمہ: "اے اللہ! میں یہ مانگتا ہوں کہ میں سے،
یہ بھاپے سے، گنہگاروں سے، قرض سے، قبر کے فتنہ سے، قبر کے
عذاب سے، لوگوں کے فتنہ سے، دوزخ کے عذاب سے، مالداروں
کے فتنہ کے شر سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں مخلدستی کے فتنہ سے،
اور میں پناہ مانگتا ہوں کانے و خیال کے فتنہ سے۔"

عذاب قبر؟

یہ روایت میں ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ يَهُوذَا دَخَلَ
عَلَيْهَا فَلَمْ تَكُنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا: أَغَاذِبُكَ اللَّهُ مِنْ
عَذَابِ الْقَبْرِ! فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ! عَذَابِ الْقَبْرِ حَقٌّ.
قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَا زَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلَوةٍ إِلَّا تَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ
الْقَبْرِ." (بخاری ج ۲ ص ۲۵)

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی
ہیں: ایک دفعہ ایک یہودی عورت میرے پاس آئی، اس نے قبر کا
ذکر بھیر دیا، پھر کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تجھے عذاب قبر سے پناہ عطا
فرمائے (میں نے عذاب قبر کی بات کبھی نہیں سنی تھی، میں نے

کہا۔ کیا عذاب قبر ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبر
شریف لائے تو میں نے قبر کے عذاب کے بارہ میں پوچھا،
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کا عذاب برحق ہے! حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: اس واقعہ کے بعد مجھے یاد
نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز پڑھی ہو۔ اور اس
میں عذاب قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔^۱

تو غرضیکہ اس دوسرے بھائی اور رفیق سے مراد یہی ہے، بچے ہیں، عزیز و
اقارب ہیں، دوست احباب ہیں، یہ مردے کو قبر کے سپرد کر کے چلے آئے اور آ کر
اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس پر دو چار
دن آنسو بہا لیتے ہیں، اور کچھ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کر دیتے ہیں کہ بہت
اچھا آدمی تھا۔

مردے کی بے جا تعریف پر عذاب:

بعض اوقات تعریف بھی غیر واقعی کرتے ہیں، واقعی تعریف نہیں کرتے، یہ
اتنا کماتا تھا، اتنا کھاتا تھا، یہ کرتا تھا، وہ کرتا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب
اس کی تعریف کرتے ہیں اور جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں تو:

”..... اِلَّا وَشَکِلَ اللّٰهُ بِہِ مَلَکَیْنِ یُلَہْذٰنِیْہِ وَیَقُوْلَانِ:

(مشکوٰۃ ص: ۱۵۲)

”اھکذا کُنْتُ؟“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ مرنے والے پر دو فرشتے مقرر

کر دیتے ہیں اور وہ دونوں مردے کو چوکے دے کر کہتے ہیں تو

ایسے ہی تھا؟“

لہجے اعلیٰ و عیال، بیوی بچے اور دوست احباب اب بھی اس غریب کا چچھا

نہیں چھوڑتے، بلکہ کہتے ہیں کہ اس نے گلہ رکھے ہے یہ یہ چیزیں خریدی تھیں، ٹیلی ویشن لائے تھے، خاں چیز لائے تھے، وہی گلے تھے، بہت بڑی مشین لائے تھے اور خاں فلاں چیزیں لے کر آئے تھے، قبر میں ان چیزوں کو پوچھیں گے، تعریفیں تو کرتے ہیں مگر ایسی فضول و مہمل اور بالکل لغو، جس سے اس غریب کی تکلیف میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے، ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ صبح کے وقت یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گزر گزرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا کرتا تھا، کسی کا حق نہیں مارتا تھا، کسی کے ساتھ نہ الصافی نہیں کرتا تھا، فرائض شریعہ کا پابند تھا، اللہ تعالیٰ کا ٹیپ بندہ تھا، یہ باتیں ان کے منہ سے نہیں نکلتیں، ہوتیں تو نکلتیں۔

مردے کی واقعی اچھائیاں بیان کرو!

اگر یہ باتیں کریں تو ان کی یہ باتیں کرنا اور تعریف کرنا اللہ تعالیٰ کے بیان شہادت بن جاتی ہے۔ وہ مشہور حدیث ہے جو کہ میں سنا چکا ہوں

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَرُّوا بِخَنَازِرٍ فَأَتَنَرُوا عَلَيْهَا خُبْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَجِبَتْ أَنْتُمْ مَرُّوا بِأَخْرَجِي فَأَتَنَرُوا عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ: وَجِبَتْ! فَقَالَ عُمَرُ: مَا وَجِبَتْ؟ فَقَالَ: هَذَا أَتَيْنَكُمْ عَلَيْهِ خُبْرًا، فَوَجِبَتْ لَهُ النَّارُ، وَهَذَا أَتَيْنَكُمْ عَلَيْهِ شَرًّا، فَوَجِبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ“ (مسند احمد، ص: ۱۲۵)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزر رہا، فرمایا: واجب ہوگئی! ایک اور جنازہ گزر رہا، فرمایا: واجب ہوگئی!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ! دو جنازے گزر دے، دونوں پر آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی!) کیا واجب ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلا جنازہ گزرا تو تم لوگوں نے اس کی اچھی تعریف کی کہ یہ بہت اچھا آدمی ہے، نیک آدمی ہے، میں نے کہا کہ: واجب ہوگئی، یعنی جنت واجب ہوگئی۔ اور جب دوسرا جنازہ گزرا تو تم نے دوسری قسم کی رائے کا اظہار کیا، منافق تھا، جلا ظالم تھا، میں نے کہا کہ: واجب ہوگئی، یعنی جہنم واجب ہوگئی۔ تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو زمین میں، یعنی تمہاری شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔

یہ تو تھا دوسرا دوست، اس دوست کا بھی پتہ چل گیا۔

اعمالِ صالحہ کی وفاداری:

اس نے تیسرے دوست کو بلایا، تیسرے رفیق کو بلایا، یہ اس کا عمل تھا، اس سے کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے تم دیکھ رہے ہو، نزع کا سامنا ہے، روح اور بدن کی علیحدگی ہو رہی ہے، اور ایک بالکل نیا سفر درپیش ہے، نہایت طویل سفر اور ان دیکھے راستے، بہت ہی پریشانی اور بے چینی ہے کہ میرا کون سا تھ دے گا؟ یہ جو میرے مال نے جواب دیا وہ بھی تم نے سن لیا ہے، اور میرے اہل و عیال نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تم نے سن لیا ہے، انہوں نے صاف صاف جواب دے دیا ہے کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، نہ آپ کے ساتھ رفاقت کریں گے، نہ آپ کے ساتھ جائیں گے، نہ آپ کے ساتھ قبر میں اتریں گے، تم بتاؤ! کہ تم کیا کر رہے؟ کہنے لگے کہ: تم اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو پہلی بات یہ ہے کہ ہر موقع پر تمہاری مدد کروں گا، نزع سے لے کر میزان تک، قیامت کے دن، حشر کے دن، میزان یعنی ترازو جو رکھی جائے گی

اس وقت تک میں تیری مدد کروں گا، تیرے ساتھ رہوں گا اور تیرا سونس و غنوار بنوں گا، تیری تنہائی پر اسیلے پین کو اور کروں گا، مجھ سے ہو کہ تو روشنی بھی کروں گا، کوئی تجھ پر حسد اور ہوگا تو جواب بھی دوں گا، مداخلت بھی کروں گا، منکر تکبر سوال کریں گے تو سوال و جواب کی بھی کفایت کروں گا، اور قیامت کے دن اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس پلڑے کو تو بھاری دیکھنا چاہتا ہے، اور جتنی میری ہمت ہوگی، جتنا میرا وزن ہوگا میں وہنا پورا وزن تیرے پلڑے میں ڈال دوں گا، یہاں تک کہ تجھے جنت میں پہنچا دوں گا۔

قبر میں برے اعمال کی شکل:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بدکار آدمی کے سامنے نہایت ڈراؤنی شکلیں آتی ہیں، اور وہ ان کو دیکھ کر گھبراتا ہے، گھبراہٹ تو پہلے ہی موجود ہے، تنہائی اور وحشت ہے، چنانچہ یہ چلاتے ہوئے پریشانی کا ظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: خدا تمہارا نام کرے تم کون ہو؟ تو وہ کہتا ہے کہ تم فکر نہ کرو، میں تمہارا وہ برائے ہوں جو تو نے کیا تھا، اس کے بعد وہ سارے کے سارے اعمال بد پڑا ہاندھ کے آجاتے ہیں، چیلوں کی شکل میں، بدردحوں کی شکل میں، بھیڑیوں کی شکل میں، جنگل کے درندوں کی شکل میں، سانپوں اور بچھوؤں کی شکل میں، وہ اس کے ساتھ آکر لپٹ جاتے ہیں، انا اللہ! ایسے راجعون! کہتے ہیں ہاں! کہ قبر میں سانپ اور بچھو ہوں گے، وہ کہہ اپنے عمل ہیں۔

قبر میں اعمال صالحہ کا منظر:

اور نیک آدمی ہوتا ہے تو اس کے اعمال صالحہ نہایت ہی حسین شکل میں اس کے سامنے آتے ہیں، یہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے! میں تو بہت تنہائی میں تھا، میں وحشت محسوس کر رہا تھا، تم لوگ کون ہو جو میرے غم کے لئے نور میری

وحشت کو دور کرنے کے لئے آگئے؟ وہ کہتا ہے کہ: آپ کے نیک اعمال ہیں!

اعمالِ صالحہ عذابِ قبر سے بچنے کا ذریعہ:

یوں بھی آتا ہے کہ جب عذاب کے فرشتے آتے ہیں مارنے کے لئے، تو نمازِ فلان طرف ہو جاتی ہے، صدقہ فلان طرف ہو جاتا ہے، قرآنِ کریم کی تلاوت فلان طرف ہو جاتی ہے، اور دوسرے اعمالِ صالحہ ایک طرف ہو جاتے ہیں، چاروں طرف سے اس کو نیک اعمال گھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: مارنے نہیں دیں گے، عذابِ قبر کو مال دیتے ہیں۔ سورۃ ملک کے بارے میں فرمایا ہے کہ: یہ میت کو اس طرح اپنے پرانے کے نیچے لے نکلتی ہے جس طرح مرقی اپنے بچپن کو پرانے کے نیچے لے نکلتی ہے، اور عذابِ قبر سے اس کو بچاتی ہے۔ یہ اس کے اعمالِ صالحہ ہیں جو مرتے وقت بھی اس کے ساتھ، قبر میں بھی اس کے ساتھ اور حشر میں بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔

بدکار کا اپنے اعمالِ بد پر اظہارِ حسرت:

قرآنِ کریم میں بھی ہے کہ اپنے برے عمل کو دیکھ کر کہے گا کہ:

”يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَيَلْسَنُ

الْقُرْبَيْنِ“ (الفردوس ۳۸)

ترجمہ: ”کاش! کہ میرے درمیان اور تیرے

درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا، تو بہت ہی برا سا بھلی ہے۔“

فاصلہ کیسے ہوتا؟ تو نے تو خود کیا تھا، جو مل خود بولے تھے، غم خود کیا تھا،

بدکاریاں اور بے حیائیاں خود کی تھیں، عورتیں نیچے مروا رہے تھے، چلی تھیں، اور آج

کہتے ہو کہ مغرب و مشرق کا فاصلہ ہوتا، جب تمہیں کہا گیا کہ: یہ گناہ کی باتیں ہیں، تم

نے کان ہی نہیں دھرا کہ زندگی ان باتوں کے بغیر کیسے گزر سکتی ہے، موت آنے دو

تمہیں بتاؤں گا کہ یہ جو تم نے لعنت گھروں میں ڈالی ہوئی ہے، فی دی اور اسی طرح سودیاں وغیرہ بناتے ہو، کسے رکھے ہوئے ہیں، یہ تصویریں لٹکائی ہوئی ہیں، اور یہ بچوں کے کھلونے بتوں کی شکل میں رکھے ہوئے ہیں، اور تم جو غلط کاریاں کرتے ہو، تمہیں بتاؤں گا کہ یہ کیا چیز ہے؟

اس وقت رونا کام نہیں دے گا!

آج تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر یقین نہیں لاتے، تب آنکھ سے دیکھ کر یقین لاؤ گے اور اس وقت کوئی علاج کارگر نہیں ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے۔

ترجمہ: ”دو دہائی لوگ ایک ہزار سال تک آنسوؤں

کے ساتھ روئیں گے، ایک ہزار سال تک آنکھوں سے خون نکلے

گھا، اور ایک ہزار سال تک پیپ نکلتی رہے گی۔“

آج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سن کر تم اس کو عنایت کہتے ہو، ذرا

وقت آئے دوا

سَوْفَ تُرَىٰ إِذَا انْشَغَفَ الْغُبَارُ

اَتَخَذَكَ الْفُزْرُونَ أَمْ جُنَّارًا

ترجمہ: ”اس غبار کو چھٹ جانے دوا تمہیں معلوم

ہو جائے گا کہ تمہارے بیٹے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟“

عقل کا تقاضا:

تو غریبکہ یہ تین رفیق ہیں آدمی کے، ہون تو یہ چاہئے تھا کہ جتنا جتنا کسی کا

نفع ہے، آدمی اس سے اتنا ہی عقل رکھے، عقل کا قاعدہ یوں ہے، اور اس عقل کا ہم دنیا

میں استعمال بھی کرتے ہیں، لیکن آخرت کے معاملات میں ہماری عقل بیکار ہو جاتی

ہے، عقل کے سامنے اندھیرا آ جاتا ہے۔

عقل کب کام لیتی ہے؟

عقل کی مثال یہی ہے جیسے آنکھوں کی روشنی، یہ اندر کی روشنی اس وقت کام لیتی ہے جبکہ باہر کی روشنی ہو، ہم دیکھنے کے لئے وہ روشنیوں کے محتاج ہیں، عقل کی روشنی اس وقت کام لیتی ہے جبکہ دل میں ہدایت کی روشنی بھی ہو، نور ہدایت بھی ہو اور ہم نے چاہے ہدایت پھونک مار کر بھجوا دیا ہے، آخرت نے معاملے میں بالکل اندھے ہو گئے ہیں، دنیا کے مومنات میں تو ہماری حقیر کام کرتی ہے و آخرت کے معاملات میں کام ہی نہیں کرتی، کیسے کرے؟ دیکھیں کیسے؟ وہ تو نور نبوت رہنمائی کرے گا تو ہماری عقل بھی دیکھے گی۔

دنیا و آخرت میں کام آنے والی شے سے تعلق چاہئے:

میں نے کہا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جتنی چیز مفید ہوتی ہے، اسی کی اس کو اختیار کرتے ہیں، ہونا یہ چاہئے کہ اعمال صالحہ کا اہتمام ہو، اس کے ساتھ رفاقت ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

ترجمہ: "... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی

ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ساتھ گھر میں تشریف

لائے تھے تو گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، جیسے گھر

میں کام ہوتا ہے، لیکن جوں ہی اذان کی آواز سننے اس طرح

کھڑے ہو جاتے تھے جیسے ہمیں پیچھے نہ لے لیں۔"

(فضائل نرباب، ص ۸۷)

ہونا یہ چاہئے کہ حکم الہی آجائے تو تہہ روی جان پہچان سب کے ساتھ ختم

ہو جائے۔

مال کا نفع خرچ کرنے میں ہے:

اور دوسرے درجے میں اہل و عیال ہیں، اور تیسرے درجے میں مال ہے۔ مال تو ایسی بیکار چیز ہے کہ جب تک اس کو خرچ نہ کرو نفع نہیں دے گی۔ حیرانگاہا کر دیکھتے رہو، کچھ فائدہ نہیں۔

حاجی عبدالستار نے پنجابی میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ ایک سینھ تھا، اپنے خزانے کی سیر کرنے کے لئے گیا، دیر ہوئی تو وہ نظر نہیں آیا، اس کے نوکروں چاکروں نے دروازہ بند کر دیا اور چلے گئے، سینھ جی اندر وہیں تڑپ تڑپ کر مریا، اگلے دن دروازہ کھل تو سینھ جی مرے پڑے ہیں، حالانکہ خزانہ موجود تھا۔ کیونکہ وہ کھانے پینے اور بھوک پیاس بجھانے کا کام نہیں دیتا، اس کو خرچ کر کے کھانے پینے کی اشیاء حاصل کی جاسکتی ہیں، غرض تہہ رے مال اور خزانے کسی کام کے نہیں ہیں، جب تک تم ان کو خرچ نہ کرو اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، لیکن ہمارے معاملہ الٹ کر لیا، ہمارا بعتا تعلق پیسے سے ہے، اتنا اہل و عیال سے بھی نہیں ہے، دوست احباب سے بھی نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی اور باپ بیٹے کی لڑائی، بھائی بھائی کی لڑائی کس چیز پر ہے؟ پیسے پر ہے! یہ پیسہ سب چیزوں پر غالب آگیا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پیسے کو ان پر خرچ کیا جاتا، لیکن آج ہو یہ رہا ہے کہ ان رشتوں کو اس پر خرچ کیا جا رہا ہے، اور مال کے لئے، اہل و عیال کے لئے اپنے دین بھی قربان کر دیا، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح ہمت نصیب فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے جو نزع کے وقت بھی ہمارے کام آئیں، قبر میں بھی ہمیں کام دیں، حشر میں بھی ہمیں کام دیں۔

برزخ میں صلحا کی ملاقات:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور نیک بندوں کا ساتھ ہمیں دنیا میں بھی، آخرت میں

بھی اور دوزخ میں بھی نصیب فرمائے! نیک آدمی مر جاتا ہے تو دشت نہیں رہتی،
 ہزاروں صلحاء وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ مجمع لگا ہوا ہے، یہ سب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے
 ہیں، حال و احوال پوچھتے ہیں، خیریت پوچھتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ: فلاں آدمی کیسا
 تھا؟ تو وہ دنیا سے جانے والا کہتا ہے کہ: وہ وہاں سے تو آ گیا ہے، کیا یہاں نہیں آیا؟
 کہنا کہ: نہیں! یہاں تو نہیں آیا۔ کہنا کہ: پھر وہ اپنی ماں دوزخ کے پاس چلا گیا ہوگا!
 معروف یا فلان!

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ رَّجَعَتْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾

آخرت کی تیاری

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: خُطِبَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اعْلَمُوا أَنَّ مَلَكَ السَّمَوَاتِ الْأَرْضِ وَبَيْنَ
بَيْنِكُمْ لَمْ يَرَوْا بِخُلُفَتِكُمْ وَتَخَطَّى نَبِيَّكُمْ مِنْكُمْ مَنْ
فِي السَّمَاوَاتِ، وَكَأَنَّهُ قَدْ تَخَطَّى عَمْرُكَ أَنْتَ وَفَضْلُكَ،
فَخُذْ جَذْرَكَ وَاسْتَعِذْ لَهُ، وَلَا تَعْمَلْ لِأَنَّهُ لَا يَعْمَلُ عَنْكَ،
وَاغْنِمْ إِيَّكَ أَنْ غَفَلْتَ عَنْ نَفْسِكَ، وَتَمْتَعْتَ بِهِ
تَسْتَعِذُ لَهَا غَيْرَكَ، وَلَا تُدْبِرُ لِقَاءِ اللَّهِ؛ فَخُذْ لِنَفْسِكَ
وَلَا تَكْلِفْهَا إِلَى غَيْرِكَ. وَالسَّلَامُ.

(الترغيب والترهيب، ج ٥، ص ٥٠٠، حديث ٥٠٠٠)

عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
خُطِبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا اللَّهَ فَإِنَّ تَقْوَى اللَّهِ عَظَمَ وَزُنَّ

اَلْحَسَنُ الْحَكِيْمُ مَنْ ذَاكَ نَفْسُهُ، وَغَمَلٌ لِمَا نَعَدَ الْعَوْبُ،
وَاَكْتَسَبُ مِنْ نُورِ اللهِ نُورًا لِبَطْنَةِ الْقَبْرِ، وَلَيَحْشُ غِلْدُ اَنْ
يُسْحَرَهُ اللهُ اَعْمٰى وَقَدْ كَانَ بَصِيْرًا، وَقَدْ يَكْفِي الْحَكِيْمُ
جَوَابُ الْعَلِيْمِ، وَالْاَضْمُ بِنَاذِرٍ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ، وَاعْلَمُوا
اَنْ مَنْ كَانَ اللهُ مَعَهُ لَمْ يَخَفْ شَيْئًا، وَمَنْ كَانَ اللهُ عَلَيْهِ
فَمَنْ يَزُجُو بَعْدَهُ؟“ (کنز العمال ج ۱۷، حدیث ۴۷۲۵۱)

ترجمہ: ”حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں ارشاد
فرمایا کہ:

اے دین آدم! بے شک موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا
گیا ہے وہ ہمیشہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا جب
سے تو دنیا میں آیا ہے اور بس یوں سمجھ لے کہ جب وہ دوسروں کو
چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہے، اور وہ تیرے ارادے سے چھا
ہے، لہذا اپنے بچہ کو کا سامان کر لو، اس کی تیاری کر لو، غفلت نہ
کرو، اس لئے کہ تجھ سے غفلت نہیں کی جارہی۔ بہنِ آدم! تجھے
معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تو اپنی ذات سے غفلت کرے گا اور
تیاری نہیں کرے گا تو دوسرا آدمی اس کے لئے تیاری نہیں کرے
گا، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات بہر حال ضروری ہے، سوا اپنی ذات
کے لئے حصہ لے اور اس کو دوسروں کے سپرد نہ کر۔“

ترجمہ: ”حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ
تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا غیبت کی چیز ہے، اور سب سے ہوشیار اور دانا آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے، نور قبر کے اندھیرے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کچھ نور حاصل کر لے، بندے کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اٹھائے حالانکہ وہ دیکھنے والا تھا، حکیم اور دانا آدمی کے لئے چند مختصر کلمات کافی ہیں، اور بہرہ تو یوں لگتا ہے کہ وہ سستا نہیں ہے، خوب جان لو! کہ جس شخص کے ساتھ اللہ ہو، وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے مقابلے میں ہو وہ پھر اس کے بعد کسی سے امید رکھے گا؟“

موت کا فرشتہ اب تمہارے پیچھے ہے:

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مواعظ شریفہ ہیں، ان میں ایک بات تو یہ فرمائی کہ جب سے تم پیدا ہوئے ہو تم نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے، موت کا فرشتہ تم پر بھی مقرر کیا گیا ہے، لیکن وہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا، لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ اب تمہارا نمبر آگیا، اب دوسروں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے گا، مطلب یہ کہ فرشتے کا آنا کسی وقت بھی متوقع ہے، جو دوسروں کے پاس جاسکتا ہے، وہ تمہارے پاس بھی آسکتا ہے، اور جب اس کا آنا حقیقی اور لازمی ٹھہرا تو تمہیں اپنی تیاری کرنی چاہئے، اپنا نور یا بستر تیار رکھو کہ جب موت کا فرشتہ تمہارے پاس آئے تو جمل پڑو، اور اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ ایک حدیث شریف میں چند نصیحتیں فرمائی گئی ہیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے:

”إِذَا قُمْتَ إِلَى صَلَاتِكَ فَضَا صَلَاةَ مُؤَدِّعٍ“
(مکتوۃ ص: ۳۵۰)

ترجمہ:..... ”جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو
یوں سمجھو کہ بس اب یہ تمہاری آخری نماز ہے (جتنی بنا سنوار کے
پڑھ سکتے ہو پڑھ لو)۔“

آخرت کا زاور راہ تیار کرو:

اپنے لئے زاور راہ کی تیاری کر لو، اور آئندہ جو خطرات پیش آنے والے ہیں،
ان خطرات سے بچنے کا سامان کرو۔ بس دو ہی باتیں ہیں۔

گناہوں کا بوجھ!

ایک یہ کہ جو سامان لاؤ رہے ہو یہ دیکھ لو کہ اتنا اٹھا کے چل بھی سکتے ہو کہ
نہیں؟ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

”مَنْ أَخَذَ حِمْلًا مِنَ الْأَرْضِ خَلَقًا فَلَانَهُ يُكَوَّفُهُ يَوْمَ
الْبِقَاعَةِ مِنْ صَنِيعِ أَوْجُهِينَ“
(مکتوۃ ص: ۳۵۳)

ترجمہ:..... ”جس شخص نے کسی کی ایک بات بھی
زمین اٹھیا لی، قیامت کے دن سات زمینوں سے نکال کر وہ نکلا
اس کے گلے میں طوق کے طور پر پہنایا جائے گا۔“

ہم تو دس گلو می بھی نہیں اٹھا سکتے، اتنا بڑا بوجھ کیسے اٹھائیں گے؟ یہاں تو
زمین کو بڑھانے کی لالچ میں کہ میرا پلاسٹ تھوڑا سا بڑا میں جائے دوسرے کی زمین پر
قبضہ کر لیا، میرے بھائی! دوسرے کی زمین پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا بوجھ بھاری کر لیا،
تمہارے گلے میں زمین کا یہ ٹکڑا پہنایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا: شاباش اٹھاؤ! تو
موت سے غفلت نہ کرو، وہ تو آئی ہے، موت سے غفلت نہ کرو بلکہ اس کے لئے

تیاری کرو۔

دوسرا یہ کہ اپنا بھاء کرو، آگے جو مشکلات آنے والی ہیں ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے توشہ ساتھ لو۔

اپنی آخرت کی خود فکر کرو:

پھر ارشاد فرمایا کہ: اے ابن آدم! اگر تو اپنے نفس سے غافل رہا اور اس کی تیاری نہ کی تو پھر تیری جگہ کون تیاری کرے گا؟

ایک صاحب یہاں ہوں گے، دو کئی مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے تھے کہ کچھ صاحبان ہیں: ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، کچھ نمازیں اور روزے اس کے ذمے ہیں، وہ ان کا فدیہ دینا چاہتے ہیں، کوئی چالیس سال کی نمازیں ان کے ذمہ تھیں، ان کا حساب لگا، تو کوئی دس لاکھ روپے بنے، ارے بھائی! تم نمازیں پڑھ نہیں سکتے یا اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے؟

کیا تیجے، دسویں، چالیسویں اور قرآن خوانی سے

تیری مغفرت ہو جائے گی؟

کیا خیال ہے کہ بعد دہ لے تیسرے دن یہ قل شریف کروا کر تمہاری بخشش کروائیں گے؟ تم نے قرآن مجید زندگی میں کبھی ختم نہیں کیا، اور نہ روزانہ تلاوت کی، لیکن موت کے دن یا تیسرے دن تمہارے لئے قرآن کریم ختم کروائے تم سمجھتے ہو کہ تمہارا قرضہ ادا ہو جائے گا؟ پھلے آدمی! تم نے اپنے لئے کچھ نہیں کیا تو دوسرا تمہارے لئے کیا کرے گا؟ اگر تم اپنے لئے کچھ نہیں کرو گے تو دوسرا تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا، اور تمہیں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ تیرے ساتواں، دسواں، چالیسواں کرتے ہیں، اس سے بخشش ہو جائے گی، نہیں بھائی! یہ تو محض رہیں ہیں۔

قرآن خوانی کا حال:

لوگ کہتے ہیں کہ جی قرآن خوانی کروانی ہے۔ قرآن خوانی کا معنی ہے قرآن پڑھنا، پڑھنا آتا بھی ہے کہ نہیں؟ پوچھ لو ان سے کہ تمہیں قرآن پڑھنا آتا بھی ہے؟ اپنے خیال اور اپنے انداز سے قرآن پڑھتے ہیں، لیکن کبھی قرآن پڑھا اور سیکھا بھی تو ہو تو پڑھنا آئے، یہی وجہ ہے کہ قرآن خوانی والے ایک صفحے کو دو دو آدمی پڑھنے لگتے ہیں، ایک دھڑ سے اور ایک ادھر سے، پھر بھائی! یہ تلاوت بند یا تلاوت کا دھوکا؟ یہ دیکھو اللہ تعالیٰ دھوکوں میں نہیں آتے اور اگر ہم تمہیں کہتے ہیں کہ بھائی! مجلس کی بات کرو، سمجھ کی بات کرو، طریقے کی بات کرو، تو پھر کہتے ہو کہ: ہمیں روکتے ہیں! ہم تم کو نہیں روکتے بھائی! تم کرو جو چاہو کرو، لیکن یہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا طرز عمل غلط ہے، کبھی خانہ گاہوں کو بھاگتے ہیں اور ان کو اجرت دیتے ہیں، اجرت لے کر قرآن مجید کا پڑھنا، اس کا تو ثواب ہی نہیں ملتا، دو چار دن یہ دمی باتیں کرتے ہیں، تن کر لئے، سچے دسواں کر لیا، چالیسواں کر لیا، پھر سال پہ سال بدی پر یاد آگئے، پھر بھی ایک آدھ تقریب کر لی، دوست احباب کو اکٹھا کر لیا اور کھانا کھلا دیا تو گویا مرنے والے کا سارا فرض ہم نے ادا کر لیا، جس شخص کی ساٹھ سال یا ستر سال کی عمر ہوئی ہے کیا اس کے ذرا اللہ تعالیٰ کا بس اتنا ہی فرض تھا؟ اور وہ ان رسموں سے ادا ہو گیا؟

آخرت کی تیاری کیا ہے؟

تو بھائی! اپنے لئے خود تیاری کرو، غفلت نہ کرو، آپ پوچھیں گے کہ تیاری کیا ہے؟ کیا تیاری کریں؟ بھائی! جن لوگوں کے حقوق و فرائض تمہارے ذمے ہیں ان کا جائزہ لو، اگر ادا نہیں کئے تو ادا کرو، فرائض کو ضائع کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ان فرائض کو ضائع نہ کرنے کا عہد کرو، اگر نمازیں نہیں پڑھی تھیں تو نمازوں کی تھا کرو، روزے نہیں رکھے تو روزے رکھو، پیچھے سالوں کی زکوٰۃ ادا

نہیں کی تو حساب کر کے اس کی زکوٰۃ دو، حج نہیں کیا تو حج کرو، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کی کوئی چیز غصب کی ہے، کسی کے کچھ مالی حقوق غصب کئے ہیں اس سے معاف کروا دیا اس کو ادا کرو۔

آخرت کا مفلس:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”تَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا بَرَّ لَهُ وَلَا نَصْرَ! فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أَمْنِي مَنْ يَأْتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِضَلُوفٍ وَمِثَامٍ وَزَكَاةٍ، قَدْ شُخِّمَ هَذَا وَقُذِّفَ هَذَا وَاتَّخَلَ مَالٌ هَذَا وَنَفَكَ دَمٌ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا لِيُغْطِيَ هَذَا مِنْ خَسَابِهِ وَهَذَا مِنْ خَسَابِهِ، فَإِنْ قَبِيتَ خَسَابَةً قَبِلْتُ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ فَبَعْدُ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطَرَحْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ طَرَحَ لِي النَّارُ“ (مکتوٰۃ ص: ۳۳۵)

ترجمہ: ”جانتے ہو مفلس کون ہے؟ عرض کیا گیا:

ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہوتا! فرمایا: نہیں! میری امت کا مفلس آدمی وہ ہے جو نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور بہت ساری نیکیاں لے کر آئے، لیکن کسی کا مال کھایا تھا، کسی کی بے آبروئی کی تھی، کسی کو گالی دی تھی، اس کا ناحق مال کھایا تھا، اس کا ناحق خون بہایا تھا، اور اس کو مارا تھا، وغیرہ، پس اس کی نیکیوں سے ان ارباب حقوق کے حقوق ادا کئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ نمازیں وہ لے جائے، روزے یہ لے جائے، زکوٰۃ یہ لے جائے، غرضیکہ ساری اس کی نیکیاں

اہل حقوق لے جائیں گے اور یہ خالی کا خالی کھڑا رہ جائے، پھر اس کے حقوق اگر نیکیوں سے پورے ہو گئے تو ٹھیک! ورنہ پھر اہل حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور اس کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (یہ ہے میری امت کا مفلس!)۔“

ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں ان سے غفلت، بندوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان سے غفلت، غرض غفلت ہی غفلت ہے اور اس کی فکر ہی نہیں، اور آگے کیا کیا منزلیں پیش آنے والی ہیں؟ ہمیں تو مرنے سے پہلے پہلے کی زندگی کی فکر کھائے جاتی ہے اور ستائے جاتی ہے کہ مہنگائی بہت ہو گئی ہے، بچے کیا کھائیں گے؟ کیا کریں گے؟ کیا نہیں کریں گے؟ زندگی کیسے گزاریں گے؟ ارے بھائی! یہ تو گزر جائے گی، جیسے کیسے گزر رہی جائے گی، اچھی گزر جائے، غلے سے گزر جائے، گزر رہی جائے گی، لیکن مرنے کے بعد جو زندگی شروع ہونے والی ہے اس کے لئے کیا ہوگا؟ ہمیں اس کی بھی فکر کرنی چاہئے!!

مؤمن اپنے اور دوسروں کے لئے بھی آخرت کا سامان کرے:
فرماتے ہیں: ابن آدم! اپنے لئے تیاری کر، غفلت نہ کر، اگر تو اپنی ذات کے لئے تیاری نہیں کرے گا تو دوسرے آدمی تیرے لئے سامان نہیں کریں گے۔
اور میں تو کہتا ہوں کہ مؤمن آدمی کو دوسروں کے لئے بھی سامان کرنا ہوگا،
وہاء استغفار، ایصالِ ثواب کرنا ہوگا۔

ہمارے حضرت ذاکٹر عبدالحی عارنی قدس سرہ کے صاحبزادے جناب حسن عباس صاحب فرماتے ہیں کہ: والد صاحب فرماتے ہیں کہ: اولاد کے ذمہ حق ہے کہ وہ آٹھویں دن اپنے ماں باپ کی قبر پر جائے، والدین کی قبر کی زیارت کرے، ان

کے لئے کچھ ایصالِ ثواب کرے، کچھ چڑھ کر بخشے، تمام اہل ایمان کے لئے بخشش کی دعا کرے اور جتنے مسلمان مرد اور عورتیں زندہ ہیں ان کے ایمان کی سلامتی کے لئے دعا کرے کہ یا اللہ! ایمان سلامت رکھ، خاتمہ بالخیر فرما۔
 ہم لوگ تو اپنی تیاری سے غافل ہیں، دوسروں کے لئے کیا تیاری کریں گے؟

دوسروں کے لئے تیاری بھی دراصل اپنے لئے ہے:

اور یہ جو میں دوسروں کے لئے تیاری کہہ رہا ہوں حقیقت میں وہ بھی اپنے لئے ہے، اس لئے کہ جب تم دوسروں کے لئے مانگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے عطا فرمائیں گے، تم دوسروں کے لئے خیر مانگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے خیر عطا فرمائیں گے، دوسروں کے لئے بھلائی مانگو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ پہلے بھلائی عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ مسئلہ ہے کہ دعائے مغفرت سُنائی ہو، بخشش کی دعا کرنی ہو تو یوں کہنا جائے: ”یا اللہ! میری بخشش فرما اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔“ اس مختصر سے فقرے میں گویا تمام اہل ایمان کے لئے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے، جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلے آ رہے ہیں اور قیامت تک جائیں گے، سب کے سب کے لئے دعا ہوگئی: ”یا اللہ! میری بھی بخشش فرما اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی بخشش فرما۔“ غرضیکہ حقوق و فرائض کو ادا کرو اور محرمات سے اور مکروہات سے بچو، اللہ تعالیٰ سے اُترتے رہو اور ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے رہو، اپنے لئے بھی اور اپنے والدین کے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی، مرد ہوں یا عورتیں سب کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہو۔

کافر و مسلمان کی اللہ سے ملاقات کا حال:

فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو لازم ہے!

مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے، کوئی روشن چہرہ لے کر جائے اور کوئی سادہ لوح نہ کر کے جائے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ و بہر حال جتنا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں عاضری لازم ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"وَلَيْكُنَ الْمُؤْمِنُ إِذَا خَضَرَ جَنَافَةَ النَّبِيِّينَ مِنَ اللَّهِ
بِمَا هُوَ صَابِرٌ إِلَيْهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُكُونَ قَدْ
لَقِيَ اللَّهَ فَأَحَبُّ لِقَاءِ اللَّهِ فَأَحَبُّ إِلَيْهِ لِقَاءُ اللَّهِ، وَإِنْ الْفَاجِرُ إِذَا
خَضَرَ جَنَافَةَ مَا هُوَ صَابِرٌ إِلَيْهِ مِنَ الشَّرِّ فَكِرَةٌ لِقَاءِ اللَّهِ تَكْرَهُهُ
اللَّهُ لِقَاءَهُ." (کنز العمال ج: ۱۵: حدیث ۴۲۱۹۸)

ترجمہ: "لیکن جب مؤمن کی وفات کا وقت
قریب آتا ہے تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک
خوشخبری سنائے والا فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے
پاس اس کا اعزاز و اکرام ہونے والا ہے اس سے اس کو آگاہ کرنا
ہے، تو اس کے نزدیک اللہ سے ملاقات سے زیادہ کوئی چیز محبوب
نہیں ہوتی، پس وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ
اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ رہا فاجر! جب اس کی
موت کا وقت قریب آتا ہے تو اس کے پاس بھی ایک فرشتہ آتا
ہے جو اس سے وہ سب کچھ بتاتا ہے جو اس کے ساتھ برا سلوک
ہونے والا ہے، تو وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ
بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔"

یعنی نیک آدمی کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاضری ایسے ہوتی ہے جیسے کہ کوئی
آدمی اپنے وطن سے دور تھا، پھر وطن واپس آتا تھا، موت کے بعد ایک عرصے کے بعد اپنے گھر

میں آیا، جس طرح اس کو اپنے گھر والوں اور اہل و عیال سے مل کر خوشی ہوتی ہے، اسی طرح اس کو اللہ تعالیٰ سے مل کر خوشی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس سے مل کر بھی اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔ اور ہر کار اور برے آدمی کی حاضری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھگنڈا غلام تھا، بھاگ گیا تھا، آقاؐ نے آدمی دوڑائے اور کافی مدت تک دو پریشان کرتا رہا، لیکن آخر کار وہ پکڑا گیا اور اسے پکڑ کر آقاؐ کی خدمت میں لایا گیا، تو جس طرح اس کو اپنے آقاؐ کے سامنے سزا کے خوف سے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اور وہ اس کو مکروہ سمجھتا ہے، فاجر بھی ایسے ہی ملاقات الہی سے گھبراتا ہے، تب اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری حاضری کیسے ہونے والی ہے؟ اس کا جائزہ لیتے رہو۔

فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو ضروری ہے، لہذا تم اپنی ذات کے لئے توشہ تیار کرو، اور اس توشہ کی تیاری کو دوسروں کے سپرد نہ کرو، اس لئے کہ تم اپنا توشہ خود ہی ہاندھو گے، تمہارا توشہ دوسرے نہیں ہاندھیں گے۔

سب سے بڑی دامانی!

دوسری روایت میں فرمایا کہ: لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! تقویٰ اختیار کرو! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا قیمت ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

سب سے اونچی حکمت اور حکمت کا صلہ حکمت کی چوٹی اللہ سے ڈرنا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس میں حکمت نہیں ہے، اور یہی بنیاد ہے تمام نیک اعمال کی اور تمام برے اعمال سے بچنے کی۔

”اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ یہ قیمت ہے اور سب سے بڑا دانا اور عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو سکیم الہی کے تابع کر دے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور قبر

کے اندھیرے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کچھ
نور لے کر جائے۔"

قبر میں نور کیونکر پیدا ہوگا؟

اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مستقل رسالے لکھے ہیں کہ کون کون سی
چیزیں ہیں جو قبر میں نور پیدا کرتی ہیں؟ قبر میں روشنی کا سبب ہیں، اور کون کون سی
چیزیں ہیں جو قبر میں تاریکی کا سبب ہیں، پھر کون کون سی چیزیں ہیں جو عذابِ قبر کی
موجب ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان سے پناہ میں رکھے، اور کون کون سی چیزیں ہیں جو عذابِ
قبر سے پناہ والی ہیں؟

عذابِ قبر کا خوف:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:
"كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرِ بَنِي سُلَيْمٍ حَتَّى يَنْبُلَ لِحْيَتَهُ،
فَيَقِيلُ لَهُ: تَذَكَّرُوا الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكُوا وَتَبْكِي مِنْ هَذَا"
فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْقَبْرَ
أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْأَجْوَةِ، فَإِنْ نَجَّاهُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ
مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ" (مشکوٰۃ ص ۲۶)

ترجمہ: "... (حضرت عثمان) کبھی کبھی قبرستان جاتے
تو اتنا روتے کہ دیش مبارک تر ہو جاتی، عرض کیا گیا کہ
حضرت! آپ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اتنا نہیں
روتے بقنا کہ قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قبر
آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ جو شخص یہاں نجات

ہوئی ہے، جیسے حاملوں کی شکل اختیار کر گئی ہے، یہ وہابی شکل پھل
خوری کرنا اور غیبت کرنا یہ چیز موجب عذابِ قبر ہے۔) یہ دوسرا
آدمی پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔

یہ جتنے جنت پہنچنے والے ہیں سب ایسے ہی ہیں، ان کو نہ امتحان کی ضرورت
ہی نہیں آتی ہے، نہ ذلیل کی، کھڑے ہو کر پیشاب کر لیتے ہیں، اور پھر یوں ہی فوراً بند
کر لیتے ہیں۔

تو جن دو آدمیوں پر عذاب ہو رہا تھا ان میں ایک تو پیشاب کے چھینٹوں
سے احتیاط نہیں کرتا تھا، پیشاب آدمی کا ہو یا جانوروں کا، اس سے احتیاط لازمی ہے۔
اور دوسرا لگائی بجھائی کرتا تھا، یعنی ادھر کی ادھر، اور ادھر کی ادھر پہنچا کر پھل خوری کرتا
تھا، یہ بہت بڑا جرم ہے اس سے احتیاط کرو کہ یہ عذابِ قبر کا موجب ہے۔

تو خیر عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ بہت ساری چیزیں قبر کی ظلمت کا سبب ہیں،
قبر کے اندر اندر صرے کا سبب ہیں، اور بہت ساری چیزیں قبر کی روشنی اور نور کا سبب
ہیں، اسی کو فرمایا: قبر کی روشنی کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کوئی نور لے کر جادو،
بہت ساری چیزیں عذابِ قبر کی موجب ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بچائے نور بہت ساری
چیزیں انہی ہیں جو قبر کے عذاب سے بچنے والی ہیں، ان کا اہتمام کیا جائے۔

قبرِ جنت کا باغیچہ یا جہنم کا گڑھا ہے:

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: "قبرِ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں
میں سے ایک گڑھا ہے۔" نفوذ باللہ! ثم نفوذ باللہ! اللہ تعالیٰ ہماری قبروں کو "رَوْضَةً
مِنْ رِیَاضِ النُّعْمَةِ" بنائے یعنی جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنائے، دوزخ
کے گڑھوں میں سے گڑھا نہ بنائے۔

عذاب قبر کا سوال حماقت ہے:

آج کل یہ قیوف لوگ یہ پوچھتے پھرتے ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بندو! تم کس پیکر میں پڑ گئے ہو؟ شیطان نے تم کو کس پیکر میں ڈال دیا ہے؟ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتبار نہیں رہا؟
شکر کرو کہ عذاب قبر سنائی نہیں دیتا:

کہتے ہیں کہ ہمیں سنائی کیوں نہیں دیتا؟ یہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کا خصل ہے کہ عذاب قبر سنائی نہیں دیتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سے بن نہ پڑتی تمہاری زندگی اجیرن ہو جاتی، اگر تم قبر کا عذاب سن لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک یہ ہیں:

”فَلَوْلَا اَنْ لَا تَذَلُّوا لَذَعُوتُ اللّٰهُ اَنْ يُّجَمِّعَكُمْ

مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِي اَسْفَعُ مِنْهُ“ (مکھلو: ص: ۲۵)

ترجمہ: ... اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے

مردوں کو قبر میں ڈل کر: چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتا کہ تمہیں سادے جو میں سننے ہوں!“

قبر کا عذاب جو قبرستان میں ہو رہا ہے، اگر تمہیں سنائی دیتا تو تمہیں قبرستان میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوتی، یہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا خصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا۔ اس پر شکر کرنے کی بجائے اُلٹا کہتے ہیں کہ: ہمیں کیوں نہیں سنائی دیا؟ شیشے کے مکان میں آدمی بند ہو تو آواز آگے نہیں جاتی، وہ ادھر سے سن رہا ہے، دیکھ رہا ہے مگر آواز نہیں پہنچا سکتا، تمہارا یہ شیشہ آواز کو روک دیتا ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ نے برزخ کا پردہ ڈال دیا ہے اور وہ روک رہا ہے تو تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ تم کیوں اصرار کر رہے ہو کہ ہمیں دیکھنا چاہئے اور ہمیں سننا چاہئے تو ہم مانیں! ذرا غمیر

جاؤ! تھوڑا وقت ہے، تم پر بھی یہ مرحلہ آئے گا، پھر اچھی طرح تجربہ کر لینا، اگر یہاں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے نہیں مانتے تو تجربہ ہو جائے گا، فکر نہ کرو، اس میں جلدی کی کیا بات ہے؟

اندھے اُٹھائے جانے سے ڈرو!

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بندے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اُٹھائیں، حالانکہ وہ دیکھنے والا تھا۔

بعض مجرموں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا:

”وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا. قَالَ كَذَبْتَ أَتَىكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْنَهَا وَكَذَّابِكُ الْكَافِرُ الْكَافِرُ تَقْسَمِيْ“ (مر: ۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ: ”ہم اس کو اُٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا، وہ کہنے لگا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا اُٹھایا میں تو دیکھنے والا تھا! (کیا بات ہوئی؟) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اسی طرح آتی تھی تیرے پاس میری آیتیں تو نے اس کو بھلا دیا (تو بصیرت کا اندھا تھا، دل کا اندھا تھا، آج وہ دل کا اندھا ہیں۔ نگھوں میں سرایت کر گیا)، آج تجھے بھی بھلا دیا گیا۔“

اس پر حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ قیامت کے دن اندھے اُٹھائے جاؤ گے، ایسے کوئی حرکت مت کرو، ایسے گناہوں کا ارتکاب نہ کرو کہ تمہیں نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ قیامت کے دن اندھا اُٹھایا جائے۔

قیامت کے دن اندھا اُٹھائے جانے کے اسباب؟

اس لئے کہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان سے آدمی کی ظاہری بصارت جاتی

رہتی ہے، دماغ پر ذرا سی جوت لگ جائے یا کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، اسی طرح بعض اعمال ایسے ہیں جن سے دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے، ایسے لوگ قیامت کے دن زندہ سے اٹھائے جائیں گے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اڑانا یا جیسے آج کل مولوی کو گالی دینا فیشن بن گیا ہے کہ مولوی دیسے ہیں، کیا مولوی اپنے باپ کے گھر سے کہتے ہیں؟ مولوی کچھ نہیں کہتا بلکہ تمہارا خدا کہتا ہے! تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے! مولوی کہاں سے کہتا ہے؟ تو مولوی کو نشانہ بنا کر اول قول باتیں کرتے ہو، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا دل اندھا ہو گیا ہے، اور یہ دل کا اندھا پن قیامت کے دن تمہاری آنکھوں میں آجائے گا، اللہ تعالیٰ کہیں گے: ”وَكَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَبِّئُهَا“ (اسی طرح آتے تھے تیرے پاس میرے احکام تو نے ان کو بھلا دیا)۔

عقل مند کے لئے لمبے وعظ کی ضرورت نہیں:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: دیکھو رانا آدمی کے لئے لمبے چوڑے وعظ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے لئے ایک کلمہ حکمت ہی کافی ہو جاتا ہے۔ ایک حکمت کی بات کسی کے کان میں پڑ جائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل دیتی ہے، بشرطیکہ دل میں بصیرت ہو، جس شخص نے اپنے آپ کو بہرہ کر لیا ہو، ادھر سے سنا اور ادھر سے نکال دیا، گویا کہ سن ہی نہیں، اس کو این معنوم ہوتا ہے کہ کوئی دور سے پکار پکار کر چلا پلا کر آواز دے رہا ہے، مگر وہ سنہی نہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”وَأَنذَرْتَهُمْ لِقَاءَ النَّارِ وَمِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ“ (سبا: ۵۲)

ترجمہ: ”یہ وہ لوگ ہیں جن کو پکارا جا رہا ہے اور

کی جگہ سے۔“

دور سے جب آدمی کسی کو بلاتا ہے تو زور لگا کر بلاتا ہے، چلاتا ہے، لیکن

یہ پھر بھی سننے کے لئے تیار نہیں، جس شخص نے اپنے آپ کو بہرا بنالیا ہو اس کے سننے اور کوئی جلا جلا کر بھی کہے، اس کی عقل میں بات نہیں آتی، خواہ اہستہ میں ہی کہہ جائے۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں، معیشت کو اپناؤ!

اور اس کے بعد آخری بات یہ فرمائی کہ: یہ بات خوب یاد رکھو کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اس کو کسی اور کا ذریعہ نہیں، اور جس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی اور سے کیا امید رکھے گا؟ کون ہے جس سے امید رکھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے کر چلو، اپنی زندگی کے نقشے ایسے بنائے کہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے لو، اللہ تعالیٰ کی معیشت تمہارے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے طرف دار ہوں تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کی پروا نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کا قطبہ آپ سن رہے ہیں، ان کو شبید کیا گیا تھا تو خون کا جب پہلا چھینٹا مصحف شریف پر پڑا، تو قرآن مجید پڑھ رہے تھے، وہ قرآن کریم تاشقند میں موجود ہے، مصحف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا چھینٹا جو پڑا وہ اس آیت شریفہ پر پڑا، پہلے پارے کا بالکل آخر ہے:

”فَسَبِّحْهُمْ اللَّهُ“ (البقرة: ۱۳۷)

ترجمہ: ”تیری کفایت کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے

مقابلے میں!“

شبید ہو گئے وہ تو سعادت ہے، لیکن پھر دیکھا کیسی کفایت کی اللہ تعالیٰ نے، آج تک تم جمع نہیں ہوئے، امت آج تک جمع نہیں ہوئی، ایک ایک کوچن جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، تو اللہ کو ساتھ لے کر چلو اور اللہ تعالیٰ کو اپنا مقابل بنا کر نہ چلو، اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو اپنا مقابل بناؤ گے۔

دُرُودِ حَرَامِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

آخرت کے لیے!



بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى!)

..... وَمَنْ لَا يَنْفَعَهُ خَاصِرُهُ فَعَارِضُهُ عَنْهُ اَعْوَزُ
 وَغَائِبُهُ عَنْهُ اَعْوَزُ وَانْكُمْ قَدْ اَمَرْتُمْ بِالظُّعْنِ وَذُلْتُمْ عَلَى
 الزَّادِ اِلَّا اِنْ اَخُوفاً مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِثْنَانِ: طُولُ الْاَمَلِ
 وَاتِّبَاعُ الْهَوَى فَاَمَّا طُولُ الْاَمَلِ فَيَسِي الْاَجْرَةُ. وَاَمَّا
 اتِّبَاعُ الْهَوَى فَيُبْعِدُ عَنِ الْحَقِّ. اِلَّا اِنْ الدُّنْيَا قَدْ تَرَحَّلَتْ
 عُدْبَةً وَاِنْ الْاَجْرَةُ قَدْ تَرَحَّلَتْ مَقْبَلَةً وَلَهُمَا يَسُونُ،
 فَكُونُوا مِنْ اَتْبَاعِ الْاَجْرَةِ اِنْ اسْتَطَقْتُمْ، وَلَا تَكُونُوا مِنْ بَنِي
 الدُّنْيَا. فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ، وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا
 عَمَلٌ! (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۰۸)

ترجمہ: اور جس کو اس کا ہضم (یعنی جو چیزیں کہ
 اس کے سامنے موجود ہیں) نفع نہ دیں، تو جو چیزیں کہ اس سے
 غائب ہیں، پوشیدہ ہیں ان سے وہ زیادہ مددگار ہوگا، اور جو
 چیزیں کہ اس سے غائب ہیں ان سے زیادہ عاجز ہوگا، اور

بے شک کہ تم کو حکم کیا گیا ہے کوچ کرنے کا، اور تم کو بتا دیا گیا ہے تو شے لینے کا، خوب سن رکھو: کہ سب سے زیادہ خوفناک چیز جس کا میں اندیشہ کرتا ہوں تمہارے حق میں وہ دو ہیں: ایک لمبی لمبی امیدیں رکھنا، اور دوسرے خواہش نفس کی پیروی کرنا۔ یہ امیدوں کا لمبا آواز، یہ آخرت کو بھلا دیتا ہے، اور یہ خواہش کی پیروی کرنا یہ آدمی کو حق سے دور کر دیتا ہے۔ خوب سن رکھو کہ دنیا پشت پیچ کر جا رہی ہے، اور آخرت ہماری طرف متوجہ ہو کر تیزی سے آ رہی ہے، اور ان دونوں کے کچھ بٹے ہیں، ۳۰ اگر تم سے ہو سکے تو آخرت کے بیٹوں میں سے بنو! دنیا کے بیٹوں میں سے نہ بنو، کیونکہ آج کا دن عمل کا ہے حساب کا نہیں، اور قل کو حساب ہوگا عمل نہیں ہوگا۔"

ظاہر اور پوشیدہ سے عبرت!

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے آخری جملے تھے، جن کو میں بیان کر رہا تھا کہ جس شخص کو سامنے کی چیزیں نفع نہیں دیتیں اور ان سے وہ عبرت نہیں پکڑتا، تو جو چیزیں کہ اس سے پوشیدہ ہیں، وہ ان کے بارے میں زیادہ اندھا پن اختیار کرے گا۔ جب تنگھوں دیکھی چیز سے یہ عبرت نہیں پکڑتا تو جو چیزیں اس کی نظر سے پوشیدہ ہیں کیا توقع ہے کہ وہ ان سے عبرت پکڑے گا؟ جب کوئی سامنے کی چیزوں سے عبرت نہیں پکڑتا اور عمل پر آمادہ نہیں ہوتا، تو جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں ان کو سننے کے بعد یہ کیونکر عمل پر آمادہ ہوگا؟ مشہور ہے کہ:

"الْمَسْجُودُ مِنْ وَغْطٍ بَغِيْرٍ ۱۱" (احقاف ص ۱۰۰ ص ۲۳۵)

ترجمہ: "تیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے عبرت

یعنی دوسروں پر جو حالات گزر رہے ہیں، ان حالات کو دیکھ کر عبرت پکڑے، مرنے والے مر رہے ہیں، ہمیں ان سے عبرت پکڑنا چاہئے کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے، مرنے والا اپنے بیوی بچوں، گھر، پار، بورڈنگ ہاؤس کو چھوڑ کر چلا گیا، اب نہ کوئی اس فیصلہ خداوندی کے خلاف اپیل کر سکتا ہے اور نہ مرنے والے کو کوئی واپس لاسکتا ہے، اور مگر وہ پیپارہ واپس آ بھی جاتے تو کوئی اس کو قبول ہی نہیں کرے گا، دوسروں کو چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور سوچیں کہ ہمارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے!

قبر سے واپس آنے والے کا قصہ:

ایک قصہ ہم نے پڑھا تھا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کو دفن کر دیا گیا، حقیقت میں اس کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ اس کو سکتہ ہو گیا تھا، سکتہ ایک بیماری ہوتی ہے جس سے آدمی مردے جیسا ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے، نبض بھی بند ہو جاتی ہے، دل کی حرکت بھی بند ہو جاتی ہے، پھر یہ سکتہ بعض اوقات دو دو دن، تین تین دن رہتا ہے، لیکن روح کا تعلق بدن سے قائم ہوتا ہے، اس کی حالتیں اسی جاتے ہیں، مگر ایک موٹی سی علامت یہ ہے کہ روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو جسم میں تغیر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے، لیکن اگر سکتہ کی بیماری ہو تو جسم میں تغیر وغیرہ نہیں ہوتا، کئی کئی دنوں سے آدمی سکتہ میں پڑا ہوتا ہے، ہاتھ ہرے تو ہاتھ نہیں گئے، اسی طرح دوسرے اعضا کو حرکت دو، وہ بھی حرکت کریں گے۔

تو خیر اس ہے چارے کو سکتہ کی بیماری ہو گئی، ورثا نے اس کو مردہ سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب لوگ اس کو دفن کر کے گھر واپس آئے تو قبر میں اس سے سکتہ کی بیماری دور ہو گئی اور کوئی ایسی صورت ہو گئی کہ قبر سے کراہنے کی آواز آئی، کسی نے سوچا کہ بھائی یہ تو قبر کے اندر کوئی زندہ آدمی ہے، اس کی قبر کھولی تو یہ کفن پہنے ہوئے زندہ نکل

آیا، قبر کھولنے والے نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا: میں زندہ تھا، لوگ مجھے دفن کر کے چلے گئے، حالانکہ مجھے سکتہ کی بیماری تھی! اس آدمی نے کہا کہ: تم کون ہو؟ تمہارا گھر کہاں ہے؟ اس نے سب کچھ بتا دیا، شام کا وقت تھا، وہ اپنے گھر چلا گیا اور اس نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی، اس کا لڑکا نکلا، اس نے ہودیکھا تو ابا سامنے کھڑا ہے، اس نے سمجھا کہ ابا کی شکل میں کوئی جن آگیا ہے، کیونکہ ابا کو تو وہ اپنے ہاتھوں سے دفن کر آئے تھے، اس نئے گھر والوں نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ یہ منظر دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے، اب وہ بیمار کہتا ہی رہا کہ میں غلام ہوں! گھر لوگوں نے کہا کہ: اس کو تو ہم دفن کر کے آئے ہیں، اسنے میں اس کے لڑکے نے اس کے سر پر کوئی چیز ماری، وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، وہیں مر گیا۔ تم ذرا قبر سے اٹھ کر آ کے تو دکھاؤ! اول تو تمہیں اُنھنے کون دے گا؟ اور اگر اُنھ کر آ بھی گئے، تو جنہوں نے تمہیں گھر سے نکال دیا تھا یعنی قبرستان پہنچا آئے تھے، اب وہ قبول نہیں کریں گے۔

تو یہ مطلب ہے کہ جب تم سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر عبرت نہیں پکارتے تو جو چیزیں تمہاری نظر سے غائب ہیں، پوشیدہ ہیں ان کے معاملہ میں تو اس سے بھی زیادہ احتیاط کرو گے۔

میدانِ حشر کی ہولناکی:

ہم لوگ قبر کے حالات سنتے ہیں، اس سے کوئی عبرت نہیں، قیامت کے دن کے احوال سنتے ہیں، اس کی ہولناکیاں سنتے ہیں، وہاں کا حساب و کتاب، حقوق کا دلایا جانا، توہوں کا مارے مارے پھرنے وغیرہ، مگر پھر بھی ہم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے، میدانِ حشر کی ہولناکی کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا ہے:

"يَوْمَ يَقْرَأُ النَّارُ مِنْ آخِئِهِ. وَآئِهِ وَآئِهِ. وَضَاحِيَةً
وَبَيِّنَةً. لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ." (الحشر: ۳۳-۳۴)

ترجمہ:۔۔۔ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے،
اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے
بچوں سے، ہر آدمی کے لئے ایک ایسی حالت ہوگی جو اس کو
کشت کرے گی، وہ دھڑکھڑکے ہوئے ہوئے ہوگا۔"

ایک نیکی کوئی نہیں دے گا:

وہ حدیث شریف میں مشہور قصہ ذکر فرمایا گیا ہے، آپ نے بھی کئی دفعہ سنا

ہوگا کہ:

"إِنَّهُ يُؤْتِي بِرَجُلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَا يَجِدُ لَهُ حَسَنَةً
تُرْجَحُ بِمِزَانِهِ وَقَدْ اخْتَلَتْ بِالسُّوءِ، فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ
رَحْمَةً مِّنْهُ. إِذْ هَبَ فِي السَّمَاءِ فَالْتَمَسَ مَنْ يُعْطِيكَ
حَسَنَةً أَوْ جَلَلًا بِهَا الْجَنَّةُ فَيَسِيرُ يَجُوسُ جَلَلًا
الْعَالَمِينَ، فَمَا يَجِدُ أَحَدًا يُكَلِّمُهُ فِي ذَلِكَ الْأَمْرِ إِلَّا
يَقُولُ لَهُ: جَعَلْتَ أَنْ يَخْفَ بِمِزَانِي، فَأَنَا الْخَوَاجُ مِنْكَ
إِلَيْهَا! فَيَقُولُ لَهُ رَجُلٌ: مَا الَّذِي تَطْلُبُ؟ فَيَقُولُ:
حَسَنَةً وَاحِدَةً، فَلَقَدْ مَرَرْتُ بِفَرَجٍ تَهْمُ مِنْهَا الْوَقْتُ فَيَجْلُوا
عَلَيَّ، فَيَقُولُ لَهُ الرَّجُلُ: لَقَدْ لَقِيتُ اللَّهَ تَعَالَى فَمَا وَجَدْتُ
فِي صُحُفِي إِلَّا حَسَنَةً وَاحِدَةً وَمَا أَصْنَعُهَا تُغْنِي عَنِّي شَيْئًا
أَحَدًا هَبْ مَنبًى إِلَيْكَ فَيَنْطَلِقُ فَرَحًا مَسْرُورًا، فَيَقُولُ
اللَّهُ لَهُ: مَا بِذَلِكَ؟ وَهُوَ أَعْلَمُ، فَيَقُولُ: رَبِّ انْفَعْ مِنْ أَمْرِي
كَيْتُ وَكَيْتُ، ثُمَّ يَسْأَلُ سُبْحَانَهُ بِصَاحِبِهِ الَّذِي رَهِيَهُ
الْحَسَنَةَ فَيَقُولُ لَهُ سُبْحَانَهُ: تَكْرَمِي أَوْ سَعِ مِنْ تَكْرَمِكَ،

خَلِّدْ بَيْدَ اجْنَيْتِكَ وَانْظِلْفَا إِلَى الْفَجْئَةِ."

(التذکرہ فی احوال السوفی و اسرار الاخرۃ، علامہ قزلباشی، دارالکتب العلمیہ
بیروت، ص ۱۷۱، رسائل غیر الی نہج التوحید الاخرۃ فی کشف
علوم الاخرۃ، امام قزلباشی، ص ۱۳۶، ۱۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
ترجمہ: "قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو لا۔

جسے کچھ جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہمیں
اپنے فضل سے اسے فرمائیں گے: جاؤ! کسی سے ایک نیکی، ایک
ادب تاکہ تیری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے اور تجھے جنت میں
داخل کر دیں۔ وہ میدان حشر میں نیکی کی تلاش میں پھرتے ہوئے
گا، اور ہر ایک سے ایک نیکی کا سوال کرے گا، مگر اس سلسلہ میں
اس سے کوئی بات نہیں کرے گا، ہر ایک کو یہ خوف رہے گا کہ اگر وہ
کہے کہ میں میری نیکیوں کا پلڑا ہلاک نہ ہو جائے اور مجھے ایک نیکی کی
ضرورت نہ پڑ جائے، میں ہر ایک اپنی ضرورت اور احتیاج کے
پیش نظر اسے ایک نیکی دینے سے انکار کر دے گا، وہ مایوس
ہو جائے گا کہ اتنے میں اس کی ایک آدمی سے ملاقات ہوگی، جو
اسے کہے گا: کیا تلاش کر رہے ہو؟ یہ کہے گا کہ: ایک نیکی تلاش
کر رہا ہوں؟ پورے خاندان اور قوم سے ملا ہوں، ہزاروں
نیکیاں رکھنے کے باوجود کوئی ایک نیکی دینے کا روادار نہیں، سب
نے ایک نیکی دینے سے ہٹنے کا مظاہرہ کیا ہے، وہ شخص اسے کہے
گا کہ: میرے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی نیکی ہے، اور مجھے
یقین ہے کہ ایک نیکی مجھے کوئی نفع نہیں دے گی، لہذا یہ نیکی آپ
میری طرف سے بطور ہبہ قبول کیجئے: وہ شخص ایک نیکی لے کر

خوش و خرم بارگاہ الہی میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ باوجود عالم الغیب ہونے کے اس سے پوچھیں گے: کہاں سے لائے؟ وہ اپنا پورا قصہ کہہ سنائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی والے کو بلا کر فرمائیں گے: میرا کرم و احسان تیری سخاوت سے وسیع تر ہے! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں جاؤ۔ یوں وہ دونوں جنت میں چلے جائیں گے۔“

یعنی ایک آدمی کا نام اعمال ٹولا جائے گا، نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو تمہارے لئے جنت کا فیصلہ ہو جائے گا!

چاہئے تو یہ تھا کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے کہتا کہ: ایک نیکی کس سے مانگوں؟ آپ ہی سے کیوں نہ مانگ لوں، کہاں مارا مارا پھروں گا؟ آپ احکم الحاکمین ہیں، ایک نیکی انعام کے طور پر اپنے پاس سے عطا کر دیجئے۔ میرا بیڑا پار ہو جائے گا! لیکن شاید اس سے مجاہدہ کرنا ہوگا جو اس نے دنیا میں نہیں کیا، اب آخرت کی ہولناک پیش میں وہ مارا مارا پھرے گا، بھائی کے پاس جائے گا، بھائی نہیں مانے گا، وہ کہے گا کہ میرا تو کوئی بھائی نہیں تھا! ماں کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: میں نے تو نکاح ہی نہیں کیا! میری اولاد کہاں سے آجی؟ بیوی کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: تو کون ہوتا ہے؟ میں نے تو کبھی شوہر نہیں کیا تھا! اولاد کے پاس جائے گا وہ بھی نہیں مانے گی، کہنے لگے گی کہ: ہم تو بغیر باپ کے ہی پیدا ہوئے تھے! اس نے سارے دروازے کھٹکھٹا کے دیکھ لئے، ساری جگہ پھر کے دیکھ لیا، سب سے مل کر دیکھ لیا، تمام عزیزوں نے صاف صاف جواب دے دیا، سب لوگ ایک نیکی تک نہیں دے رہے۔ بالآخر وہ پریشان حال چلتے چلتے ایک آدمی کے پاس سے گزرے گا، وہ کہے گا کہ: کیا قصہ ہے کہ بہت پریشان نظر آتے ہو؟ وہ اپنا ماجرا بتائے گا کہ جنت میں جانے کے

لئے ایک نیکی کی ضرورت ہے، وہ کہے گا کہ: بھائی! ہمارے تمام اعمال میں تو ہے ہی ایک نیکی، باقی سب بدیاں ہی بدیاں ہیں، جب تمہیں ایک نیکی نہ ہونے کی وجہ سے جنت میں جانے کی اجازت نہیں مل رہی تو ہمارے لئے تو ظاہر ہے کہ جہنم واجب ہے! ان بدیوں کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ اتنی ساری نیکیاں کہاں سے لائیں گے؟ چلو بھائی! ایک نیکی تم لے جاؤ! تمہارا تو کام بن جائے، ہمارے لئے تو پہلے بھی دوزخ میں جانا تھا، اب بھی دوزخ میں جاتا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ ایک نیکی دے کر بھی ہمارا کیا نقصان ہوگا؟ لے جاؤ یہ نیکی تم اپنا کام چلاؤ! اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے، وہ نیکی لے کر جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: کس نے دی ہے؟ تمہارے ابا نے؟ کہے گا: نہیں! اماں نے؟ کہنے لگے گا کہ: نہیں! بیوی نے؟ کہے گا کہ: نہیں! اولاد نے؟ کہے گا کہ: نہیں! آخر کس نے دی؟ کہے گا کہ: ایک آدمی ملا تھا، اس غریب کے پاس ایک ہی نیکی تھی، اس نے کہا: یہ نیکی تم لے جاؤ! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس کو جنت میں پہلے بھیجو! وہ آگے ہوگا اور یہ اس کے پیچھے ہوگا۔

تو ہم یہ سب کچھ سنتے ہیں لیکن دن سنی ہوئی باتوں سے ہمیں کیا عبرت ہو؟ اس کو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں جو آنکھوں دیکھی چیزوں سے عبرت نہیں پکڑتا تو وہ ان چیزوں سے جو اس سے غائب ہیں اور جن کے بارے میں صرف سنا ہے، ان سے کیا عبرت پکڑے گا؟

اولاد کا باپ کو دنیا ہی میں برواشت نہ کرنا:

میرے سامنے دسیوں کہیں اس قسم کے آئے کہ بڑے میاں کو نہ اس کی بیوی قبول کرتی ہے اور نہ اولاد قبول کرتی ہے، آپ نے بھی ایسے واقعات سنے ہوں گے، ساری عمر ان کو کھلا کھلا کر موتا کیا اور ان کے لئے اپنا دین بھی برباد کیا، دنیا بھی برباد کی، لیکن آج جب بڑے میاں معذور ہو گئے تو ان کو جواب دے دیا گیا، بڑے میاں

کی کھانسی برداشت نہیں ہوتی، بڑھاپے میں پھارا کھفتا ہے، اس کو ساری ساری رات بخند نہیں آتی، اور ان لوگوں کو اس کی کھانسی برداشت نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ: یہ بڑھا ساری رات سوتے نہیں دیتا! یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ بہت سارے واقعات ہیں، تو قبر کے معاملات اور حشر کے معاملات، دوزخ کے معاملات اور جنت کے معاملات یہ تو ابھی ہم سے غائب ہیں، عالم غیب ہے، یہ ابھی کھلا نہیں، اس عالم شہادت سے تم عبرت نہیں پڑتے تو عالم غیب سے کیا عبرت پکڑو گے؟

ظالم سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا:

تم یہاں نہیں دیکھتے ہو کہ ظالم کو اللہ تعالیٰ پکڑتے ہیں اور بدلہ لیتے ہیں، اس کے باوجود لوگوں کو عبرت نہیں ہوتی، بھائی بھی کسی پر ظلم نہ کیا جائے، آج تو حالت یہ ہو چکی ہے کہ کسی کے ہاتھ یتیم کا مال لگ جائے تو اس کو پروا نہیں وہ کھاپی جاتا ہے، قرآن نے کہا ہے:

"إِنَّ الْغَافِلِينَ يَتْلُونَ آيَاتِ الْكِتَابِ غُلْفًا ۖ
يَتْلُونَهَا فِي يُتْلُوهُمْ نَارًا" (انشاء: ۱۰)

ترجمہ:..... "جو لوگ قیاموں کا مال ناحق کھاتے ہیں تو وہ مال نہیں کھاتے بلکہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں!"

قبر میں بد اعمالیوں کے سانپ کا قصہ:

گزشتہ جمعہ کو میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے ایک قصہ سنایا تھا جس کی تکلیف اور ابن ابی الدنیا نے یوں نقل کیا ہے:

"آخر جہ ابن ابی الدنیا و البیہقی فی شعب
الایمان عن عبد الحمید بن محمود المعولی قال: کُنْتُ
جَالِسًا لِحَنْدِ بْنِ عَبَّاسٍ فَتَنَاهُ قَوْمٌ فَقَالُوا: إِنَّا خَرَجْنَا

حُجَّاجًا مَعَنَا صَاحِبُ لَنَا حَتَّى أَتَيْنَا ذَاتَ الصَّفْحِ، فَمَاتَ
فَهْيَأُنَاهُ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا، فَحَفَرْنَا لَهُ قَبْرًا نَجِدُنَا لَهُ، فَلَمَّا فَرَعْنَا
مِنْ لَعْبِهِ، قَبَادَا نَحْنُ بِأَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّعْبُ، فَتَرَكْنَاهُ
وَحَفَرْنَا لَهُ مَكَانًا آخَرَ، فَلَمَّا فَرَعْنَا مِنْ لَعْبِهِ إِذَا نَحْنُ
بِأَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ السُّلْحَدُ فَتَرَكْنَاهُ وَاتَيْنَاكَ، فَقَالَ ابْنُ
عَبَّاسٍ: ذَاكَ الْعَلُّ الَّذِي يُقَالُ . وَلَفْظُ الْبِيهْمَى -: ذَلِكَ
عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ، انْطَلِقُوا لَدُونَهُ فِي بَعْضِهَا،
فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ حَفَرْتُمُ الْأَرْضَ كُلَّهَا لَوَجَدْتُمُوهُ
فِيهَا. فَانْطَلَقْنَا فَنَدَقْنَاهُ فِي بَعْضِهَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَأَلْنَا إِمْرَأَتَهُ
مَا كَانَ يَعْمَلُ زَوْجُكَ؟ قَالَتْ: كَانَ يَبِيعُ الطَّعَامَ قَبْلَ أَنْ
تُكُلَ يَوْمَ عَنْهُ قَوَاتُ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَفْرَضُ الْفَصْلَ فَيُلْقِيهِ فِيهِ "

(شرح الصدور بشروح حال الموتى)

(انصاف ص ۷۴، الطبع، دار الكتب العلمية بيروت)

ترجمہ: "ابن ابی الدنیا اور یحییٰ نے شعب الایمان

میں عبد الحمید بن حمزہ معولی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ آکر کہنے
لگے کہ: ہم حج کرنے آئے تھے، ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے
جن کا انتقال ہو گیا، ہم نے ان کے غسل و کفن سے فراغت کے
بعد ان کے لئے قبر کھودی، ابھی ہم اس کی تدفین کرنا ہی چاہتے
تھے کہ دیکھا کہ اس قبر میں ایک بہت بڑا کالا سانپ ہے، جس
نے قبر کو بھر رکھا ہے، ہم نے وہ چوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودی،
تو وہاں بھی یہی معاملہ تھا، تب ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ

ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ اس کا وہ دھوکا اور کھوٹ ہے جو کیا کرتا تھا۔ بیٹی کے الفاظ ہیں کہ: یہ اس کا وہ عمل ہے جو وہ کیا کرتا تھا۔ جاؤ! اس دن میں سے کسی قبر میں دفن کرو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم پوری زمین میں جہاں اس کے لئے قبر کھودو گے اس سانپ کو وہاں پاؤ گے۔ راوی کہتا ہے کہ: ہم نے ان میں سے ایک قبر میں اس کو دفن کر دیا، جب ہم حج سے فارغ ہو کر گھر لوٹے تو اس کی بیوی کے پاس گئے، اور اس سے پوچھا کہ تیرا شوہر کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا: گندم کی تجارت کرتا تھا، جتنا روز کا گھر کا خرچہ ہوتا وہ اتنا نکال لیتا تھا اور اس کی جگہ گندم کا روٹی حصہ یعنی جو وغیرہ اس میں ملا کر وزن برابر کر دیتا تھا۔“

یعنی حاجیوں کا قافلہ چڑھتا تھا، ایک حاجی کا راستے میں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر انتقال ہو گیا، اس کو کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنے لگے، قبر کھودی تو ایک بہت بڑا سانپ جس کو اثر دیا کہتے ہیں، اس نے پوری لد گھیر لی ہوئی ہے، لوگ حیرت زدہ ہو گئے، دوسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی ہو، تیسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی صورت حال، تو لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور کہا کہ: حضرت! کیا کریں؟ فرمایا: ساری دنیا کی زمین بھی کھود لو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی ملے گا، یہ اس کا عمل ہے، سانپ نہیں ہے!

یہ جو قبر میں ہم سانپ اور بچھو کا سنتے ہیں، یہ حقیقت واقعہ ہے، یہ محض ڈرانے کی باتیں نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات ہیں، اور یہ سانپ اور بچھو اور دوسرے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض اور دوسری بلائیں یہ ساری کی ساری اس کے اپنے اعمال ہیں، اور جو قبر "رَوْضَةُ بَيْنَ رِيقَايْنِ الْجَنَّةِ" یعنی

بنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے، یہ بھی اپنے اعمال ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کو اسی قبر میں دفن کرو! تم ساری روئے زمین بھی کھود لو گے تو یہ وہاں ضرور نکلے گا، کیونکہ یہ اس کا اپنا ٹٹل ہے! پھر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیں دھکیل کر (دور اور خوف تو تھا ہی) جلدی سے اوپر سے بند کر دیا۔

ملاوٹ کا وبال:

وہیں آئے تو اس کے گھر لئے، اس کی بیوی سے پیسے تعزیت کی اور پھر پوچھا: یہ کیا بات تھی؟ سارا قصہ اس کو سنایا، کہنے لگی کہ: فلاں کا کاروبار کرتا تھا، بھتی آج کی ضرورت ہوئی اتنے ٹیپوں نکال لیتے اس کی جگہ ”جو“ ڈال دیتا، وزن پورا رکھتا تھا۔ ہر دھڑلے سے ملاوٹ کرنے والے اتنے سے نفع کے لئے اتنا نقصان کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”وَيْسَلُ الْمُنَافِقِينَ. الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْوِفُونَ. وَإِذَا كَالُواهُمْ أَوْ وَزَنُواهُمْ يَخْسِرُونَ. أَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّكَ أَنْتَ الْمَقْصُوفُونَ. الْيَوْمَ عَظِيمٌ. يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ.“
(نمل: ۲۷-۳۱)

ترجمہ: ”ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو ناپ قول میں کی کرتے ہیں، جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر دیتے ہیں یا وزن کر کے دیتے ہیں تو ڈنڈی مارتے ہیں، گمانہ! اتلے ہیں، لوگوں کو کم دیتے ہیں، کیا ان کو یہ کدن نہیں ہے کہ ان کو ایک بڑے دن میں اٹھایا جائے گا؟ جس دن سب انسان رب العالمین کے سامنے حاضر

ہوں گے، کھڑے ہوں گے!“

دنیا عبرت کی جا ہے!

دراصل ہمارا آخرت پر ایمان نہیں رہا، اور آخرت سے پہلے قبر پر بھی ایمان نہیں، خواہ مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جلد ہی لگانے کی دنیا نہیں ہے!

یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے!

یہاں تم عبرت پڑو، تماشا نہ دیکھو!

نیک بخت شخص؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نیک بخت ہے وہ شخص جو دوسروں کے حال سے عبرت پڑے! شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لقمان حکیم را گفتند ادب از کسے آموختی؟ گفت از بے ادبهاں!

حکیم لقمان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ فرمایا کہ: بے ادبوں سے سیکھا! لوگوں نے کہا: وہ کیسے؟ فرمایا: جو بات میں نے کسی کے اندر ایسی دیکھی جو میری نظر میں ابھی نہیں تھی، تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ مجھ سے یہ بات یا عمل نہیں صادر ہوگا، اس کو تو کچھ نہیں کہا، بلکہ اپنی اصلاح کر لی، اسی طرح با ادب اور صاحب ادب بن گئے، گویا جتنے بے ادب تھے اور ان کے اندر جو بات بھی پسندیدہ تھی یا نظر نہ آئی، میں نے اس کو چھوڑ دیا، اس کو کہتے ہیں دوسروں سے عبرت پکڑنا! تو جو شخص آنکھوں دیکھی چیز سے عبرت نہیں پکڑا، وہ کانوں سنی سے کیا عبرت پکڑے گا؟ اس کے سامنے دوزخ کے حالات بیان کرو، اس کے سامنے قیامت کی ہول کیاں بیان کرو، اس کے سامنے قبر کی باتیں بیان کرو، اس کے لئے یہ سب بے

سور ہے!

کوچ کا نذرہ بیچ چکا:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: نیک بات یاد رکھو! کہ تمہارے لئے کوچ کا نذرہ بیچ چکا ہے۔

نماز چناڑہ میں اذان اور اقامت نہیں ہوتی، کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں اذان اور اقامت کبہ کی جاتی ہے، اور بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے کبہ دیا جاتا ہے کہ جلدی کر اذان ہو جاتی ہے۔ اقامت ہو چکی ہے، امام نیت باندھنے والا ہے، بس اتنی مہنت ہے تیرے پاس: **كَلِمَةً فَمَنْ مَضَىٰ فَلَمْ يَمْلِكْ، قَدْ فَاتَتْهُ الْغُلُوْفَةُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَللّٰهُ**۔ تعمیر کے بعد اقامت نیت باندھنے میں جتنی برکتیں ہیں اتنی فرصت ہے تیرے پاس، جلدی کر لے جو کرنا ہے، یہ ہے کوچ کا نذرہ، فرماتے ہیں کہ کوچ کا نذرہ بیچ چکا ہے، اور تمہیں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ توشہ ساتھ لے کر جانا ہے۔ کیا توشہ لے کر جانا ہے؟

بوجھ چکا کرو:

میں نے شیخ عطار رحمہ اللہ کا شعر آپ کو سنایا تھا، حضرت فرماتے ہیں کہ تیرا وجود اور ہیشہ بہت کمزور ہے، ذرا اپنا بوجھ ہلکا کر لو، یہ تمہارے خوبصورت پتھروں کی ٹھنڈیاں باندھ باندھ کر رکھ لیں، ذرا اپنا بوجھ ہلکا رکھو، پیسے جیب میں لئے ہاؤ، سونے کی اشرفیاں لے جاؤ، یہ تمہیں کام دیں گی، اور یہ جو تمہاریاں باندھ باندھ کر رکھ رہے ہو تمہیں مطلوب ہے کہ کمر ہلاد کے لئے جانا ہے۔ تم تو بہت ہلکا سا، کمزور سا وجود رکھتے ہو، اپنا بوجھ ہلکا رکھو، وزن راستے میں تمہارا ہموار۔ بڑا سخت دیکھو گے، حضرت یہ ساری چیزیں جو باندھ باندھ کے لے کر جا رہے ہیں خود اٹھنی پڑیں گی، وہاں قلی نہیں ملتے، نہ رے یہیں ندیوں کے ایئر پورٹ پر قلی نہیں ملتے تو وہاں کہاں ہیں

گئے؟ وہاں تو یہ معاملہ ہوگا کہ: درست خود دھن خود، یعنی اپنا ہاتھ اور زچا منہ۔ خود ہی منہ، تو تمہیں بتادیا گیا ہے کہ یہ توشہ لے کر جانا ہے، مگر تم سننے ہی نہیں، جو توشہ لے کر جانا ہے اس کی فکر نہیں کر رہے۔ اور جو بوجھ نہیں اٹھاتا ہے اس کو باندھ رہے ہو۔

طولی اہل اور اتباع ہوئی:

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ: دو چیزیں مجھے تمہارے حق میں سب سے زیادہ خوفناک نظر آ رہی ہیں، ایک طولی اہل ("طوئ" کے معنی لمبا ہونا اور "اہل" کے معنی امیدیں)۔ ہم میں سے ہر شخص جب مکان بناتا ہے تو آدمی سی کا بناتا ہے، اچھے سے اچھا مال، اتنے موٹے موٹے سر پہ، گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے یہ مکان حادثہ سے محفوظ رہے، تو یہ عزت ایک ہزار سال تو کہیں جاتی نہیں، لیکن:

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں!

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں!

یہ تو اپنی موت سے بے خبر ہو کر ہم امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ کریں گے، وہ کریں گے، اسی کا نام "طولی اہل" ہے، امیدوں کا لمبا رکھنا۔ ہاں بقدر ضرورت سامان جمع کر سکتے ہو، مثلاً تم ملازم ہو اور ایک ماہ کے بعد تنخواہ ملتی ہے، تو تم ایک ماہ کا سامان کرلو، اگر کوئی پچاڑا کسان ہے اور اس کی فصل چھ ماہ کے بعد آتی ہے، چھ ماہ کا سامان کرلو، اور ایک بیچارہ مزدور ہے، دہاڑی پر کام کرتا ہے، وہ ایک دن کا انتظام کر لے، کل اللہ تعالیٰ دے گا، زندگی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ضرور دیں گے، یہ تو مولیٰ سی بات ہے کہ اگر زندگی اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے تو زندگی کسی چیز کے ساتھ قائم بھی تو رہے گی، تو اللہ تعالیٰ زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرے گا۔ اتنی مختصر سی بات تھی کہ ہم اپنے کام میں لگتے اور یہاں کی دنیویوں کو کم کرتے، لیکن ہمارا معاملہ بالکل فالت ہو گیا، امیدیں لمبی ہو گئیں، اور آخرت کی فکر بالکل ہی موصوم ہوئی،

بلکہ سوہوم ہوتے جوتے معدوم ہوئی، دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ہمیں شاید ہی خیال آتا ہو کہ ہمیں جانا ہے، یا تیاری کر لیں! کل سفر ہے اور سفر بہت دور کا ہے! یہاں سے لوگ حرمین شریفین کے سفر پر جاتے ہیں یا کسی اور جگہ کسی اور ملک میں جاتے ہیں تو وہاں جا کر ٹیلی فون کرتے ہیں کہ میں فلاں چیز بھول آیا ہوں، فلاں آدمی آ رہا ہے میرے پاس، اس کے ہاتھ بھجوا دینا، تو بھائی! یہ ایسا سفر ہے کہ اس سفر میں ٹیلی فون بھی نہیں کر سکو گے، تمہیں وہاں آنے کی مہلت نہیں ہوگی اور کچھ منگوانے کی مہلت نہیں ہوگی، تو لمبی امیدوں کی جگہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہماری امیدیں منقطع ہو جائیں، اور آدمی یہ کہتا کہ مجھے اس چیز سے کیا غرض؟ اور میں اس کا کیا کروں گا؟ کیونکہ میرا تو شام کو سفر ہے، جب میں شام کو جا رہا ہوں اور رخصت ہو رہا ہوں تو مجھے کوئی ہزار بلڈ ٹکس بھی دے دے تو میں ان کو کیا کروں گا؟ کوئی کہے کہ یہ کارخانہ آپ کا ہے، کوئی مفت بھیج دے تو میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گا، کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، بھائی ہمارا اصل معاملہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ موت نصب العین ہوتی، ہر روز قبر ہمارے سامنے ہوتی اور ہمیں خیال ہونا کہ صبح گئے یا شام گئے، کہاں کی امیدیں؟ کہاں کے منصوبے؟ اور کہاں کی یہ چیزیں؟ لیکن ہمیں غارت کر دیا یہاں کے منصوبوں نے، اور جس کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہئے تھی وہ تو کی ہی نہیں۔

اتباع ہوئی کے نقصانات:

فرمایا: ایک تو مجھے سب سے زیادہ خطرے کی چیز یہ نظر آ رہی ہے، اور دوسری چیز ہے ”اتباع ہوئی“ یعنی خواہش نفس کی پیروی کرنا۔

ہماری خواہش نفس کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شریعت کا مسئلہ یا شریعت کی کوئی بات ہماری خواہش نفس کے مطابق ہوگی تو ہم عمل کریں گے، ورنہ کہہ دیں گے کہ ”اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے!“ جس نفس کی خواہش پوری ہوئی چاہئے، اللہ اور اللہ

کے رسول کا فرمان پورا ہوتا ہے یا نہیں؟ اس چیز سے ہمیں بحث نہیں! بس ہماری خواہش نفس پوری ہونی چاہئے۔

طوبی اللہ کا نقصان:

فرمایا کہ: ان دونوں کے خطرناک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ”طوبی اللہ“ میدان کا مہیا ہونا، آدمی کو آخرت بھلا دیتا ہے۔ آرزوؤں میں پڑنے کے آدمی آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، آخرت کا کام کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

اہتمام ہوئی یعنی خواہش نفس اور اس کی پیروی کرنا یہ آدمی کو حق سے روک دیتا ہے۔ جو شخص اپنی خواہش نفس پر چلا ہو، وہ حق کو قبول نہیں کر سکتا، اس کے سامنے کتنے ہی افعال کے ساتھ، کتنی ہی ہمدردی کے ساتھ اور کتنی ہی محبت کے ساتھ اور کبھی ہی نرمی کے ساتھ حق بات پیش کیجئے، چونکہ وہ حق بات اس کی خواہش کے خلاف ہے، اس لئے وہ اسے قبول نہیں کرے گا، بلکہ جواب دے گا کہ: ”جاؤ جی مولوی صاحب! اپنے کام کرنا تمہیں جو نئے ان معاملات کو“ یہ ہے وہ اہتمام ہوئی: جو آدمی کو حق سے روک دیتا ہے، خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب کوئی حکم سامنے آجائے تو اپنے نفس کی خواہش کو چھوڑ دو یہ ہمارا نفس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہمارا خیر خواہ نہیں۔

دنیا جا رہی ہے اور آخرت آ رہی ہے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: دنیا جا رہی ہے، آخرت آ رہی ہے، اور دونوں کے بیٹے ہیں۔

آخرت کے بیٹے بنو:

کچھ بیٹے ہیں دنیا کے، کچھ بیٹے ہیں آخرت کے، آپ کو معلوم ہے کہ دنیا جس باپ کا ہوتا ہے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے، بیٹے تو یک ہی باپ کا ہوتا ہے، دو

کا تو نہیں ہوتا، ایک باپ کے دو بیٹے تو ہو سکتے ہیں، مگر ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ باپ تو ایک ہی ہوگا۔ تو بعض لوگ ایسے ہیں جو ایسا اللہ ہیں، دنیا کے بیٹے ہیں، ان کا دو کوئی باپ نہیں ہے، اور کچھ ہیں جو ایسا اللہ آخرت کے بیٹے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۖ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا“
(النہل ۱۰۳، ۱۰۴)

ترجمہ: ”(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ تمہیں بتائیں کہ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ (اکثر سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے اعمال کے اعتبار سے کون ہیں؟) یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری محنت ضائع ہوئی، تم ہو گئی دنیا کی زندگی میں، اور یہ دگ ٹکٹن کر رہے ہیں کہ یہ لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔“

دنیا کے بیٹے اپنا آخرت کا مذاق اڑاتے ہیں:

دنیا والے ملائیں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ دنیا کا کام نہیں جانتے، اللہ والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، غریب غریب کا مذاق اڑاتے ہیں، فقیروں کا مذاق اڑاتے ہیں، جن کے پاس دنیا نہیں ہے ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم بھروسہ مند ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، آج کل کی تعلیم یافتہ کہتے ہیں جو دنیا کمانا، حرام کماتا زیادہ جانتا ہو۔
تمہیں کمزوروں کی برکت سے رازق ملتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص اپنے چھوٹے بھائی کی شکایت سے کرا رہا تھا، بھائی کھانا کھا اور چھوٹا بھائی کھانا نہیں کھا، تمہاری اصطلاح

میں "صوفی" تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا، تو بڑے بھائی نے حکایت کی کہ حضرت ایہ بیہوش پڑا رہتا ہے، کوئی کام دیکھ نہ سکتا۔ دو بچہ وہ تو خاموش رہا، آخر بڑے بھائی کو کیا جواب دیا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"هَلْ تَنْصَرُونَ وَتَرَوْنَ إِلَّا بَعْضُ غَفَاكُمَا"

(مشکوٰۃ ص ۷۷)

ترجمہ: "... تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تم کو جو

رزق دیا جاتا ہے، وہ ان کمزاریوں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔"

ترجمہ: ہو کہ میں کمزور ہوں، تم نہیں کمزور ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حصے کی دے رہا ہے، اللہ میں جو سب سے کمزور آدمی ہے اور جو پیار و کرمی میں سب سے بے حسد ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمام گھروں کو پاں دے رہے ہیں، یہ اہل آخرت یعنی آخرت سے بیٹے ہیں، لیکن وہ نہیں سمجھتے، کیا کریں؟ تم کہی ان کا مذاق اڑاتے ہو کہ خیرات کی روٹیوں پر چڑھتے ہیں، کبھی کبھی کہتے ہو، کہتے ہو بھائی! ہمارا کچھ نہیں بگڑا، تم اپنی ہی نقصان کرتے ہو، لیکن تمہاری یاد بانی کے لئے کہتا ہوں جن کو تم کہتے ہو کہ یہ خیرات کی روٹیوں پر چڑھتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ تم ان کی وجہ سے بے گھر ہو، اللہ تعالیٰ تم کو ان کی وجہ سے بے گھر کر رہا ہے، وہ نہ جانتے تو اللہ تمہیں نہ پاتا، تم ان کو نہیں پاؤ رہے، بلکہ ان کا فضل، ان کی کمزوری یہ تمہیں پاؤ رہی ہے، وہ اللہ کی رحمت کو سمجھ رہی ہے۔

آج عمل اور کل حساب ہوگا:

تو ارشاد فرمایا کہ: دنیا باری ہے آخرت آدمی ہے، اور دونوں کے ہونا ہیں، بیٹے ہیں، سو تم ایسے ونہ نہ ہو، بنائے آخرت، جو، چونکہ آج عمل ہے، حساب نہیں، کرو جو کرنا ہے، ایک ساتھ ہی حساب کریں گے۔ ایک آقہ ہوتا ہے وہ ملازم سے ایک ایک بات پوچھتا ہے، یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں نہیں کیا؟ اور ایک آقا بلا نظر دوتا

ہے، وہ ایک ایک بات پر نہیں اُلجھتا، ملازم غلطی کرتا ہے، کرنے دو، ایک ماہ تو پورا ہونے دو، پھر اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے؟ ہمارے ساتھ چل سکتا ہے کہ نہیں چل سکتا؟ ایک ایک بات پر نہیں اُلجھتا، ہدایتیں دے دیتا ہے، اخلاص کے ساتھ محبت کے ساتھ، تو حق تعالیٰ شائد ایک ایک بات پر تم سے نہیں اُلجھتے، ایک ایک بات پر مناقبہ نہیں فرماتے، تم کی مہلت دے دی، عمل کرو، حساب بعد میں کر لیں گے، لیکن آج کا دن ختم ہوگا، کل کا دن آئے گا تو عمل نہیں ہوگا حساب ہوگا، اس کو کہا جائے گا کہ پورا کرو حساب! کہیے گا کہ: کہاں سے پورا کروں؟

میدانِ حشر میں ابنائے دنیا کا حال:

ایک حدیث شریف میں فرمایا یہ ہے کہ:

”يَخْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ اَذَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا يَخْضَعُ قِيُوْفُ
بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ فَيَقُولُ لَهُ: اَعْطَيْتُكَ وَحَوْلْتُكَ وَانْعَمْتُ
عَلَيْكَ لِمَا صَنَعْتُ“ فَيَقُولُ: رَبِّ جَعَلْتَهُ وَتَعَرَّفَهُ
وَقَرَّحْتَهُ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِي اِلَيْكَ بِهٖ مُجَلَّةً..... الخ.“
(مختلوة ص ۴۴۳)

ترجمہ: ”ایک آدمی قیامت کے دن ذلیل و رسوا
کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ بندے سے
پرچمیں گے کہ: میں نے تو بہت سارا مال دیا تھا تو نے کیا کیا؟ وہ
کہے گا کہ یا اللہ! میں نے اس کو خوب بڑھایا تھا، (ایک کی دو
دکانیں بنائی تھیں، ایک کی چار، ہمیں بنائی تھیں، ایک کی چار
فیکٹریاں بنائی تھیں، وغیرہ وغیرہ) بہت زیادہ میں نے کاروبار کو
بڑھا لیا تھا، بڑی ترقی دی تھی کاروبار کو، مگر آپ کو چاہئے تو مجھے
واپس بھیج دیجئے میں لا کر آپ کو دے دیتا ہوں! اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے کہ: نہیں! مجھے ضرورت نہیں ہے، وہ تو جہیں یہاں
 بھیجنے کے لئے دیا تھا، تمہارے کام یہاں آتا۔"
 صاحب: ہوگا عمل نہیں ہوگا اور آج عمل ہے حساب نہیں ہے۔
 قبر والے کچھ کر نہیں سکتے:

شرح الصدور میں حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:
 "واخرج ابن ابي السديا عن ابي فلامية قال:
 قُبِلْتُ مِنَ الشَّامِ إِلَى الْبَصْرَةِ فَنَزَلْتُ الْخَنْدَقَ، فَتَطَهَّرْتُ،
 وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ بِاللَّيْلِ، ثُمَّ وَضَعْتُ رَأْسِي عَلَى قَبْرِ،
 فَسَمِعْتُ قَمَ تَنْهَيْتُ فَإِذَا صَاحَبُ الْقَبْرِ يَسْتَكْبِي وَيَقُولُ: لَقَدْ
 أَذَيْتَنِي مِنْهُ الْآلِيَةُ! ثُمَّ قَالَ: إِنَّكُمْ لَا تَعْلَمُونَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ،
 وَلَا نَقْدِرُ عَلَى التَّمْنِي، إِنْ التُّرْكُوعَيْنِ اللَّتَيْنِ رَكْعَتَيْهَا خَيْرٌ
 مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. ثُمَّ قَالَ: خَزَى اللَّهُ أَهْلَ الدُّنْيَا خَيْرًا
 فَاقْرَأْ مِثْنَى السَّلَامِ، فَإِنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْنَا دَعَائِهِمْ نُورٌ مِثْلُ
 الْجِبَالِ." (شرح الصدور ص: ۵۵ ص: ۵۶ ص: ۵۷)

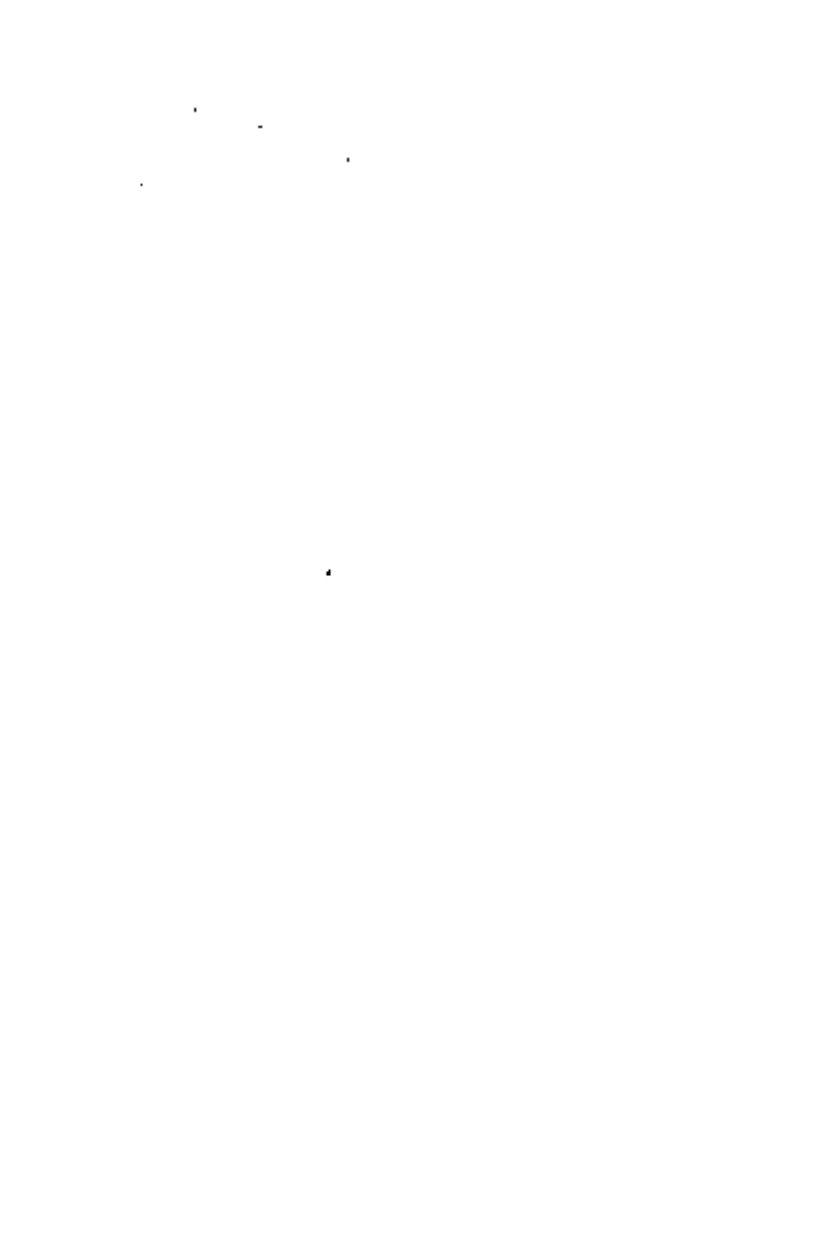
ترجمہ: "ابن ابی قلابہ کہتے ہیں کہ میں شام سے
 بصرہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ میں رات کو ایک خندق میں
 اتر کر وضو کیا، دو رکعت نفل ادا کی، دو قبر پر سر رکھ کر سو گیا، خواب
 میں کیا دیکھا ہوں کہ قبر والا مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ رات
 بھر آپ نے مجھے (قبر پر سر رکھنے کی وجہ سے) اذیت دی، پھر کہنے
 لگا کہ تم نہیں جانتے اور ہم جانتے ہیں، تم عمل نہیں کر سکتے، بے
 قلب وہ دو رکعتیں جو تو نے ادا کی ہیں، دنیا و مافیہا سے بہتر

ہیں، پھر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو جزائے خیر دے،
آپ ان کو میرا سلام کہئے اور ان کو بتائیے کہ ان کی دعا میں
ہماری قبروں میں نور کے پیرزوں کی طرح داخل ہوتی ہیں۔

یعنی ایک بزرگ قبرستان کے پاس سے جا رہے تھے، وہاں معصوم نہیں ان کو
کیا خیال آیا کہ انہوں نے ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور اس کا
ثواب قبر والے کو بخش دیا، چند لحظات کے لئے بیٹھے تھے کہ ان کو فائدہ آگئی، خواب میں
دیکھتے ہیں کہ قبر والے سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے
خیر عطا فرمائے، ہم تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کا نام سننے کو ترس گئے تھے، آج تم
نے دو رکعتیں میری قبر کے پاس پڑھی ہیں اور مجھے ان کا ثواب بخشا ہے، دنیا بھر کے
غزائوں کی قیمت اس کے بدلے میں کچھ نہیں، مجھے اس سے اتنی مسرت ہوئی ہے۔
اور پھر دو صاحب قبر کہنے لگے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں، مگر کچھ کر نہیں سکتے، اور تم
سب کچھ کر سکتے ہو مگر جانتے نہیں، اور۔

حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو آخرت کی تیرہائی توفیق عطا فرمائے، دنیا بقدر
ضرورت منع نہیں، طہال سے لو غرام سے نہ جاؤ، اپنی کوتاہیوں اور غرضوں کی تمنا کی کرتے
رہو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، بندوں کے حقوق اپنی گردن پر لئے کر نہ جاؤ اور یہ
سوچتے رہا کرو کہ ہم نے اپنی قبر کے لئے، اپنے حشر کے لئے اور اپنی آخرت کے لئے
کیا سامان بھرا ہے؟ کیا توشہ بھرا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔
و از غرۃ حورنا لہ (العبد اللہ رحمہ اللہ)

تین طلاق کا حکم



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(الحمد لله وسبح على عباده الزلزال مصطفیٰ)

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ امْرَأَةٌ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي قَبْلَ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَعَامَعَهُ إِلَّا هَذَنُ الشُّرْبِ. فَقَالَ: تُرِيدِينَ أَنْ تُرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: لَا حَتَّى تَذَوَّقِي غَسِيلَتَهُ وَتَذَوَّقِي غَسِيلَتَكَ.“
(مشکوٰۃ ص ۲۸۰)

ترجمہ:..... ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ کی عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگی کہ: میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھے طلاق بتہ دے دی، اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کیا، ان کے ہاں کھڑے کے اس کنارے کے علاوہ کچھ نہیں! (نامرد ہیں)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی

ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمیں! جب تک یہ دوسرا ٹھوہر حیراؤ اکتہ نہ چٹھ لے اور تو اس کاؤ اکتہ نہ چٹھ لے: (یہ بات آپؐ نے رقعہ کی بیوی سے فرمائی تھی، دفاع نے ان کو تین طلاقیں دے دی تھیں)۔“

”نَحْنُ الْمُبْرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.....
فَقَالَ: أَلْعَجَبُونَ مِنْ لَيْلٍ هَذِهِ لِمَنَاجِيلٍ مَعْدُ بْنُ مَعَادٍ فِي
الْحَبِيبَةِ خَيْرٌ مِنْهَا وَالَّذِينَ“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳)

ترجمہ:.....”حضرت برآ بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو اس کہڑے کی تری سے؟ البتہ سعد بن معاذ کو جنت میں جو وہ مال سے ہیں وہ اس سے بہتر ہیں اور اس سے زیادہ نرم ہیں!“

”قَالَ أَبُو بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّمَا بَايَعَكَ سَوَاقِ الْحَبِيبِجِ مِنْ أَسْلَمَ وَعُقْفَارَ وَمُرَيْثَةَ! قَالَ: لَوَإِثَّ إِنَّ كَانَ أَسْلَمَ وَعُقْفَارَ وَمُرَيْثَةَ وَأَخْبَبُ جُهَيْنَةَ خَيْرًا مِنْ بَنِي تَيْمِمْ وَبَنِي عُلَيْمٍ وَأَسَدٍ وَعُظْفَانَ أَشَابُوا وَخَسِرُوا؟ فَقَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهُمْ لَا خَيْرَ مِنْهُمْ.“ (مسلم ج ۲ ص ۳۰۶)

ترجمہ:.....”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ: آپ کی بیعت قبیلہ اسلم، عقفار اور جمہدہ میں سے حاجیوں کی

چوری کرنے والوں نے کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بھلا یہ تو بتا اگر
اسلم کی قوم، غفار کی قوم، مزینہ کی قوم، جہیدہ کی قوم بہتر ہوں
بنو قسیم سے، بنی عامر سے، اسد سے اور غطفان کی قوم سے تو کیا
ان کو نقصان اور خسارہ پڑا؟ اقرع بن حابس نے کہا کہ: جی ہاں!
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس
کے قبضے میں میری جان ہے! اہل اسلم کی قوم اور یہ دوسرے
لوگ جو ہم نے ذکر کئے ہیں یہ بہتر ہیں ان قوموں سے یعنی بنی
جہیم وغیرہ سے۔“

تین طلاق کے بعد تحلیل شرعی کی صورت:

حضرت رقاہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، اس
نے عدت کے بعد حضرت عبدالرحمن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا اور کچھ عرصہ
کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہا: یا رسول اللہ! مجھے
رقاہ نے طلاق دے دی تھی، میں نے عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا، کپڑے کا پلو
کپڑ کر کہا کہ وہاں تو ایسے قصہ ہے، یعنی وہ نامرد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مسکرائے اور فرمایا کہ: تو دوبارہ رقاہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں!
فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا! جب تک کہ دوسرا شوہر حیرا ذائقہ نہ چکھ لے اور تو اس کا ذائقہ نہ
چکھ لے جب تک پہلے شوہر کے لئے تو طلاق نہ ہوگی۔

قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ:

”فَإِنْ خَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَبْكَرَ“
(البقرہ: ۲۳۰)

ترجمہ: ”اگر بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد

تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔
اور نکاح سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لے۔

تین طلاق کا حکم:

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ پہلا شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ حرام ہو جاتی ہے، حرمت غلط کے ساتھ اور اس کے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک کہ یہ عورت کسی اور شوہر سے جا کر نکاح نہ کرے اور اس کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا نہ کرے۔

عوام کی غلط فہمی:

بعض لوگ صرف اتنا سمجھ لیتے ہیں کہ پہلے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں تو غیر مقلدوں کے پاس چلے گئے، تو انہوں نے کہا کہ: ایک ہی طلاق ہوئی ہے: وہ فتوے لئے پھرتے ہیں، جب بھی کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو پھر وہ سیدھا غیر مقلدوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے فتویٰ لیتا ہے، اور وہ وہیں عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں، وہ حدیث انہوں نے رتی ہوئی ہے، میں کہتا ہوں تم غیر مقلدوں کے پاس جانے کے بجائے شیعوں کے پاس جایا آؤ، وہ کہیں گے کہ ایک بھی نہیں ہوئی، طلاق سب سے سے ہوئی ہی نہیں۔

خلفائے ثلاثہ، صحابہ کرامؓ اور امام بخاریؒ کے ہاں

تین طلاق کا حکم:

حضرت عمرؓ، میرا مومنین تھے، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم، یہ تینوں خلیفہ راشد اپنی اپنی خلافت کے دور میں یہ فتویٰ دیتے رہے

کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں، ایک نہیں ہوتی، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "باب من اجاز الثلاث" کے تحت کئی حدیثیں نقل کی ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہوتی ہیں۔ غیر مقلد، امام بخاریؒ کو سب سے بڑا امام مانتے ہیں، لیکن یہاں وہ ان کی بھی نہیں مانتے، معلوم ہوا کہ اپنے مطلب کی مانتے ہیں۔

تین طلاق کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عن هارون بن عسرة عن ابيه قال: سُئِلْتُ جَالِسًا عَنْ عَبْدِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَتَاةً وَجُلَّ فَقَالَ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! اِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ جَانَّةَ مَرَّةٍ، وَاتَمَّا قُلْتُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَهَبْنِي مِثْلِي بِثَلَاثٍ اَمْ هِيَ وَاحِدَةٌ؟ فَقَالَ: بَأْسَتْ بِثَلَاثٍ وَعَلَيْكَ وَرِزٌّ سَبْعَةٌ وَتِسْعِينَ." (مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۵ ص: ۱۳)

ترجمہ:..... "ہارون بن عسرة بیان کرتے ہیں کہ: میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ: اے ابن عباس! میں نے یکبارگی اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، تو کیا یہ مجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہو جائے گی یا یہ ایک طلاق شمار ہوگی؟ آپؓ نے فرمایا: وہ جدا ہوگی تین طلاقوں سے اور بقیہ ستانوے تم پر بوجھ ہیں۔"

اور اسی طرح کئی لوگوں نے آپؓ سے اس بارہ میں سوال کیا، کئی روایات

ہیں، ایک جگہ یہ آتا ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سوطا قیں دے دیں! فرمایا: تم میں سے ایک آدمی حماقت کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یا ابن عباس! یا ابن عباس! پھر میرے پاس آکر فتوے پوچھتا ہے، جا تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوئیں اور ستانویس طلاقیں تیری گردن میں رہیں، اس کا وبال تجھے قیامت کے دن بھگتنا ہوگا۔

تین طلاقیں اور ائمہ اربعہ:

چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو تین ہوتی ہیں، اور حلالہ کرنا ضروری ہے، میں ہمیشہ لکھتا ہوں کہ اس کے لئے حلالہ شرعی ضروری ہے۔

حلالہ شرعی؟

مجھے ایک غیر متقدم نے لکھا ہے کہ: حلالہ شرعی بھی کوئی ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! حلالہ شرعی بھی ہوتا ہے جس کو قرآن نے ذکر کیا ہے: ”فَإِذَا تَجَلَّىٰ لَهُ مِنَ بُعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجَ خَاتَمًا“ کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ اس کے حلالہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ ان الفاظ سے قرآن کریم نے جس حلالہ کو ذکر کیا ہے میں اس کو حلالہ شرعی کہتا ہوں، بعد میں پھر جواب نہیں آیا۔

اس امت میں صرف حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں، اور ان کے بارہ میں میں نے جمعہ میں بتایا تھا کہ وہ مسجد نبوی میں فقہ حنفیہ کے زمانے میں بیٹھے رہتے تھے، تین دن انہوں نے اس طرح گزارے ہیں، ایسے ہیں جن سے یہ حقوق ہے کہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لینا کافی ہے، وتلف زواجیت اور کرنا ضروری نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات ان سے غلط نقل ہوئی ہے، ورنہ تمام ائمہ اس وقت اس پر کیسے متفق ہوتے؟ ائمہ اربعہ

اس پر کیسے متفق ہوتے؟

ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے:

میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں کہ شاد ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے "عقد الجید" میں لکھا ہے کہ جس مسئلے پر ائمہ اربعہ متفق ہوں اس مسئلے پر اجماع امت ہے، وہ مسئلہ ایسا ہی ہے۔

جنت کے ریشمی رومال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک تاجر آیا، اس کے پاس ایک ریشمی رومال تھا، لوگ اس کو دیکھتے تھے، بہت پسند کرتے تھے، اور ایک روایت یہ ہے کہ نصرانی بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی کپڑا دیا یہ کیا تھا، وہ کپڑا اتنا نرم اور اتنا نفیس تھا کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی، لوگ اس کو ہاتھ لگا کر نوٹتے تھے، کہتے تھے کہ: سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم اس پر تعجب کرتے ہو، سعد بن معاذ کو جنت میں جو ریشمی رومال دیئے گئے ہیں، وہ اس سے زیادہ نرم بھی ہیں اور خوب صورت بھی ہیں۔

آنحضرت کی تربیت کا انداز!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب بھی دنیا کی کسا چیز کی تعریف کی وہ تعریف اپنی جگہ صحیح تھی، غلط نہ تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ لوگ اس کو قیمتی چیز سمجھیں گے، چنانچہ ہر ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے مقابلہ میں ان کے سامنے آخرت کو پیش کیا۔

دنیا کی چیزوں کی قیمت؟

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کوڑے کے ڈھیر پر ریشمی قسم کے پرانے

چیتھڑے پڑے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے کہ: دیکھو یہ ریشمی چیتھڑے کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے بہت شوق سے مجھے خریدا تھا، بنایا تھا، آخر میں میں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل ہو گیا، بس یہ حقیقت ہے دنیا کی اور یہاں کی چیزوں کی، لوگ جتنی چاہیں دنیاوی چیزوں کی تعریف کریں وہ ساری کی ساری چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل ہیں، جبکہ آخرت کی چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل نہیں۔

جنت کی نعمتیں سدا بہار ہوں گی:

حدیث شریف میں فرمایا کہ:

”أَهْلُ الْخَبَةِ جُرُودٌ مُرْدٌ كَمُحَلِّ لَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ

(ترمذی ج ۲ ص ۸۰)

وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ“

ترجمہ: ”اہل جنت سدا جوان رہیں گے اور ان کی

جوانی میں کمزوری نہیں آئے گی اور جنتیوں کے کپڑے کبھی میلے

نہیں ہوں گے۔“

یہ جنت ہے اور یہ دنیا ہے، جب بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دنیا کی کسی چیز کی تعریف کی، اس حیثیت سے کہ ایک اچھی چیز ہے، ہر اچھی چیز کی تعریف کی جاتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ دنیا کی چیز کی تعریف کر رہے ہیں جو کوڑے کے ڈھیر میں پھینکنے کے قابل ہے، مگر دنیا کی چیز کی تعریف کر رہے ہیں جو کوڑے کے ڈھیر میں پھینکنے کے قابل ہے، بمقابلہ اس کے جنت ہے جو ہمیشہ رہے گی اور ہمیشہ تروتازہ رہے گی۔

جنت کے درختوں کے پھل:

ہم کسی درخت سے پھل توڑ لیتے ہیں، مثلاً: آم ہیں، ہم نے پھل توڑ لیا تو اسی جگہ پھل سے خالی ہو گئی، جنت کے کسی بھی درخت کا جب کوئی پھل توڑا جائے گا

ہیں کی جگہ فوراً اللہ تعالیٰ دوسرا پھل پیدا فرمادیں گے، کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ جنت کے کسی درخت کو پھل لگا ہو، ہم نے اس کو توڑ لیا ہو اور وہ اسی طرح رہ گیا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، جنت کا اشتیاق ہونا چاہیئے، شوق ہونا چاہیئے، اور جنت کا شوق اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کی جہالت ہمارے دل میں بیٹھ جائے کہ یہ دنیا حقیر اور ذلیل چیز ہے۔

میسری حدیث اقرع بن حابس بن اُیُب صاحب تھے، بد قسم کے آدمی تھے، بعد میں سنا تھا کہ مرتد ہو گئے تھے، پتہ نہیں وہ مسلمان ہو گئے تھے کہ نہیں، ان کی قوم بنی تمیم تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان لوگوں نے جو حاجیوں کی چوری کرنے والے ہیں، یعنی بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور حمینہ یہ چند قبیلے تھے جاہلیت کے زمانے میں بھی مشہور تھے کہ وہ حاجیوں کی چوری کر لیتے ہیں، بمقابلہ بنو تمیم، بنو عامر، بنو اسد اور غطفان یہ بڑے معزز قبیلے ہیں، لیکن انہوں نے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی (پھر بعد میں کر لی تھی)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا! یہ بتاؤ کہ اگر بنو تمیم، بنو عامر، اسد اور غطفان، بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور حمینہ، سے بہتر ہیں تو اس صورت میں کیا یہ لوگ خسار میں رہے؟ انہوں نے کہا کہ: جی کیا شک ہے اس میں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہ قبیلے یعنی بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور حمینہ ان دوسرے قبیلوں سے افضل ہیں، اور بعد میں پھر جو انہوں نے کارنامے انجام دیئے ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق کر دی۔



زندگی کے مراحل

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (الحمد لله رب العالمین) آمین، والذین (مصدق)
 ”يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا
 فَمُتْلِقًا“ (انشقاق ۲)
 ترجمہ: ”اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے
 تک کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے چلے گا۔“
 (ترجمہ حضرت مولانا)

آج پچیسویں شب ہے، چار یا پانچ راتیں آج کی رات کے بعد باقی ہیں،
 حق تعالیٰ شانہ اس رمضان المبارک کے بقیہ اوقات کو اپنی رضا کے مطابق ہمیں
 گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سفر زندگی کی منزل لیں:

جس راستے کے ہم مسافر ہیں، جس کو زندگی کا راستہ کہتے ہیں، اس کی پیش
 آنے والی منزلوں کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، کچھ منزلیں ہم طے
 کر چکے ہیں۔

سفر زندگی کی ابتدا عدم محض سے:

پہلے عدم محض تھے، ہمارا کوئی وجود نہیں تھا، کوئی نام و نشان نہیں تھا، کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھی۔

زندگی کا پہلا نشان:

عناصر سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری غذا کین تیار کیں، ان غذاؤں سے چوتھے ہضم کے بعد وہ مادہ تیار کیا، جس سے ہماری پیدائش ہوئی، یہ ہمارے وجود کا پہلا نشان تھا اور یہ گویا ہمارے وجود کی پہلی منزل تھی۔

دوسری منزل: شکم مایہ:

پھر ماں کے پیٹ میں رہے، یہ منزل بھی گزر گئی، دنیا میں آ گئے، دنیا میں آنے کے بعد کتنی منزلیں طے کیں؟ وہ آپ کے سامنے ہیں، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بچپن کی منزل:

جب پیدا ہوئے ایسی حیثیت تھی کہ نہ آنکھیں کھلتی تھیں، نہ زبان کام کرتی تھی، نہ ہاتھ پاؤں سے کام لے سکتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بقول ہمیں صرف ایک فن آتا تھا، اور وہ تھا ”رونے“ کافرن۔ بھوک لگے تو روتے، پیاس لگے تو روتے، گرمی سردی لگے تو روتے، کوئی بھی تکلیف ہو تو روتے، غریب کو ہماری تمام حاجتیں صرف ایک ذریعے سے پوری ہوتی تھیں اور وہ تھا ”رونا“، بچے جب روتے ہیں تو ماں سمجھ لیتی ہے کہ اس کو کھانا چیز کی ضرورت ہے، یہ دور بھی گزرا اس کے بعد ہم آہستہ آہستہ دیکھنے لگے اور کچھ عرصے کے بعد بولنے لگے، پھر مختلف مرحلے طے کرتے ہوئے ہمارا بچپن گزر گیا اور ہم نے جوانی کی دہلیز میں قدم رکھا۔

جوانی کی منزل:

حدیث میں ہے: "الشباب شعبة من الجنون." یعنی جوانی جنون کی ایک شاخ ہے۔

جوانی آئی تو ہم نے سمجھا کہ نہ ماں باپ کو عقل ہے، نہ دوسرے لوگوں کو، دنیا بھر کی عقل صرف ہمارے پاس ہے، اور اتنی کہ اپنی اس عقل کے ذریعے سے اللہ اور اس کے رسول کا بھی مقابلہ کرنے لگے، یہ دور بھی گزر گیا، جوانی پختہ ہوئی تو عقل بھی پختہ ہوئی۔

بڑھاپے کی منزل:

چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو توئی میں انحطاط شروع ہو گیا، اب چلتے چلتے بڑھاپے کی ولیز میں پہنچے، اب رفتہ رفتہ یہ حال دور رہا ہے کہ آنکھیں ہیں مگر دیکھنے کا کام نہیں کرتیں، کان ہیں لیکن سنائی نہیں دیتا، ٹانگیں ہیں مگر بوجھ نہیں اٹھاتیں، ہاتھ ہیں مگر کام نہیں کرتے، معدہ ہے لیکن ہضم نہیں کرتا، کبھی فلاں تکلیف ہے بڑے میاں کو اور کبھی فلاں!

بوڑھے کا قصہ:

جیسے ایک شخص حکیم صاحب کے پاس گیا، اس سے کہا کہ: مجھے فلاں تکلیف ہے، کہنے لگا بڑھاپا ہے، کہا کہ: کھانا بھی ٹھیک سے ہضم نہیں ہوتا، کہا: بڑھاپا ہے، مختلف قسم کے عوارض اس نے ذکر کئے، حکیم صاحب ہر بات کے ذکر میں ایک ہی جواب دیتے کہ بڑھاپا ہے، بڑے میاں کو غصہ آیا اور بڑی موٹی سی کھالی نکالی اور کہا کہ: تجھے ایک ہی بات آتی ہے؟ حکیم صاحب کہنے لگے: بڑے میاں! یہ بھی بڑھاپا ہے!!

ان دیکھی منزلیں:

بڑھاپا بہت بڑی نعمت ہے۔ بڑھاپے میں جوانی کی ساری لذتیں چھوٹ جاتی ہیں، لوگ اس سے پریشان ہوتے ہیں لیکن عارفین کہتے ہیں کہ بڑھاپا پریشانی کی چیز نہیں، بلکہ نعمت کبریٰ ہے۔

اول: اس لئے کہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کی لذتوں سے اعراض اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ہم ایسے کہاں تھے کہ خود لذت دنیا کو ترک کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے احسان عظیم فرمایا کہ ہم سے آلات لذت چھین کر ہمیں دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی کا مزہ چکھا دیا۔ سبحان اللہ! کیا احسان ہے کہ ہم خود تارک الدنیا نہ بنے تو ذر ذرتی ہم سے دنیا چھڑا دی، جس طرح ماں زبردستی اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیتی ہے۔

دوم: یہ کہ اب ہم موت کی دلیلیز پر کھڑے ہیں، قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، مرتے ہی ہم سے دنیا کی ساری لذتیں ہی نہیں بلکہ خود دنیا ہی چھوٹ جائے گی۔ بڑھاپے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اس کی مشق کرا دیتے ہیں، جس طرح دھن کو مایوں بٹھا یا جاتا ہے۔

سوم: یہ کہ آدمی بوڑھا ہو کر آخرت کی تیاری شروع کر دیتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ اب چل چلاؤ ہے، تو یہ تکا کرتا ہے، گناہوں کی معافی مانگتا ہے، جو کوتاہیاں مرزد ہو چکی ہیں ان کی معافی کرتا ہے، اور بڑھاپے کی بدولت ان چیزوں کی توفیق ہو جانا احسان عظیم ہے۔ اس لئے عارفین کہتے ہیں: "الشب جوبد الموت"۔ یعنی بڑھاپا موت کا قاصد ہے، اور جب قاصد بلا دالے لے کر آجائے تو آدمی کو چاہئے کہ سب کچھ چھوڑ کر سفر کی تیاری کرے (اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے)۔

یہاں تک کے مراحل تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، لیکن اس کے بعد کے جو مراحل ہیں وہ ابھی ہمارے سامنے نہیں، ان میں سب سے پہلے موت کا

مرحلہ ہے، پھر قبور کا مرحلہ، پھر حشر کا مرحلہ ہے، پھر حساب و کتاب کا مرحلہ ہے، پھر
پہلی صراط سے گزرتا ہے، اس کے بعد ہماری آخری منزل آنے والی ہے، جنت یا
دوزخ؟

پہلی منزل موت:

ہماری یہ کمزوری ہے کہ جس حالت میں ہم ہوتے ہیں، اس کے آگے کی
میں سوچ نہیں آتی۔ سب کو معلوم ہے کہ مرنا ہے، پہلے لوگ بھی مرے ہیں، ہم بھی
مریں گے، منتہی کے بقول دنیا کی ہر چیز میں اختلاف ہے، لیکن موت میں اختلاف
نہیں۔ تمام مسلمان اور کافر اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی مرے گا، لیکن اس میں پھر
اختلاف ہوا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس میں پھر جھگڑا شروع کر دیا۔ تو ہماری سب
سے بڑی جو بیماری ہے وہ یہ ہے کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، زندگی کے جس
مرحلے سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں ہم دیسے الجھ کر رہ گئے کہ اگلے مراحل ہماری نظر
سے اوجھل ہو گئے۔

آنحضرتؐ کی جامع تعلیم:

اور یہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایت ہے، اس کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ
ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات دے کر بھیجا، دنیا کی یا
آخرت کی کوئی خیر ایسی نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا ہو، اور
دنیا کا اور آخرت کا کوئی شر ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ڈرایا
ہو۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے:

”إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بَشَرٌ لَّا دَوْلَادُ أَغْلِيْمُكُمْ“

(ابوداؤد ص ۳)

ترجمہ: ”میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں۔“

تم کو تعلیم دیتا ہوں۔“

یعنی جس طرح اولاد کے لئے باپ ہوتا ہے کہ اس کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، ایک ایک بات سکھاتا ہے، شفقت باپ بچوں کو ایک ایک بات بتاتا ہے، کھانا کھاتے ہوئے اگر بچہ نوالہ بڑا لینا ہے تو باپ اس کو تنبیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: اتنا لو کہ جس کو تم چہ سکو، اگر جلدی میں گرم لقمہ اٹھا کر ڈال ہے تو باپ اس کو ٹوکنا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے کے بارے میں اس کو تعلیم دیتا ہے۔

والدین کی تعلیم و تربیت کا منشأ اولاد سے شفقت و محبت ہے:

اور والدین کی تعلیم نہایت اخلاص پر مبنی ہوتی ہے، اس تعلیم میں ان کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی، بلکہ اس کا منشأ اولاد کی محبت و شفقت ہے، ان کی جان کے رگ و ریشے میں اولاد کی محبت سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے، اور یہی محبت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ہر آخت سے بچایا جائے اور ہر بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے، لیکن والدین کی جتنی بھی سمجھ ہوتی ہے، جس قدر علم ہوتا ہے، جتنی عقل ہوتی ہے اس کے مطابق وہ اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ مگر محبت کے درجات بھی مختلف ہیں، کسی کو اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے، کسی کو کم، کسی کو ان کے پیٹ کی فکر ہوتی ہے کہ یہ بڑے ہو کر کمانے کھانے کے قابل ہو جائیں اور کسی کو اولاد کے دین کی فکر ہوتی ہے، ان کے اخلاق کی فکر ہوتی ہے، ان کی انسانیت کی فکر ہوتی ہے۔

امت سے آنحضرتؐ کی شفقت و محبت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بہ منزلہ والد کے ہیں، تمام امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا اولاد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے والد ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ اور امت کے ایک ایک فرد کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ دنیا بھر کی تمام ماؤں کی منتہی جمع کر لی جائے اور تمام

باپوں کی شفقت جمع کر لی جائے تو یہ سارا مجموعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ایسے شفیق، ایسے رؤف اور ایسے رحیم کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی ہو، اور نہ بعد میں کوئی ہوگا۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت و عنایت:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے:

”إِنَّ لِلَّهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا وَاحِدَةً لِلْبَحْرِ وَالْإِنْسِ وَالْأَنْهَارِ وَالْمُحَارِقِ، فِيهَا يَنْعَاطِفُونَ، وَبِهَا يَنْتَرِاحُمُونَ، وَبِهَا تَغْطِفُ الْوُحُوشُ عَلَى وَلَدَيْهَا، وَآخِرُ اللَّهِ تَسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ..... وَفِي رِوَايَةٍ..... لَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْمَنَهَا بِهَيْلِهِ الْوُحُوشُ“

(مسکوٰۃ ص: ۲۰۷)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں، ان میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نازل فرمایا، اور اس کو جنوں، انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور اس رحمت کے سوویں حصہ کا اثر ہے کہ انسان بھی، جنات بھی اور جانور بھی آپس میں شفقت کرتے ہیں، ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی حصہ رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اور پھاڑ کھانے والے درندے بھی اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں، اور یہ اس رحمت کا اثر ہے۔ فرمایا: رحمت کا یہ سوواں حصہ بھی ختم نہیں ہوا، اللہ کی رحمت کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ مخلوق پر اس کا عکس پڑ رہا ہے، سہیہ پڑ رہا ہے، جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں شفقت کرتی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سوویں حصے کو ان ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر اپنی کامل رحمت اپنے بندوں پر

فرمائیں گے، اپنے خاص بندوں پر یعنی بھتی لوگوں پر۔

اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہیں؟ اور ان کی رحمت و شفقت کس قدر وسیع ہے؟ اللہ تعالیٰ کبھی بعد کائنات میں سب سے زیادہ رؤف رحیم ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے۔

آنحضرتؐ کی امت پر شفقت و رحمت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اتنی زیادہ ہے، اتنی زیادہ ہے کہ یہ کہنا تو بے ادبی و کوتاہی ہوگی کہ ماں باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ اور کسی ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ اتنی شفقت نہیں، ہاں! یہ کہنا کسی حد تک صحیح ہوگا کہ دنیا بھر کے ماں باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ جو شفقت ہو سکتی ہے، اگر اس کا ایک مجموعہ تیار کر لیا جائے تو وہ مجموعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کا پاسنگ بھی نہیں بنتا۔ رحمت کرنے والے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں، رحمت تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت بنا کر بھیج دیا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و عزت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ہمیں عطا کر دی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”رحمۃ للعالمین“ کا خطاب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان و اہل انوار کے لئے رحمت ہیں، آسمان والوں کے لئے بھی رحمت ہیں، زمین والوں کے لئے بھی، دنیا والوں کے لئے بھی رحمت ہیں اور آخرت والوں کے لئے بھی۔ کوئی انسان، کوئی جن اور اللہ تعالیٰ کی دوسری کوئی مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”رحمۃ للعالمین“ سے باہر نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”رحمۃ للعالمین“ ہیں، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کرنے والے نہیں بلکہ سراپا رحمت ہیں، تو جس بستی کو اللہ تعالیٰ نے ”رحمۃ للعالمین“ بنایا ہو اس کی شفقت اپنے تعلق والوں کے ساتھ کیسی ہوگی؟ یا یوں کہو کہ اپنی اولاد کے ساتھ کیسی ہوگی؟ اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا مجرہ ہے کہ نبوت ملنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس سال کی مدت تک ہمارے درمیان تشریف فرما رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور ہم سے پردہ فرمایا، اس تیس سال کے عرصے میں دین کی اور دنیا کی کوئی ایک بات بھی نہیں چھوڑی جس کی تعلیم نہ فرمادی ہو۔ دفتر کے دفتر لوگوں نے کھ ڈالے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کی شرح کھل نہیں ہوئی، ہمارے حضرت ڈاکٹر عیدہ بھٹی عارفی صاحب نور اللہ مرقہ کا ایک شعر یاد آ گیا:

بہت عنوان بدسلے اور بہت خاکے بنا ڈالے

مرتب ہو سکا لیکن نہ دردِ دل کا افسانہ!

حضرات علمائے کرام نے احادیث شریفہ کی کتنی شرح لکھیں اور کتنے وقار لکھے؟ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ”رحمۃ للعالمین“ کو تقسیم کیا جا رہا ہے؟ کتنی تفسیریں لکھیں؟ اور ایک ایک موضوع پر کتنی کتابیں لکھیں؟ اور آج تک بھی ”رحمۃ للعالمین“ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ رحمت کو کس قدر مسلسل تقسیم کیا جا رہا ہے؟ لیکن یہ تقسیم ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔

نادیدہ مراحل کی تعلیم آنحضرتؐ نے فرمائی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے زندگی کے نقشے بھی کھولے، موت کے وقت کی حالت بھی بیان فرمائی، مرنے کے بعد دوزخ میں انسان پر جو کچھ گزرتی ہے اس کو بیان فرمایا، قبر کے عذاب کو اور ثواب کو بھی ذکر فرمایا، کن چیزوں سے آدمی کے لئے موت آسان ہو جاتی ہے؟ اور کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے جان کنی مشکل ہو جاتی ہے؟ اس کو بھی ذکر فرمایا۔

ماں کی بے ادبی کرنے والے نوجوان کا واقعہ:

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ ایک

نوجوان تین دن سے نزع کی حالت میں ہے، اس کی جان نہیں نکل رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ یہ نوجوان تکلیف میں تھا، اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: اس کے ماں باپ زندہ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ: اس کی ماں زندہ ہے! فرمایا کہ: اس کو بلاؤ! اس کی والدہ آئی تو اس سے فرمایا: بڑی بی! اس لڑکے نے تمہاری کوئی عکسٹاٹی تو نہیں کی؟ کوئی بے ادبی تو نہیں کی؟ کہا: نہیں! یہ بڑا فرماں بردار تھا، البتہ ایک دفعہ اس نے میرے تھپڑ مارا تھا۔ بہت سے بد بخت موذی ایسے ہیں جو اپنے ماں باپ کو مارتے ہیں، ان کو گالی دیتے ہیں، میں تو ان کو موذی کہوں گا، موذی نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بڑی بی! تم اپنے بیٹے کو اللہ کی رضا کے لئے معاف کرو! کہنے لگی: میں تو معاف نہیں کروں گی! کیونکہ مجھے اس سے بہت صدمہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص اپنے ماں باپ پر ہاتھ اٹھائے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو! وہ مائی کہتی ہے کہ: لکڑیوں کا کیا کریں گے؟ فرمایا: تیرے بیٹے کو جلائیں گے! کہنے لگی: ہائے! میرے بیٹے کو جلائیں گے؟ فرمایا: اگر تم اس کو معاف نہیں کرو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو جلائیں گے، اور ہمارا جلانا آسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا جلانا سخت ہے۔ وہ اماں پھر کہنے لگی کہ: میں اس کو دل سے معاف کرتی ہوں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ: پڑھ کلمہ! اس نے کلمہ پڑھا اور روح پرواز کر گئی۔

نزع کا مرحلہ:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ موت کے وقت کون کون سی سختیاں آتی ہیں؟ اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو آدمی کے نزع کو آسان کر دیتی ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: نیک آدمی کی روح ایسے نکل جاتی ہے جیسے سفیدہ سے قطرہ گرنا ہے، اور فرمایا کہ برے آدمی کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے دھن ہوئی

روئی ہو اور کانٹے دار چھری میلی کر کے اس کے اوپر ماری جائے اور پھر پیٹ کر کے اس کو کھینچا جائے، اب وہ چھری تو اس روئی سے جدا نہیں ہوسکتی، یہی حال برے آدمی کے نزع کا ہے کہ اس کے رگ دریٹے میں روح سرایت کر جاتی ہے، ایک ایک رو ٹکٹے میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے، اس کو کھینچتے ہیں تو ایک ایک رو ٹکٹے کو تکلیف ہوتی ہے۔

یا اللہ! ہمارے لئے نزع کو آسان فرما دے:

بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہ کے لئے اللہ تعالیٰ اس وقت کو آسان فرما دیتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی اس وقت کو آسان فرمائے، ایمان پر فائزہ فرمائے اور نزع کو آسان فرمائے، آمین:) اور بہت سے بندے ایسے ہیں کہ نزع کے وقت ان کی ساری عمر کی لذت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ہٹا دے رکھیں۔

موت کی سختی کو یاد رکھو:

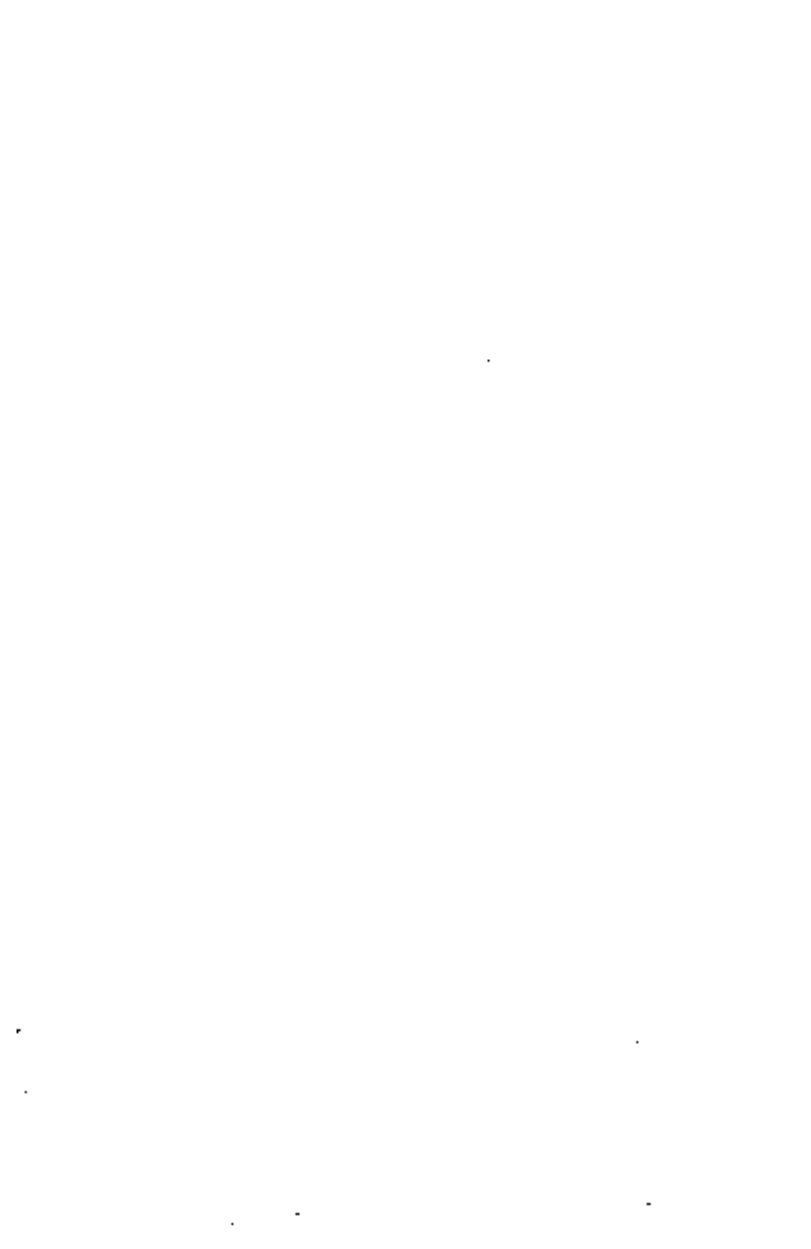
یہ موت کا پہلا انتہا کڑوا ہے کہ اس کی تلخی بعض لوگوں کو حشر تک باقی رہے گی، اللہ تعالیٰ ہٹا دے رکھے، ہم زندگی گزارتے ہوئے اس طرح غافل ہو جاتے ہیں کہ کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ اس کا اثر ہماری موت پر تو نہیں واقع ہوگا؟ دنیا میں دوستی کرتے ہوئے، دنیا میں معاملات کرتے ہوئے، دنیا میں تعلق و حرکت کرتے ہوئے، چھپ کر یا اعلانیہ مٹتا کرتے ہوئے، ہم اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ اس کا انجام موت کے وقت کیا ہوگا؟ مرنے والے کو لوگ کلہ کی تلقین کر رہے ہیں، یعنی ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگ اس کو کلہ کی تلقین کرتے ہیں، لیکن کسی کو پتا نہیں کہ وہ کہاں پھنسا ہوا ہوتا ہے؟

شیخ عطارؒ کا واقعہ:

شیخ عطارؒ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں، مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ عطارؒ

عشق کے رات شہروں میں پھر چلے ہیں اور ہم ابھی تک ایک کوچے میں محکوم رہے ہیں۔ ”عطار“ کہتے ہیں دوائی بیچنے والے اور پسنار کو، شیخ عطار بھی دوا فروش اور پسناری تھے۔ ایک مرتبہ ایک ملک قسم کا شخص ان کی دکان پر آیا، کندھے کے اوپر گودڑی رکھی ہوئی تھی، کبھی ادھر دیکھتا ہے، کبھی اُدھر دیکھتا ہے، شیخ عطار اس سے فرماتے ہیں کہ: میاں! کیا دیکھتا ہے؟ کہنے لگا کہ: میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو روح اتنی شیشیوں میں پھنسی ہوئی ہے، یہ کیسے نکلے گی؟ شیخ اس وقت دنیا دار آدمی تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان صاحب کو بھیجا تھا، بھٹا کر کہنے لگے: جیسے تیری نکل جائے گی، ویسے ہماری نکل جائے گی! اس نے کندھے پر رکھی ہوئی گودڑی بچھائی، لیٹ گیا اور کہا کہ: ہماری تو یوں نکل جائے گی! ایک لمحہ میں رخصت ہو گیا، شیخ پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ دکان لٹا دی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے مراتب عطا فرمائے۔

موت کا منظر



بسم الله الرحمن الرحيم

(نصير المؤمنين) علي بن أبي طالب (عليه السلام) (مؤمن)

الف: ... "عن أبي المزداء رضي الله عنه قال:

من أكثر ذكر الموت قل فرحاً وقل حسنة."

(حلية الأولياء ج ١ ص ٢٢٠)

ب: ... "عن أبي المزداء رضي الله عنه قال:

مالي أراكم تحرضون على ما تكفل لكم به وتضيئون ما

وكلتم به لأننا أعلم بشاركم من النبطاوية الغيبي هم

الذين لا يأتون الصلاة إلا ذبوا ولا يسمعون القرآن إلا

هتجوا ولا يفتق محروورهم" (حلية الأولياء ج ١ ص ٢٢١)

ج: ... "عن أبي المزداء رضي الله عنه قال:

التمسوا الخير دهركم كله وقهرضوا التفحات وخمة

الله فإن الله تفحات من رحمته يصيب بها من يشاء من

عباده. واملوا الله أن يشتر غورائكم ويؤمن روعائكم."

(حلية الأولياء ج ١ ص ٢٢١)

الف:۔۔۔ ترجمہ:۔۔۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جو شخص کثرت سے موت کو یاد کیا کرے، اس کی خوشی اور اس کا حسد کم ہو جاتا ہے۔"

ب:۔۔۔ ترجمہ:۔۔۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: کیا بات ہے تم اس چیز میں بڑی حرص کرتے ہو جس کی اللہ نے تمہارے لئے ضمانت لے لی ہے اور اس کا خود کفیل ہو گیا ہے (یعنی رزق)، لیکن تم اس چیز کو ضائع کرتے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی تھی، گھوڑوں کا ڈاکٹر اتنا نہیں جانتا، جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، تمہارے بروں کو میں جانتا ہوں، نماز کو نہیں آتے مگر نہایت بے دلی سے، قرآن کو نہیں سنتے، مگر جیسے قصہ کہانی، اور ان کے آزاد کردہ غلام بھی آزاد نہیں ہوتے۔"

ج:۔۔۔ ترجمہ:۔۔۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہر زمانہ میں خیر تلاش کرو، اللہ کی رحمت کے جھوکوں کا استقبال کرو اور ان کو وصول کرو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، وہ جھوٹے پہنچا دیتے ہیں اور اللہ سے سواں کرو کہ ہمارے پیہر پر پردہ ڈال دے اور خوف کی چیزوں کو امن میں تبدیل کر دے۔"

صاحب ایمان کی خوشی کی چیز؟

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے، ایک صاحب ایمان کی خوشی کا چیز یہ ہے کہ اسے اللہ کا فضل نصیب ہو جائے، اور اللہ کی رحمت نصیب ہو جائے، دنیا میں اللہ کے دین پر چلنے کی توفیق ہو جانا، نیکی کی توفیق

ہو جانا، طاعت و خیر کی توفیق ہو جانا اور مرنے کے بعد اللہ کی رضا حاصل ہو جانا، اللہ کی ناراضگی سے بچ جانا، قبر کی سختیوں سے اندھیروں سے بچ جانا، حشر کی فتنہ سامانیوں سے بچ جانا، اللہ تعالیٰ کے قبول بندوں کی معیت نصیب ہو جانا، حساب و کتاب کا مسامحہ ہو جانا اور جہنم میں داخلہ نہ ہونا، یہ ہے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت۔

موت کے دھیان سے خوشی کم ہونا:

مومن کو تو اس بات سے خوش ہونا چاہئے، لیکن اس کے برخلاف ہر وہی خوشی ہوتی ہے دنیا کی چیزوں سے، مال سے، دولت سے دوسری چیزوں سے، لیکن اگر موت سامنے ہو تو یہ خوشی خوشی نہ رہے، بلکہ یہ خوشی غمی میں تبدیل ہو جائے، اس لئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کثرت سے موت کو یاد کرے، اس کی خوشی کم ہو جاتی ہے۔

موت کے تصور سے حسد کا علاج:

اس دنیا کی خاطر لڑائیاں ہوتی ہیں، تنازعات ہوتے ہیں، رتہ کشی ہوتی ہے، کھینچ تانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر حسد ہوتا ہے۔ حسد یہی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو انہی چیز کیوں مل گئی؟ یہ نہیں منی چاہئے تھی، تو جس شخص کو موت یاد ہو، اس کی ذات سے برائی ختم، جھگڑا ختم، تنازع ختم، حسد بھی ختم۔

بلبل نے آشیانہ چمن سے انھایا

اس کی بلا سے بوم رہے یا وہ بے

جب اس گھم میں ہمیں رہنا نہیں تو ہماری بلا سے کا کا چور رہے ہمیں کیا؟
جب یہ چیز مجھے ملتی نہیں، تو میری بلا سے وہ چیز کسی بھتی کو دے دیں، کسی یہودی کو دے دیں، سکھ کو دے دیں، مسلمان کو دے دیں، قاضی و دیگر کو دے دیں، مجھے یا

برے کو دے دیں، مجھے اس پر کیا حسد؟ مجھے تو یہ اپنی نہیں اور جس شخص نے مرنا ہو اس شخص کو وہ چیز ملنی نہیں، تو سارے پتھرے ہی ختم اور یہ سہفت اور رسہ کشی ہی ختم، حسد بھی ختم، جو لوگ دنیا کے مال و دولت کے لئے یا حکومت و دہابہت کے لئے لڑ رہے تھے، قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو کیا حسد ہو ان پر، ان کے تو کام کی چیز نہیں ہے۔ تو اُمر موت کا آنا آدمی کو یاد رہے تو وہ دنیا کی چیزوں سے خوش نہ ہوگا۔

خوشی کی چیز؟

ہاں! خوشی و مسرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طاعت میں استعمال فرمائے، بندے کو اپنے حکم میں استعمال فرمائے۔

”ابن ماجہ“ حدیث کی کتاب ہے، اس کا پہلا باب ہے۔ ”بابہ اتباع سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی، اس میں ایک حدیث کو نقل کیا ہے جو پہلے ہی صفحہ سے شروع ہوتی ہے:

”لَا يَزَالُ اللَّهُ يَفْرَسُ فِي هَذَا الْبَيْتِ غَرَسًا
يَسْتَفْعِلُهُمْ فِي طَاعَتِهِ“

(ابن ماجہ ص: ۳)

ترجمہ: ... ”اللہ تعالیٰ اس دین میں پودے لگاتے

رہیں گے، ان کو استعمال فرماتے رہیں گے اپنی بندگی میں۔“

پرانے پودے اکھاڑ کے نئے لگا دیے، باغ تو تروتازہ ہے اور سدا بہار ہے، لیکن نئے نئے پودے باغ لگا رہا ہے۔

یادیں کہو کہ باغ کا مالک لگا رہا ہے، تو خوشی کی چیز اگر ہے تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں بھی اس باغ کا پودا بنادے اور ہمیں اپنی طاعت میں استعمال فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین!

مرنے والوں کو کیا خوشی؟

اس سے علاوہ کوئی چیز خوشی کی نہیں۔ خوشی زندوں کو ہوتی ہے، مردوں کو ان چیزوں سے کیا خوشی ہوتی، ہم تو مرنے والے ہیں، انہیں کیا خوشی ہے اور اگر ہے تو جھوٹی خوشی ہے۔ بہت جلدی خوشی کا یہ سدا اترنے والا ہے، اسی طرح اگر موت کا احیان رہے تو لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے بھی ختم ہو جائیں گے، اس کا زیادہ تر منشا حسد ہوتا ہے، ہمارا یہ نہ صرف ہو جانے کا سبب جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

جھگڑا چھوڑ دینے کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

"مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ يُجِلُّ بَيْنِي لَدُنِّي وَنَصَبُ
الْخَبَةِ وَمَنْ تَرَكَ الْفِرَاءَ وَهُوَ مُبْعَثٌ بَيْنِي لَدُنِّي وَبَطْ
الْحَبَةِ ... إلخ." (ترمذی ج ۲ ص ۴۰)

ترجمہ: "جو آدمیوں کا جھگڑا ہو، ایک حق پر ہے اور
دوسرا ناحق پر، تو جو شخص ناحق پر ہوتے ہوئے اپنا جھگڑا چھوڑ
دے، اللہ تعالیٰ جنت کے اطراف میں اس کا محل بنائیں گے، اور
جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کو اللہ تعالیٰ نیک عطا
فرمائے گا جو جنت کے درمیان میں ہوگا۔"

سب جھگڑا چھوڑ دینے کی یہ فضیلت ہے کہ ناحق پر ہوتے ہوئے اگر کوئی
جھگڑا چھوڑ دے تو اس کو بھی اللہ پاک جنت عطا فرماتے ہیں، اور اگر کوئی حق پر ہوتے
ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اور کہہ دے کہ پھوڑو بھائی: نے جاؤ تم، مجھے جھگڑا نہیں کرنا
ہے۔ اس نے صرف اتنا کرتی جیسا حق چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کو جگہ عطا
فرمائی، ایسی جنت کہ پوری دنیا میں بھی اس کی قیمت نہیں۔

رزق اللہ کے ذمہ ہے:

دوسرے ارشاد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا بات ہے! تم اس چیز میں بڑی حرص کرتے ہو، جس کی اللہ نے تمہارے لئے ضمانت لے لی ہے، اور اس کا خود قبضہ بھی ہو گیا ہے یعنی رزق۔ بڑی ہی حرص کرتے ہو، بڑی تنگ و دو کرتے ہو، لیکن تم اس چیز کو ضائع کرتے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی تھی، اور تم اس کے سپرد کئے گئے تھے، یعنی اپنا دین۔ دنیا کے مال و دولت کی یا رزق کی تحصیل میں، حاصل کرنے میں تم بڑی حرص کرتے ہو، حالانکہ اگر حرص نہ کرو، تو کیا رزق نہیں ملے گا؟ اور تمہارے حرص کرنے سے کیا زیادہ مل جائے گا؟ نہیں بلکہ اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہے۔

رزق اور موت انسان کے پیچھے پیچھے ہیں:

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

”إِنَّ الْمَرْزُوقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ حَتَّى يَطْلُبَهُ أَجَلُهُ“

(مشکوٰۃ حدیث: ۵۳۱۲)

ترجمہ: ”رزق بھی اسی طرح بندے کو تلاش کرتا

ہے، جس طرح اس کی اجل اس کو تلاش کرتی ہے۔“

رزق اور اجل پیچھے پیچھے بھرتے ہیں، دونوں آدمی کے پیچھے پیچھے بھرتے ہیں لیکن ایک آگے ہے اور ایک پیچھے ہے، رزق آگے ہے اور اجل پیچھے ہے، جب تک رزق اس کو نہ پہنچ جائے، اجل اس کو نہیں پہنچ سکتی ہے، جتنا رزق کسی کے لئے لکھ دیا ہے، مقدر فرما دیا ہے، اس کو اس کے رہے گا اور موت نہیں آ سکتی جب تک رزق نہ پورا کر لے، اس کے لئے تو تم حرص کرتے ہو اور اللہ پر توکل نہیں کرتے، جتنا کرنا چاہئے اتنا بھی نہیں کرتے، چلو تمہارا بہت ہاتھ پاؤں بلاتا جس کو ”کسب“ کہتے ہیں،

محنت کرنا، ریاضت کرنا، بقدر ضرورت یہ تو ٹھیک ہے، لیکن بقدر ضرورت محنت پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ حرص، چھینا چھینی اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

عرفات اور منی میں سعودیہ کے ٹرک پانی کی تھیلیاں لے کر آتے ہیں، وہ اس طرح پھینکتے رہتے ہیں اور لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں، اب کس طرح تقسیم کریں ایک ایک پھینکتے رہتے ہیں، اس وقت لوگوں کا جھگڑا دیکھنے کے لائق ہوتا ہے، مگر تو دنیا کی طلب میں اتنی حرص کرتے ہو جیسے جیسا ٹھنڈے پانی کی تھیلی کے لئے حرص کرتا ہے، اتنا جھگڑا کرتے ہو، سنا کر نکل مل جائے گا۔

جو چیز ہمارے سپرد ہے اس سے ہم غافل ہیں:

جو چیز تمہارے سپرد کی گئی ہے اور تم جس کے سپرد کئے گئے ہو، اس کو تم ضائع کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی ہندگی تمہارے سپرد کی گئی ہے، اس کام کے لئے تمہیں لگایا گیا ہے، اور تم اپنی جڑ اور سزا کے سپرد کئے گئے ہو، اس کو بالکل ضائع کر دیا، مہمل چھوڑ دیا، فکر ہی نہیں، نہ جزا کا شوق اور نہ سزا سے خوف، نہ طاعت سے رغبت اور اس کی حرص، اور نہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش۔

برے لوگوں کی علامت:

پھر فرمایا کہ ڈاکٹر گھوڑوں کو اتنا نہیں جانتا جتنا میں نہیں جانتا ہوں، حیوانات کا ڈاکٹر اتنا نہیں جانتا گھوڑوں کو، ان کی بیماریوں کو، جتنا میں تمہارے گروں کو جانتا ہوں، اسی لئے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حکیم الامت تھے، حکیم تھے، فرمایا تمہارے شرار کو جانتا ہوں، بدوں کو جانتا ہوں، ان برے لوگوں کی زمین علامتیں ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی علامت:

۱۔۔۔ یعنی ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ: "لَا يَأْتِيَنِ الصَّلَاةَ إِلَّا ذُبْرًا"۔

نماز کو نہیں آتے مگر نہایت بے دلی سے، جدی سے نماز ختم ہو تو چلیں، ظاہر میں منہ قبلہ کی طرف ہے، لیکن نماز پڑھتے ہوئے حقیقت میں منہ اپنے گھر کی طرف ہے اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، ایک منٹ کی تاخیر ہو جائے تو شور مچا دیتا ہے کہ بیٹھنا مشکل ہو رہا ہے، فنی وی کے سامنے گھنٹوں بیٹھے رہیں گے، پرواہ نہیں، کوئی لبو و لعب کا تماشا ہو یا ریچیس سے اس کو سنیں گے، کبھی بھی اللہ کو نیند نہیں آئے گی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ نماز کی نیت باندھتا ہوں تو خیالات بہت آتے ہیں، اور یہ ہم میں سے اکثر کی شکایت ہے، میں نے اس پر پہلے بھی ذکر کیا تھا۔

نماز میں خیالات آنے کی شکایت:

مولانا حبیب الرحمن مدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ خیالات نماز میں نہیں آتے، بات یہ ہے کہ ادھر تم نے تکبیر یعنی ”اللہ اکبر“ نماز کے لئے کہا تو گویا کہ بجلی کا بجن دیا دیا، سوچ آج کر دیا، اور کمرے میں روشنی ہو گئی، ”اللہ اکبر“ کہنا تھا کہ دل اور دماغ میں روشنی ہو گئی، تو یہ اللہ کی بارگاہ ہے، یہ فرمانے لگے کہ کمرے میں روشنی کر دی جائے تو کبھی چوہے پھدکتے ہیں اور کبھی چھیکلیاں دوڑتی ہیں اور کبھی حشرات الارض کو دیکھتے ہیں، قسم و قسم کی چیزیں کونوں میں بھاگتی ہیں اور جا کر کونوں وغیرہ میں چھپ جاتی ہیں، وہی طرح جب ”اللہ اکبر“ کہتے ہو تو تمہارے دماغ کے تمام چوہے پھدکنے لگتے ہیں، وہ پہلے ہی سے اس میں موجود تھے، صرف تاریکی اور اندھیرے کی وجہ سے تم کو نظر نہیں آرہے تھے، اور اب جب روشنی ہو گئی تو دوڑنے لگے ہیں، اور جب یہ نظر آنے لگے تو تم پریشان ہو گئے، تو میرا بھائی! نماز میں خیالات نہیں آتے، خیالات تو پہلے سے آرہے تھے، یہ دریا پہلے سے چل رہا تھا، پہلے تمہیں نماز سے باہر نظر نہیں آتے تھے، جب نماز میں یکسوئی ہوئی، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، تو اس طرح نظر آنے لگے کہ جس طرح قیامت کے دن نامہ اعمال نظر آنے لگے گا، یہ

نماز کا کمال ہے یا نقص ہے؟ اور اس کا علاج نماز سے پریشان ہونا نہیں، ان کو آنے دو، تم اللہ کے حضور توجہ کے ساتھ حاضری دو، ان کو آنے دو۔ یہ چوبیس ہیں، حشرات الارض ہیں، ان کی پرداہ نہ کرو، انشاء اللہ العزیز تمہیں اللہ کا قرب درخشا حاصل ہوگا، تو پھر اس کے بعد اس کی بدولت تمہیں دوسرے نیک خیالات آنے لگیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وعامناجات مقبول میں نقل کی گئی ہے:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْ وَسَلْوَمِ قَلْبِي غَشِيَتَكَ

وَذِكْرَكَ“

ترجمہ:..... ”یا اللہ! میرے دل کے وساوس و خیالات

کو اپنی خشیت یعنی ڈر اور اپنے ذکر سے تبدیل فرما دے۔“

نماز تھر میٹر ہے:

یوں سمجھ لو کہ نماز تھر میٹر ہے، جسے تمہارے ذہن کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے، دل کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے، یہ نماز کا میٹر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے قلب کا میٹر ہے تو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے دل میں کیا کیا خیالات ہیں اور کیسی کیسی گندمیاں بھری ہوئی ہیں، پہلے تو پردہ پڑا ہوا تھا، نماز میں صرف اس پردہ کو اٹھا دیا۔

نماز میں وساوس کی مثال:

ایک اور بزرگ سے شکایت کی گئی تھی کہ وساوس بہت آتے ہیں، حضرت فرماتے تھے کہ: صحن میں کافی دن سے جھاڑو نہیں دی تھی، ہواؤں کے ذریعہ سے مٹی، پتے، نا معلوم کیا کیا کچرہ جمع ہو رہا تھا، تم نے کہا کہ اس کو جھاڑو دے لیں، صفائی بڑی اچھی چیز ہے، اسکول کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے کہ:

بری ہے، دوسرا یہ کہ یہ شخص نفاق سے بری ہے، منافق نہیں ہے،
پکا ایماندار ہے۔"

نفاق سے بری ہو جاؤ گے اور دوزخ سے بری ہو جاؤ گے، تو انشاء اللہ گندے
خیالات سے بھی بری ہو جاؤ گے، لیکن شرط یہ ہے کہ متوجہ رہو۔

متوجہ رہنے کا مطلب؟

متوجہ رہنے کا یہ معنی نہیں کہ تم دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاؤ، نہیں! خیالات
آئیں گے، تمہارا ذہن ان کے پیچھے لگ جائے گا، بھٹک جائے گا لالو کھیت، پھر اس کو
واپس لے آؤ، وہاں سے پکڑ کر واپس لے آؤ، کہو کہ بد بخت! تو اللہ کے سامنے کھڑا
ہے، وہ پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، اس کو بھاگنے کا کام کرتے
رہنے دو اور تم اس کو پکڑ کر لانے کا کام کرتے رہو۔ اکابر فرماتے ہیں تمہیں اس طرح
کرنے سے پوری کامل نماز کا ثواب ملے گا، ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔

ایک لمحہ کی حضوری سے بھی کام بن گیا:

ہمارے حضرت ذاکر صاحب نور اللہ مرتد فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ میں
جا کر ایک لمحہ کے لئے تمہیں حضوری حاصل ہوگئی کہ میں اللہ کے سامنے سجدہ کر رہا
ہوں، بس تمہارا کام بن گیا، انشاء اللہ! اللہ پاک اس کو ضائع نہیں کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے برے لوگ وہ ہیں جو
نماز کو نہیں آتے، مگر بیٹہ پھیرتے ہوئے، منہ گھر کی طرف ہوتا ہے اور پشت مسجد کی
طرف ہوتی ہے یعنی بظاہر منہ مسجد کی طرف ہوتا ہے، لیکن ان کے خیالات اور ان کے
دل کا رخ اس وقت بھی گھر کی طرف رہتا ہے، مسجد کی طرف نہیں۔

نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے:

اس لئے اکابر فرماتے ہیں کہ نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے،

آدمی کو وضو کرتے ہوئے جتنا حضور ہونگا، اتنا ہی نمازوں میں حضور ہوگا۔ اگر وضو کرتے ہوئے غفلت ہوگی، تو نماز میں بھی غفلت ہوگی، کسی بہت محبوب کو، کسی پیارے کو یا کسی معزز کو ملنے جانا، تو انسان اپنا لباس تبدیل کرتے ہوئے، منہ ہاتھ دھوئے ہوئے کیسا نکاست و پار یک بینی کا مظاہرہ کرتا ہے، وضو کرتے ہوئے یہ تصور ہونا چاہئے کہ میں بارگاہِ خداوندی میں حاضری کی تیاری کر رہا ہوں، میرے ظاہر و باطن میں کوئی گندگی باقی نہ رہ جائے۔

ظاہری طہارت اعضا کے دھونے سے ہے:

وہ تو ظاہری طہارت اللہ پاک نے فرمادی ہے کہ تم ان اعضا کو دھو، سر کا مسح کرو اور تین اعضا کو دھو، اور بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو بس تم مکمل پاک ہو گئے ہو، اللہ کے مقدس کلام کو ہاتھ لگا سکتے ہو اور تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو سکتے ہو، تمہیں حاضری کا وزن دیا جاتا ہے۔

باطنی گندگی سے طہارت کا علاج:

تین ظاہری گندگی کے ساتھ ساتھ باطنی گندگی بھی آدمی لئے بھربا ہے، قربان جائیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“

ترجمہ: ”یا اللہ! مجھ کو بنادے توبہ کرنے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے خوب پاک و صاف ہونے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے ان لوگوں میں سے جن پر قیامت کے دن نہ

خوف ہوگا اور نہ غم۔“

لحجے! اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ باطنی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی، ظاہر تو پاک کرتے ہیں پانی کے ساتھ اور باطن کو پاک کرتے ہیں توبہ کے ساتھ، تو اگر ہم وضو آداب کے مطابق کریں، تو انشاء اللہ نماز کے اندر بھی حضور کی نصیب ہوگی، اس میں تو راسخیت ہوگی، اور اگر وضو صحیح نہیں کیا تو نماز میں کیا حضور ہوگا؟

ظاہری طہارت میں نقص کا وبال:

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھ گئے تھے، قرأت میں گڑبڑ ہوتی تھی، سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

”لَمَّا يَأْتِ الْقَوَامُ يَصَلُّونَ مُقْنًا لَا يَحْبِسُونَ الْقُلُوبَ

فَاتِمَا بَلْبَسَ غَلْبُنَا الْقُرْآنِ أَوَّلَ لَيْلِكَ“ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۱)

ترجمہ: ”کیا بات ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ نماز

پڑھتے ہیں وضو ٹھیک کر کے نہیں پڑھتے جس کی بنا پر ہم قرأت

میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔“

اللہ اکبر! اندازہ فرمادو! مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی کے صحیح وضو نہ کرنے کی وجہ سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اثرات! اس اشارہ کو سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں گڑبڑ ہوگئی، قرأت میں گڑبڑ ہوگئی صرف ایک آدمی کے وضو ٹھیک نہ کرنے کی وجہ سے، اس نئے وضو ٹھیک کرو اور وضو دھیان کے ساتھ کرو۔

وضو کی دعاؤں کا اہتمام:

بزرگ فرماتے ہیں کہ وضو کی دعائیں یاد کرو اور وضو کے دوران وہ دعائیں پڑھتے رہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے ”ادب العلم“ میں وہ دعائیں لکھی ہیں، اور عام طور پر نمازوں کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

رحمہ اللہ کو بہت اہتمام ہوتا تھا ان دعاؤں کا، کلی کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھو، چہرہ دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھو، سر پر سج کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، پاؤں دھونے تک سب دعائیں ہیں، اگر اور دعائیں یاد نہیں تو پھر یہ چوتھا کلمہ پڑھتے رہو۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ أَبَدًا أَبَدًا، ذُو الْخَلَالِ وَالْإِكْرَامِ بِنَدْوِ الْخَيْرِ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

تو نماز کو پشت پھیر کر نہ آؤ، منہ پھیر کر آؤ، ہم لوگ تو نماز کی نیت بہ عمدہ سر منہ طرف قبلہ شریف کے جیسے اس نام کے اللہ اکبر کہہ دیتے ہیں، ہمارے ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف ہے اور ہمارے باطن کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، جس طرح غار کا رخ قبلہ کی طرف کیا ہے، اسی طرح باطن کا رخ بھی قبلہ کی طرف کرو، اور اپنی توجہ بھی قبلہ کی طرف کرو، قبلہ نہیں، بلکہ صاحب قبلہ، قبلہ کا مالک، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔

دوسری علامت:

۲: دوسری علامت یہ ذکر فرمائی کہ: ”وَلَا يَسْمَعُونَ الْقُرْآنَ إِلَّا جَعَجًا“ اور قرآن کو نہیں سنتے مگر جیسے قصہ کہانی ہوتی ہے، ایک قصہ تھا من لیا چلو، تھوڑی دیر کے لئے طبیعت خوش ہوگئی، قرآن کوئی قصہ کہانی نہیں ہے، یہ ہمارے اکثر الحاکمین کا حکم نامہ ہے، یہ ہمارے محبوب کا نامہ محبت ہے، اس کا ایک ایک پیغام، ایک ایک لفظ و پیغام ہمارے لئے پیغام حیات ہے، اسی کے ساتھ ہماری دنیاوی فلاح اور اخروی سعادت وابستہ ہے، قرآن پڑھو یا قرآن سنو، تو قرآن کے انوارات کی طرف متوجہ رہو، اللہ تعالیٰ قرآن کے انوارات سے ہمارے دنوں کو منور فرمادے، امام قرآن

پڑھ رہا ہے اور ہم کسی دوسری سوچ میں ہیں۔

تیسری علامت:

۳۔..... تیسری علامت یہ ہے کہ: ”وَلَا يَغْنُقُ مَخْرُورُهُمْ“ ان کے آزاد کردہ غلام بھی آزاد نہیں ہوتے، پہلے زمانہ میں غلام ہوتے تھے، ان کو آزاد کرنے کا حکم تھا، کئی موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا اور کئی موقعوں پر مستحب قرار دیا، غلاموں کو آزاد کرتے تھے، لیکن ان کو آزاد کرنے کے بعد بھی پھر ان کو اپنا غلام سمجھتے تھے، وہ بے چارے آزاد ہونے کے بعد بھی آزاد نہیں، پھر بھی ان پر رعب جھارتے ہیں، دھونس جتلاتے ہیں، یہ بے لگ ہیں، جب تم نے اس کو آزاد کر دیا تو وہ تمہارے برابر ہو گیا، اب تمہارا ان پر کوئی بھی حق نہیں رہا۔

اللہ کی رحمت کے جھوٹے:

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھوٹے آتے ہیں، ویسے تو آدمی کو زندگی بھر اللہ کی رحمت کا اور خیر کا طالب رہنا چاہئے، اس کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ خاص خاص اوقات کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھوٹے آتے ہیں، جیسے ہوا چلتی ہے، کبھی جھونکا آ جاتا ہے، ہوا تو چلتی ہی رہتی ہے، لیکن کبھی ہوا کا جھونکا آ جاتا ہے، کبھی ٹھنڈا اور کبھی گرم جھونکا آتا ہے، اللہ کی رحمت کے جھوٹے آتے ہیں، ان جھونکوں کا تعرض کرو اور استقبال کرو اور ان کو وصول کرو، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، وہ جھوٹے پہنچا دیتے ہیں، جو اللہ کے بندے اس وقت متوجہ الی اللہ ہوتے ہیں، ان کو مل جاتے ہیں، اللہ کی جانب سے انعامات تقسیم ہو رہے ہیں۔

قبولیت کا وقت:

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک خاص وقت

قبولیت کا وقت آتا ہے، اس وقت آدمی جو کچھ مانگے یا چاہے، دنیا مانگ لو، دین مانگ لو، چاہے اللہ کی رحمت مانگ لو، چاہے موت مانگ لو، اللہ پاک عطا فرماتے ہیں۔

بچوں کو بددعا دینے سے بچو:

ہمارے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے بچوں کو کوسنے دیتی رہتی ہیں، بددعا کہیں دیتی رہتی ہیں، اور کوئی وقت قبولیت کا ہوتا ہے، اس وقت وہ بددعا قبول ہو جاتی ہے۔ پھر یہ روٹی ہیں، تو نے خود بددعا، نگلی تھی۔ اس لئے بچوں کو بددعا نہ کرو، کسی دوسرے کے لئے بددعا نہ کرو، نیک دعائیں کرو، جب بھی سو فیح مل جائے متوجہ الی اللہ ہو جاؤ کہ شاید یہ قبولیت کا وقت ہو، اور اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں کہ کون سا وقت ہے؟ اور ضروری نہیں کہ ایک ہی وقت ہو، چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت آتا ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے، یا یوں کہو کہ اس میں اللہ کی رحمت کا ٹھونکا آتا ہے، اللہ کی رحمت کے جھوکوں کو وصول کرو اور ان کو اپناؤ اور متوجہ الی اللہ رہو، کم از کم چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت تو آجائے کہ ہم متوجہ الی اللہ ہو جائیں، شاید یہ ہی وقت قبولیت کا ہو۔

انعامی بانڈز کے انعام کی طرح لمحات قبولیت کا خیال رکھو:

انعامی بانڈز خرید خرید کر رکھتے ہو کہ شاید انعام کا ہمارا نمبر نکل آئے، حالانکہ لاکھوں میں سے صرف ایک کا نکلے گا، باتوں کا نہیں، اور جس کا نکلے گا تم اس کو کہتے ہو کہ بڑے خوش قسمت ہو، انعامی بانڈز وہ جو سرکاری ہوتے ہیں، ان کی حیثیت کرنسی کی ہے، خرید کر رکھنا استعمال کرنا جائز ہے۔

انعامی بانڈز کے انعام کا حکم؟

لیکن اس کا انعام لینا جائز نہیں ہے، میں ماہر معاشیات نہیں ہوں، لیکن اتنی بات مجھ اندھے کو بھی معلوم ہے کہ یہ حکومت کی (اب کیا کہوں نمبر پر بیٹھا ہوں، سخت

لفظ نہیں کہتا چاہئے) عوام سے دھوکا بازی ہے (نرم سے یہ لفظ بولیں ہوں) اول تو اگر دس ارب روپے کی مالیت تمہارے پاس ہے تو دس ارب روپیہ ہی کے نوٹ چھاپو، لیکن یہ بھانے دس ارب کے دس کھرب چھاپتے ہیں، یہ محض دھوکا ہے اور پھر یہ نوٹ تو قانونی کرنسی تھی، حکومت نے انعامی بانڈز جاری کر دیئے اور یہ غیر قانونی کرنسی ہے، انعام دینے کے بھانے عوام کی رقم ہتھیلیاں، بظاہر یہ درمیان میں ایک مسئلہ ذکر کیا میں نے۔

انعام نکلنے والا ہے:

کہتا چاہتے ہوں کہ ایک نمبر نکلنے والا لاکھوں میں سے تو تم خرید کر رکھتے ہو، لاکھوں کی تعداد میں لوٹ خرید کر رکھتے ہو کہ شاید ان میں سے کوئی نمبر نکل آئے۔ میں کہتا ہوں کہ انعامی بانڈز تقسیم ہو رہے ہیں اللہ کی طرف سے، خرید لو، ممکن ہے کہ یہ بڑا وقت ہو قبولیت کا، یہ ہی نمبر نکل آئے تمہارا، اس وقت جنت مانگو جنت مل جائے گی، اللہ کی رحمت مانگو رحمت مل جائے گی، دنیا و آخرت کی کوئی سعادت مانگو مل جائے گی۔
اللہ سے دو چیزیں مانگو:

اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دو چیزیں مانگا کرو، ایک یہ کہ اللہ پاک ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے: "اَللّٰهُمَّ لَا تُغْضِبْنِيْ فَاَنْتَکَ بِیْ عَالِمٌ" یا اللہ! مجھے رسوا نہ کیجئے، آپ تو مجھے جانتے ہیں، میرے عیوب اللہ کے علم میں ہیں کسی اور کو معلوم نہیں، بیوی بچوں کو بھی معلوم نہیں، اللہ کو معلوم ہے۔ یا اللہ! جس طرح آپ نے آج یہ چھپا کر رکھے ہیں، آپ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اسی طرح آپ پر پردہ ڈال دیجئے، آخرت میں بھی ہمارے عیوب ظاہر نہ ہوں، اور دوسری چیز اللہ سے مانگا کرو کہ ہمارے جو خوف کی چیزیں ہیں، جن سے ہمارے ہونے کا فطرہ ہے اللہ تعالیٰ ان کو امن سے تبدیل کر دے، یہ حدیث شریف کی دعا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی

تلقین فرما رہے ہیں، ان حضرات کے تمام علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علوم تھے، "اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي" یا اللہ! پردہ ڈال دے میرے عیوب پر اور امن عطا کر مجھے خطرہ و خوف کی چیزوں سے۔
 وَأَعِزَّنَا لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

حرام اشیاء کی خرید و فروخت

بیشک جس نے اس کا پینا حرام کیا، اس نے بس کا بچہ بھی حرام کیا، یعنی شراب۔“

ترجمہ:..... ”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک جو آدمی پیتا ہے چاندی کے برتن میں تو وہ اندھنہ ہے اپنے عیث میں جہنم کی جگہ۔“

ترجمہ:..... ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک لعنت کرنے والے سفارش کرنے کے حق دار نہیں ہوں گے اور نہ گواہ ہوں گے قیامت کے دن۔“

ترجمہ:..... ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بیشک مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو مناجات کرتا ہے اپنے رب سے، سو نہ تھو کے اپنے آگے، نہ دائیں جانب، بلکہ تھو کے اپنے بائیں جانب نہ پاؤں کے نیچے۔“

شراب کا پینا اور پیننا حرام ہے:

پہلی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس ذات عالی نے شراب کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کا بچنا بھی حرام کیا ہے۔

تفسیر یہ ہوا تھا کہ ایک صاحب باہر سے شراب کا مشکیزہ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں شراب کا ایک مشکیزہ لایا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ حرام ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! حرام ہوگئی

ہے۔ کسی نے اس کو اپنا سے چپکے سے کہا کہ: کسی غیر مسلم کے پاس سے بیچ دو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کی یہ بات سن لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے اس کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کا پیننا بھی حرام کیا ہے! شراب کا پینا بھی حرام، اس کا پیننا بھی حرام، اس کا پیننا بھی حرام اور حد یہ ہے کہ جو شخص شراب اٹھا کر لے جائے اس پر بھی حنت ہے، شراب پر لعنت، اس کے پانے والے پر لعنت، اس کے خریدنے والے پر لعنت، اس کے اٹھانے والے پر لعنت، اس کے پیننے والے پر لعنت۔

اس حدیث کے ضمن میں چند مسئلے ذکر کرتا ہوں۔

شراب کے نشہ میں دی گئی طلاق مؤثر ہے:

۱۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ شراب پینے سے اگر کسی کو نشہ ہو جائے اور وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو خلاق واقع ہو جاتی ہے۔

بہت سارے لوگ یہ مسئلہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ شوہر نے نشہ کی حالت میں طلاق دی تھی، مدعوئی تھا، اس کو پتہ نہیں تھا، مدعوئی کی حالت میں طلاق دی، تو مدعوئی کی مدعیہ واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ حرام کے نشہ کے ساتھ مدعوئی ہوا ہو، اگر کسی نے ہاؤز اور پاک چیز کا استعمال کیا تھا، اتفاق سے وہ دماغ پر چڑھ گئی اور اس سے مدعوئی ہو گیا، اس حالت میں اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی یا مثال کے طور پر کسی کافر نے زبردستی اس کو بلا دیا اور اس کو نشہ ہو گیا، نشہ میں بدست سوکر اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو پھر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ اس نے اپنے اختیار سے نہیں دی، تو حرام نشہ جو اپنے اختیار سے کیا ہو، اگر اس سے آئی مدعوئی ہو جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور حرام نشہ نہ ہو لیکن کسی وجہ سے اس سے مدعوئی ہو گئی اور اس حالت میں طلاق دے دی تو خلاق واقع نہیں

ہوگی۔

جس کا استعمال حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے:

۱۲: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بروہ چیز جس کا استعمال کرنا حرام ہے، اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، شراب کا پینا حرام ہے، تو اس کی خرید و فروخت بھی حرام۔

کینا مسلمان کے شراب کے منکے توڑنے پر ضمان ہے؟

مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں ہے، اگر کسی نے مسلمان کی شراب کے منکے توڑ دیے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن غیر مسلم کے حق میں مانا ہے، اگر غیر مسلم کے منکے توڑے تھے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، تو اس سے ایک بہت بڑا اصول معلوم ہو جاتا ہے کہ بروہ چیز جس کا استعمال حرام ہے، اس کا پینا اور خریدنا بھی حرام ہے۔

فی وی کی خرید و فروخت؟

یہیں سے فی وی کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے، فی وی حرام تو اس کا پینا بھی حرام، اس کا خریدنا بھی حرام اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، مثلاً: مردار حرام ہے، اب کوئی مردار کا گوشت بیچے، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! تو یہ بھی حرام ہے۔

حرام اور مردار کی قیمت بھی مردار ہے:

حرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو قیمت حاصل ہوگی اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو مردار کا ہے، اگر کسی نے مرا ہوا جانور کسی چوڑھے کے پاس بیچ دیا اور اس سے رقم لے کر استعمال کر لی تو اس رقم کا استعمال بھی ایسے ہی ہے جیسے کہ خود مردار کا استعمال تھا، اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے دیہات میں

رواج ہے کہ اگر خدا نخواستہ کسی کی بھینس مر گئی، مرنے سے پہلے اس کو ذبح نہیں کر سکے، حلال نہیں کر سکے تو اس کی کھال اُتار کر چڑھوں کے پاس بیچ دیتے ہیں کہ لے جاؤ اس کو سانہ یا ستر یا سو دو سو روپے میں، جتنے بھی ہوتے ہوں گے، اس کی کھال بیچ دیتے ہیں، حالانکہ وہ، کرنا ناجائز ہے، کیونکہ مردار کی کھال بھی مردار کے حکم میں ہے، لہذا اس کا بیچنا بھی حلال نہیں۔

مردہ جانور کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے:

الّا یہ کہ مردار کی کھال کو قذر دلیا اور اُترا کر اس کو رنگو یا اب وہ پاک ہوگئی، تب اس کا بیچنا حلال ہے، مردار کی کھال کو اگر رنگ لیا جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دیکھا ایک کبری مری ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنَّمَا ذَبَحْنُمُ إِنَّمَا نَهَا فَاَسْتَفْتَيْتُهُمْ بِهِ فَقَالُوا: يَا

رَسُولُ اللَّهِ! إِنَّهُ مَيْتَةٌ - وَهِيَ ذَوَابَّةٌ - يَقُولُ: إِذَا ذُبِحَ

الْإِهَابُ فَقَدْ ظَهَرَ“ (ابوداؤد ج ۳ ص ۲۱۳)

ترجمہ: ”تم نے اس کے چمڑے سے کیوں نہیں نفع

اُٹھایا؟ کہ: یا رسول اللہ! یہ تو مردار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: جس کھال کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔“

اس کے بعد اس کو بیچ سکتے ہیں، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام، اس کا

بیچنا بھی حرام، خریدنا بھی حرام۔

شراب کا سرکہ بنانا!

البتہ اگر کسی کے پاس شراب ہو تو اس میں سرکہ ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا

کرتے ہیں، شراب کا سرکہ بننا جائز ہے، تو آیا شراب کا سرکہ بنالیا جائے تو یہ جائز

ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر سرکہ بن گیا تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اس لئے کہ اب شراب نہیں رہی، لیکن شراب کو سرکہ بنانا یہ عمل جائز ہے کہ نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جائز نہیں ہے! ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مناسب تو نہیں ہے، لیکن اگر بنالیا تو حرام بھی نہیں ہے!

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال:

دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اُٹھیل رہا ہے اور غت غت کر کے جو پل رہا ہے، آگ کا سیل یعنی پہننے والی آگ پل رہا ہے۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے، اور اس معاملے میں لوگ بڑا اٹھلا کرتے ہیں، بڑے لوگوں کے چونچلوں کی تو خیر بات ہی کیا ہے؟ ماشا اللہ! وہ تو مرفوع القلم ہیں، قلم ان سے اٹھایا گیا ہے، سونے کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، چاندی کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، محاورہ ہے کہتے ہیں کہ جی سونے کا منچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا ہے، سونے کا یا چاندی کا چمچہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں، اس کی پلیٹ یا تیشتری کو کسی بھی مقصد میں استعمال کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ چاندی کا خلال بنالیتے ہیں، وہ بھی جائز نہیں۔

سونے چاندی کا تعویذ:

ہمارے حکیم الامت قدس سرہ نے اس معاملہ میں ایک بہت وقیع مسئلہ لکھا ہے، جس کی طرف لوگوں کو التفات نہیں، عام طور پر یہ جو تعویذ دینے والے ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تعویذ چاندی میں متذوالیہ، مذکور دنیا، حضرت فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے حرام! کیونکہ چاندی کا تعویذ بطور برتن استعمال ہو رہا ہے، عورتوں کے لئے،

بچیوں کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات کا استعمال جائز ہے، لیکن سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال عورت کے لئے بھی جائز نہیں، خاصہ دان ہے، پان دان ہے، سرے دان ہے، سونے کی ہو یا چاندی کی اس کا استعمال مردوں اور عورتوں سب کے لئے جائز نہیں ہے، سرمہ ڈالنے کی سلائی چاندی کی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بعض دفعہ اہلک بتاتے ہیں کہ فلاں آنکھ کی بیماری کے لئے چاندی کی سلائی استعمال کی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بجائے قلی جو ہوتی ہے ناں! جس سے برتن قلی کرتی ہیں، پہلے زمانہ میں تانبے کے برتن ہوتے تھے، ان کو قلی کراتے کی ضرورت ہوتی تھی، اب تو اسٹیل کے برتن آئے ہیں، اب تو قلی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، تو فرماتے ہیں کہ اس قلی کی سلائی استعمال کرے، وہ وہی اثر کرے گی جو چاندی کی سلائی کا اثر ہے۔ اسی طرح تعویذ کو بھی استعمال کرنا کہ چاندی کے اندر تعویذ رکھ کر محفوظ کیا گیا ہو، یہ بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تعویذ کا برتن بن گیا ہے، برتن کی جگہ استعمال ہو رہا ہے، ہاں؟ زینت کے لئے استعمال کرتے تو دوسری بات تھی، بچیوں کے لئے اور عورتوں کے لئے تو جائز تھا۔

چھوٹے بچوں کے لئے بھی سونے چاندی کا استعمال

نا جائز ہے:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ لڑکوں کے لئے سونے چاندی کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لڑکوں کے گلے میں سونے چاندی کے تعویذ پہنانا یہ بھی جائز نہیں ہے، وہ تو بچہ معصوم ہے، لیکن ماں باپ نے اگر پہنایا تو وہ گناہگار ہوں گے، جیسا کہ پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیچھ کرنا حرام ہے، کیونکہ اس طرح کرنا قبلہ کی بے ادبی ہے، تو اسی طرح بچوں کو بھی اس طرف کروانا جائز نہیں، گو بچہ تو گناہگار نہیں مگر یہ کروانے والی گناہگار ہوگی۔

لعنت کا وبال اور اس کی محرومی:

تیسری حدیث ہے کہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے، نور نہ سفارش ہوں گے، کیونکہ کسی مسومن کے حق میں شہادت دینا، اس کو اللہ کی رحمت میں داخل کرنا ہے، اور کسی کی شفاعت کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت میں اس کو داخل کرنے کے لئے ہے، اور لعنت کے معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا، یہ آدمی تو اللہ تعالیٰ سے لعنت یافتہ تھا، یہ تو مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری یافتہ تھا، تو اس کو قیامت کے دن شفاعت نہیں بنایا جائے گا، گواہ بھی نہیں بنایا جائے گا۔

لعنت کا حکم؟

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی مؤمن یا کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، جیسے ابولہب، ابوجہل اور دوسرے بکے بکے کافر، بے ایمان، ان کے لئے ہم لعنت اللہ کہہ سکتے ہیں جیسے ابولہب ملعون، لعنة الله عليه!

بمزید پر لعنت کرنا:

بمزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ہمارے ہاں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تعاجلی ملعون، اس لئے لعنت کرنا جائز ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں! خدا جانے کس حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو، اگر گناہ گار تھا تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ لعنت کا مستحق نہیں بلکہ اس لئے کہ اہل سنت کا اصول یہ ہے کہ کسی کافر پر بھی لعنت جائز نہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے توبہ کر لی ہو؟ جس کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ بغیر توبہ کے مرا ہے، اس پر لعنت کرنا جائز ہے، لیکن پھر بھی لعنت کرنا کوئی عبادت نہیں۔ درود شریف پڑھو، تمہیں ثواب ملے گا، تسبیح پڑھو، تمہیں ثواب ملے گا، اور تم کہو کہ ابوجہل لعنة الله اعنة الله، کوئی ثواب نہیں،

عنّت کرنا کوئی ثواب نہیں، لیکن وہ عجیب مذہب ہے جس میں لعنت کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے!

نماز میں آدمی اللہ سے مناجات کرتا ہے:

اور پختی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، مناجات کا معنی چپکے سے بات چیت کرنا، لہذا اگر نماز میں تھوکتا پیش آئے تو آگے نہ تھوکے، کیونکہ سامنے رب ہے، نعوذ باللہ! تم رب کے منہ پر تھوکتے ہو؟ تمہارے سامنے جو بیٹھا ہے اگر تم اس کی طرف تھو گے تو کتنی بری بات ہوگی؟ اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے یہ بھی کرامت والی جانب ہے، بائیں طرف تھوک دے، بشرطیکہ کوئی بائیں جانب نہ ہو، ورنہ اس پر پڑے گا یا پھر پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو مل دے۔

نماز میں تھوکنے کا حکم:

یہاں پر دو تین باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک یہ کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ: تھوکنے کی خدا نخواستہ ناگزیر صورت پیش آجائے تو اس کے بارہ میں حکم یہ ہے کہ کپڑے کا کنارہ لے کر اس میں تھوک کر اس کو مل لے۔

نماز میں تھوکنے کا ادب:

یعنی اگر کوئی تھوکنے پر مجبور ہو جائے تو اس کا ادب یہ بتایا ہے کہ آگے نہ تھوکے، دائیں جانب نہ تھوکے، بائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ کپڑے کے کنارے میں تھوک کر اس کو مل لے، یا پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو مل دے۔

کچا فرش ہو تو حالت نماز میں تھوکنے جائز ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کبھی تھی، کچا فرش تھا، مٹی

حق، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر تھکونے کا حکم فرمایا، یہاں بچے فرش یا قالین پر نہ تھوک دیتا!

عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

تیسری بات یہ ہے کہ عمل کثیر یعنی اتنا کام نماز میں کیا جائے، مثال کے طور پر منہ میں بلغم تھا، نمازی نے کپڑے کا کونا لیا اور اس میں بلغم لے کر مل دیا، تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، بشرطیکہ صرف ایک ہاتھ استعمال ہوا ہو، اگر دو ہاتھ استعمال کئے کسی کام کے لئے تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

عمل کثیر کی تعریف:

رہی یہ بات کہ عمل کثیر کسے کہتے ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ دور سے دیکھنے والا اس کو دیکھے تو یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا، اور بعض نے کہا کہ عمل کثیر وہ ہے جس میں دونوں ہاتھوں کی ضرورت پیش آئے۔

ارکان نماز، روح نماز کی علامات ہیں:

حدیث میں فرمایا ہے کہ بندہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، مناجات نماز کی روح ہے، یہ اٹھک، بیٹھک تو قطعاً نہیں، نمازی آدمی کا قیام ہے، ہاتھ باندھ کر کسی کے سامنے کھڑا ہے، رکوع کر رہا ہے تو کسی کے سامنے جھک رہا ہے، اللہ کے فضل سے بڑے بڑے فرعونوں کے سامنے ہماری گردن نہ جھکی، لیکن یہاں آ کے جھکتی ہے، اور جب سجدہ کرتا ہے تو کسی کے پاؤں میں سجدہ کرتا ہے، کسی کی خوشامد کرتا ہے، جب زبان سے کچھ کہتا ہے تو کسی کو جانتا ہے، کسی سے کچھ مانگتا ہے اور کسی سے کچھ کہتا ہے، غرض یہ جو نماز کے ارکان ہیں یہ صرف علامتی ارکان ہیں، درت اصل روح جو ہے وہ تو دل کے اندر ہے، یعنی مناجات، یہ روح جتنی قوی ہوگی اتنی نماز قوی اور پہلوان

ہوگی، اتنی ہی نماز طاقتور ہوگی، اور جتنی یہ کمزور ہوگی اتنی ہی یہ نماز بھی کمزور ہوگی۔
 بھائی! اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات کر رہا ہوں۔
 ہماری نماز!

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہماری تو نماز ایسی ہے جیسے
 گھڑی میں چابی بھردیتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ چابی بھردی تو وہ چلتی رہے
 گی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ اکبر کہہ کر نماز کی چابی بھردی، اب یہ السلام
 علیکم ورحمۃ اللہ تک خود بخود چلتی رہے گی، ہم لالو کھیت پھرتے رہیں گے۔ نہیں بھائی!
 میں حاضر ہونا چاہئے، اپنی نماز میں صُضر ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ بس ہم نے ایک دفعہ
 اللہ اکبر کہہ دیا تو نماز شروع ہوگئی۔

مالی دنیا من پیر سیدم
 گفت یا بادبست یا ظلیست یا افسانہ
 باز گفتم اس کست آنکست جو کہ دل در بے بیوست
 گفت یا غولیست یا دیو بست یا دیوانہ

میں نے ایک دانا سے دنیا کا حال پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا رائے؟
 کہنے لگا کہ ہوا ہے، یا سایہ ہے، کبھی ادھر ڈھل گیا، کبھی اُدھر ڈھل گیا، اور بیویوں کو کہ
 افسانہ ہے، ایک خواب دیکھ تھا، بیدار ہو گئے۔ میں نے کہا کہ اس کے بارے میں کیا
 ارشاد فرماتے ہیں جو یہاں دل لگالے؟ کہنے لگے کہ: وہ آدمی تو نہیں معلوم ہوتا کوئی
 بھوت، چڑی ہوگی یا پھر کوئی دیوانہ ہے، پاگل ہے! اس پاگل بچے کا دورہ ہم سب کو
 پڑا ہوا ہے۔

دنیا کی فہمت و آزمائش دونوں ناقابلِ برداشت:

دوست خط لکھتے رہتے ہیں، سوالات و جوابات کے لئے، ابھی بھی شاید وہ

خط میرے پاس پڑا ہوا ہے، ایک صاحب کہتے ہیں، بہت لمبی کہانی نکلی کہ ہم بہت مسرت میں تھے، اس کے بعد میں باہر ملک میں چلا گیا، ہمارے دن پھر گئے، بڑا سرمایہ جمع ہو گیا تھا، (یہ ایک خواب کا منظر تھا، یہ وہ دوسرے خواب کا وہی دوسرا منظر تھا) اور پھر کہتے ہیں کہ وہ تمام رقم جمع کروادی، وہ جو سرمایہ کمپنی نکلی تھی اس میں ہمارے ٹھنڈ تھے، لیکن کمپنی والوں کے بھاگ جانے سے وہ سب رقمیں غارت ہو گئیں، اور آج بچی کا زہر ساٹھ ہزار میں گروی دکھا ہوا ہے، بچی کو رخصت نہیں کر سکتا، دوسری بیٹی جوان پنھی ہے، اس کو رخصت نہیں کر سکتا۔ بد قسمتی سے یہ دنیا جس کے پاس آ جاتی ہے اس کا دماغ خراب کر دیتی ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ مال و دولت اور یہ دنیا میرے پاس ہمیشہ رہے گی، اور جس کے پاس سے چل جاتی ہے ویسا زخم چھوڑ جاتی ہے کہ اس کی ٹیس برداشت نہیں کر سکتا۔ جس نے اس کو جالپ میں لکھا کہ انسان یہاں کی نعمت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا اور یہاں کے اقتلا و امتحان کو بھی برداشت نہیں کر سکتا، جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ نعمت دیتے ہیں، مال و دولت مل گیا، رزق کی فراوانی ہو گئی، چار پیسے ہاتھ میں آ گئے، تو اس کی انگڑیوں دیکھنے کے لائق ہوتی ہے، اس وقت یہ اعتدال پر نہیں رہتا، شکر نہیں بجالاتا، اور جب وہی نعمت اللہ تعالیٰ چھین کر دکھاتے ہیں کہ ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں تو پھر اس کا نوحہ اس کا ماتم سنا نہیں جاتا، انسان بہت کمزور واقع ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا. إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

جَنُوعًا. وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا.“ (الحاج: ۱۷-۱۸)

ترجمہ:.....”انسان پیدا کیا گیا کمزور (اندھے سے

خالی)، جب تکلیف تو جزا فرما کرتا ہے،

اور جب کچھ بھی ہے اس کو خیر تو روکنے لگتا ہے (اس میں کسی اور کا

حصہ نہیں، صرف میرے لئے ہے، یہ بانٹ کر کھالو! نہیں!) بانٹنے

کا سوال ہی نہیں، کہتے ہیں یہ صرف میری ہے (۱)۔

انہی سبب نے جن کی میں ہمت کر رہا ہوں، آخر میں شعر لکھا تھا:

اے زورِ خدا نہیں، لیکن بخدا! سببِ اسباب و قاضی الحاجات۔

اے زورِ مال و دولت کو کہہ رہا ہے تو خدا تو نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! تو

مستجب! اسباب اور قاضی الحاجات ہے۔

انسان کی حماقت کی حکایت:

اپنی حماقت سے یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مال و دولت بھی من جنہ اسباب کے ہے

مستجب! اسباب نہیں ہے، اور قاضی الحاجات نہیں بلکہ خود ایک حاجت ہے، قاضی

الحاجات دوسری ذات ہے۔

پیشگی زیور کے شروع میں دو جوہری حکایتیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک

حکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، صحیح حدیث میں ہے کہ تین آدمی

تھے، ایک کورمھی، دوسرا گھنچا، تیسرا لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے ان کے پاس

فرشتہ بھیجا۔

فرشتہ کورمھی کے پاس گیا، کہنے لگا: تمہیں کیا چیز چاہئے؟ کہا کہ دیکھو! میں

میرا کیا حال دو رہا ہے؟ میری جد تھیک ہو جائے، بدن میرا ٹھیک ہو جائے۔ فرشتے

نے ہاتھ پھیر دیا، اسی وقت یزیدی ختم ہو گئی، تو پوچھا کہ: تمہیں کون سا مال سب سے

زیادہ پسند ہے؟ کہنے لگا کہ اونٹ! اس نے اس کو ایک اونٹ دی اور کہا کہ اللہ

تعالیٰ برکت فرمائیں، مختصر سے سنی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتہ کی دعا تھی، بہت مال

بڑا، اونٹوں کے ساتھ جوئی بھرنی اور وہ سینہ بن گیا۔

فرشتہ گنجے کے پاس گیا، اس سے کہا کہ تمہیں کیا چاہئے؟ کہنے لگا کہ

میرے مذاق اڑاتے ہیں، سر نے بال تباہیں! ٹھیک ہے، سر پر ہاتھ پھیر دیا، بال

آگئے، فرشتے نے پوچھا: تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ کہنے لگا: گائے! اس کو گائے دے دی اور کہا کہ: اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں، اس کے مار میں اچھی برکت ہوئی کہ یارو بھر گیا۔

فرشتہ اندھے کے پاس گیا، پوچھا کہ: تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اندھا کہنے لگا کہ: ہتھکڑیاں نہیں ہیں، آنکھیں مل جائیں، میں دنیا کو ایک دفعہ دیکھ لوں! فرشتے نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا، مینائی لوٹ آئی، فرشتے نے اس سے کہا کہ: تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ کہا کہ: بکری! ایک بکری دے دی اور کہہ کہ: حق تعالیٰ شانہ برکت عطا فرمادیں!

یکے عرصہ گزرے، اسی فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سرکل کی شکل میں بھیجا، پہلے وہ فرشتہ اس کوڑھی کے پاس گیا، کہتا ہے کہ: بہت ہی آزرده حال مسافر ہوں، اللہ تعالیٰ کا سپہ را ہے، اس کے بعد آپ کا سہارا ہے، خدا کے لئے میری مدد کیجئے، آپ کے پاس اونٹوں کی جوڑی بھری ہوئی ہے، ایک اونٹنی مجھے دے دیجئے، میں اس پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچوں گا! اس نے جواب میں کہا: جا بیا میاں! میرے اور بھی بہت سارے کام اور ضرورتیں ہیں، یہ مانگنے والے روز آ جاتے ہیں، ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا، روز آ جاتے ہیں، مانتا بندھا ہوا ہے۔ اس کو وہ فرشتہ کہنے لگا: تجھے معلوم ہے کہ جب تو کوڑھی تھا اور کسی بزرگ نے آکر تیری جلد پر ہاتھ پھیرا تھا اور پھر تجھے اونٹنی دے گیا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے تیرے اونٹوں میں برکت فرمادی تھی، تو ایسا نہیں کرو! اس نے جواب میں کہا: جا جا! اپنا کام کرا میں تو ہمیشہ سے ایسا تھا اور یہ دن فانیہ میرے باپ دادا کے زمانے سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس فرشتے نے کہا اگر تو جمعوت بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کر دے! اسی وقت کوڑھی ہو گیا اور وہ اونٹ مر گئے۔

فرشتہ منجے کے پاس گیا، وہاں بھی یہ تماشا ہوا، آخر میں اندھے کے پاس

گیا، اس سے کہا کہ: میں مسافر ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت مال دیا ہے، کچھ مجھے بھی دے دیجئے، میں اپنے سفر کا انتظام کروں، دیکھو: تم اندھے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بینائی عطا فرمائی، اور تم بے مال تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا فرمادیا! وہ کہنے لگا کہ: آپ بالکل صحیح کہتے ہیں! میں اندھا تھا، مجھ پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا، اور میں فقیر تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ شخصیت کو بھیج دیا تھا، اس نے مجھے ایک بکری دی اور میرے لئے دعا کر دی، اور آج میرے پاس مال کی فروانی ہے، یہ سارا مال اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے، بجا جتنا لے کر جانا ہے! جتنا لے کر جانا ہے لے جا! میرا نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ہے! اس فرشتے نے کہا کہ: میں انسان نہیں ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیج ہوا فرشتہ ہوں، مجھے تیرے مال کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے تم تینوں کو آزمانا تھا، آزمایا، اللہ تعالیٰ تیرے مال میں برکت عطا فرمائیں۔

انسان کے پاس پیسے آجاتے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ پیسے ہمیشہ سے تھے میرے پاس، اپنی حیثیت کو بھول جاتا ہے، اور جب اس کے پاس سے وہ نعمت چھین جائے یا کسی مصیبت میں، کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کی آواز زوری دہنیں اور سنی نہیں جاتی، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے حالات میں تو ہم جیسے پتھر دل بھی پگھل جاتے ہیں، یہ تو ہمارا دنیا کا غمضہ ہے، یہاں کی نعمتوں کو واپسی سمجھتے ہو، حالانکہ یہ تو ڈھلنے والی چھاؤں ہے، یہاں کی لذتوں کو لذتیں سمجھتے ہو، حالانکہ ان میں سو بلائیں چھپی ہوئی ہیں، یہاں کی نعمتوں کو نعمتیں سمجھتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ علوے میں رہ کر ملا دیا گیا ہے۔

مبارک لوگ:

بہت ہی مبارک ہیں وہ لوگ جو یہاں رہتے ہوئے یہاں کی حقیقت کو سمجھ جائیں، ان کا دل یہاں نہ گئے، بلکہ وہاں گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

حدیث شریف میں فرمایا، مجھے ایک مثال دینی ہے، اسی لئے یہ حدیث ذکر کر رہا ہوں، فرمایا: ”سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دیں گے، قیامت کے دن عرشِ الہی کے سائے میں ہوں گے، جس دن کہ اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان سات آدمیوں کو ذکر فرمایا، اس حدیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے، صرف ایک مثال دینا ہے، اس میں فرمایا کہ: ایک وہ آدمی جو نماز سے فارغ ہو کر گھر چلا گیا، مگر اس کا دل اٹکا ہوا تھا مسجد کے ساتھ، خود گھر چلا گیا لیکن دل یہاں اٹکا گیا، اس کا دھیان یہی ہوتا ہے کہ کب نماز کا وقت ہوتا ہے میں جاؤں، جہاں دل لگا ہوتا ہے وہاں آدمی جانا چاہتا ہے، دل اٹکا ہوا ہے۔

دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی طرف توجہ:

بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو رہتے تو ہیں دنیا میں، لیکن ان کا دل اٹکا ہو، ہے آخرت میں، تمہارا دل یہاں نہیں لگنا چاہئے، آخرت میں لگنا چاہئے۔

ہم جنت سے قضائے حاجت کو آئے ہیں:

ہم تو جنت سے آئے تھے، ہمارے جدا جدا جنت سے آئے تھے، وہاں کی مخلوق ہیں، یہاں آئے تھے قضائے حاجت کے لئے، رفعِ ضرورت کے لئے آئے تھے، کیونکہ وہاں بیت اللہ نہیں ہے، یہاں کی جو سرسبزی ہم نے دیکھی، یہاں کی رونقیں دیکھیں تو ہمیں اپنا وطن تو یاد نہیں رہا، یہیں مشغول ہو گئے۔

گورنر ہاؤس اور استیخانہ!

ایک دفعہ جنگِ اخبار کے دفتر میں میرنگیل کے پاس گیا، وضو کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے اپنے دفتر کا جو بیت نکلا ہے، اس نے کہا کہ: یہاں آپ وضو کر لیں! میں جب وضو سے فارغ ہو کر باہر آ گیا تو میں نے کہا کہ: تم نے استیخانہ بنوایا ہے یا گورنر ہاؤس؟ اس پر وہ بہت ہنسا، تو استیخانے خانے بھی گورنر ہاؤس ہیں،

ہمارے دل میں تمہارے گورنر بائیس کی وقعت اچھے خانے سے زیادہ نہیں ہے، تو بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو یہاں رہتے ہیں لیکن ان کا دل مسجد میں اُنکا ہوا ہے۔

اہل قیور کی حاضرت:

ایک تو یہ مضمون ارشاد فرمایا اور دوسرا اہل قیور کی حاضرت کو ذکر فرمایا کہ تمہاری طرح وہ بھی کہتے تھے، پیتے تھے، قوت رکھتے تھے، چلتے تھے، پھرتے تھے، دنیا کو آباد کیا، بڑا نام پیدا کیا، سائنسی ایجادات کیں، دنیا پر حکمرانی کی اور نہ معلوم کیا کیا کی؟ لیکن آج ان کی وہ کیفیت ہے:

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آگیا

بکسر وہ استخوانہ شکستہ سے چور تھا

کسی کے سر کی تھوڑی کہیں پڑی تھی، ایسے ہی اچانک پاؤں کے نیچے آگئی، پرائی ہڈی تھی، بوسیدہ ریزہ ریزہ ٹوٹی، وہاں اندر سے آواز آئی کہ۔

ذر سنخیل کے چلو بے قبر!

کل میں بھی کسی کا سر پُ غرور تھا

آج وہ کال کٹھری میں بند ہیں، مکانا ان کے ملے ہوئے ہیں، بلکہ ایک ہی قبر میں اگر ساٹھ مردے دفن کر دیئے جائیں تو ایک دوسرے سے نا آشنا، وہ اس کا نہیں، وہ اس کا نہیں، جیسے دو آدمی ایک ہی بستر پر سو رہے ہیں، ایک خواب میں قیل کا مزہ چکھ رہا ہے، اور دوسرا خواب میں بادشاہی کا مزہ چکھ رہا ہے، ایک ہی بستر پر ہیں، لیکن دنیا دونوں کی الگ الگ ہے، ایک بارخ کی سیر کر رہا ہے، اور ایک کے پیچھے شیر بھاگ رہے ہیں، کتے اس کے پیچھے لگ رہے ہیں، ان کو اتنی فرصت نہیں کہ کسی کا دیکھ دروسیں، ان میں اتنی تو تاب نہیں کہ ذرا اپنے جزاء شریفہ سے باہر قدم نہج فرمائیں، وہ بند قید خانہ ہے، تاریک قید خانہ، قید خانہ احمد میرا اور ادرنا معلوم کتنے سانپ چھوڑے

ہوئے ہیں، کچھ چھوڑے ہوئے ہیں؟

قبر کا نقشہ سامنے رہے!

تو دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ ذرا اس دنیا میں آکر مست ہو گئے ہو، ذرا قبر کا نقشہ بھی سامنے رکھا کرو۔

بارگاہِ الہی میں پیشی کو پیش نظر رکھو!

اور تیسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ کل بارگاہِ خداوندی میں تمہاری پیشی ہوگی، نامہ عمل تمہارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے، اور ہر آدمی سے کہا جائے گا کہ اپنی اپنی کتاب پڑھ لو، تمہارے تمام پردے ہٹا دیئے جائیں گے، یہاں تو رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر اور چہرے پر غلبہ ڈال ڈال کر ڈاکے ڈالتے ہو، تمہارے چہرے کی غلبہ نوج لی جائے گی، اور یہ تاریکی چھٹ جائے گی، تمہارے دل کے بھید نکال کر ظاہر کر دیئے جائیں گے، دل کے اندر جو گندگی پھیلی ہوئی ہے، چاہے وہ غفلت ہے، وہ چہرے پر آ جائے گی، اس وقت تمہارا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا، ذرا اس نقشے کو بھی یاد رکھو۔

ہم خوابِ غفلت کے نشہ میں ہیں:

یہ تین مضمون ہیں کہ یہی تین مضمون قرآن کریم میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں، حضراتِ خلفائے راشدین کے کلام میں، اور حضراتِ اولیاء کے ارشادات میں پھیلے ہوئے ہیں، یہی تین مضمون ہیں، ہم ایک خواب دیکھ رہے ہیں، جس کا نام خوابِ غفلت ہے! ہمیں غفلت کا انجکشن لگا دیا گیا ہے، ہوش نہیں آ رہا، دیوانگی سی ہے، جو ہم پر طاری ہے، بھلے کو بھلا نہیں جانتے، برے کو برا نہیں جانتے، جو بھلائی کی بات کرے اس کو دشمن جانتے ہیں، اور جو تمہارے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اس کو دوست بناتے ہیں، لیکن یہ نشہ اتر جائے گا، یہ خوابِ غفلت کا نشہ طاری ہے ہم پر

یہ عقیدہ بہ اُترنے والا ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ جب اُترے گا تو وقت جاتا رہے گا، پھر تہ رک نہیں کر سکیں گے۔

میں ہمیشہ بتاتا رہتا ہوں کہ جو بچپن میں ہیں، ابھی جوانی میں قدم رکھ رہے ہیں، سبحان اللہ! ان کے لئے تو گویا ہماری زندگی پائی ہے، وہ ابھی سے اپنا نقشہ درست کر لیں، وہ جو میں نے حدیث پر بھی سنا ہے، کہ سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو مرث اُمّی کا سر یہ نصیب ہوگا، ان میں سب سے پہلے نام ذکر فرمایا ہے "الامام العادل" اور وہ جوان جس کی تشوہنا ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی، ان کی تو بہت ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے، تو ہماری زندگی مونا (زرین) بن جائے، ہماری سونہ بن گئی، ہماری زندگی ایسے ہی مونا بن گئی، یعنی ہماری زندگی مسوگر گزار دی، اللہ کرے ان کی زندگی سنا (زرین) بن جائے، ہم نے مسوگر گزار دی، اور یہ دو مہیاں کی عمر میں ہیں، ان کے لئے بھی وقت ہے، اور جنہوں نے میری طرح دھوپ میں باں سفید کر لئے ہیں، ان کے لئے بھی ابھی وقت ہے، مرنے سے پہلے پیسہ وقت ہے، غرغری سے پہلے وقت ہے، غرغری کہتے ہیں یہ دونوں جہاں کے ایک جاتی ہے، اس سے پہلے وقت ہے تو پانچ میں، کہ ہوں تو چھوڑنے کا ارادہ کر لیں، اچھی زندگی کی لائن کو ہلنے کا ارادہ کر لیں، غم نہ کریں کہ آج سے مجھے فحالت کی زندگی نہیں گزارنی ہے، شمس کی خواہشات کی زندگی نہیں گزارنی ہے، دیا کے دھوکے میں جتا ہو کر زندگی نہیں گزارنی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہانہ ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں!

ذرغری؟ حوذاً لہذا لنعمر لہو ربنا ربنا